سفید پھولوں سی اک دعا

نزہت جبیں ضیا

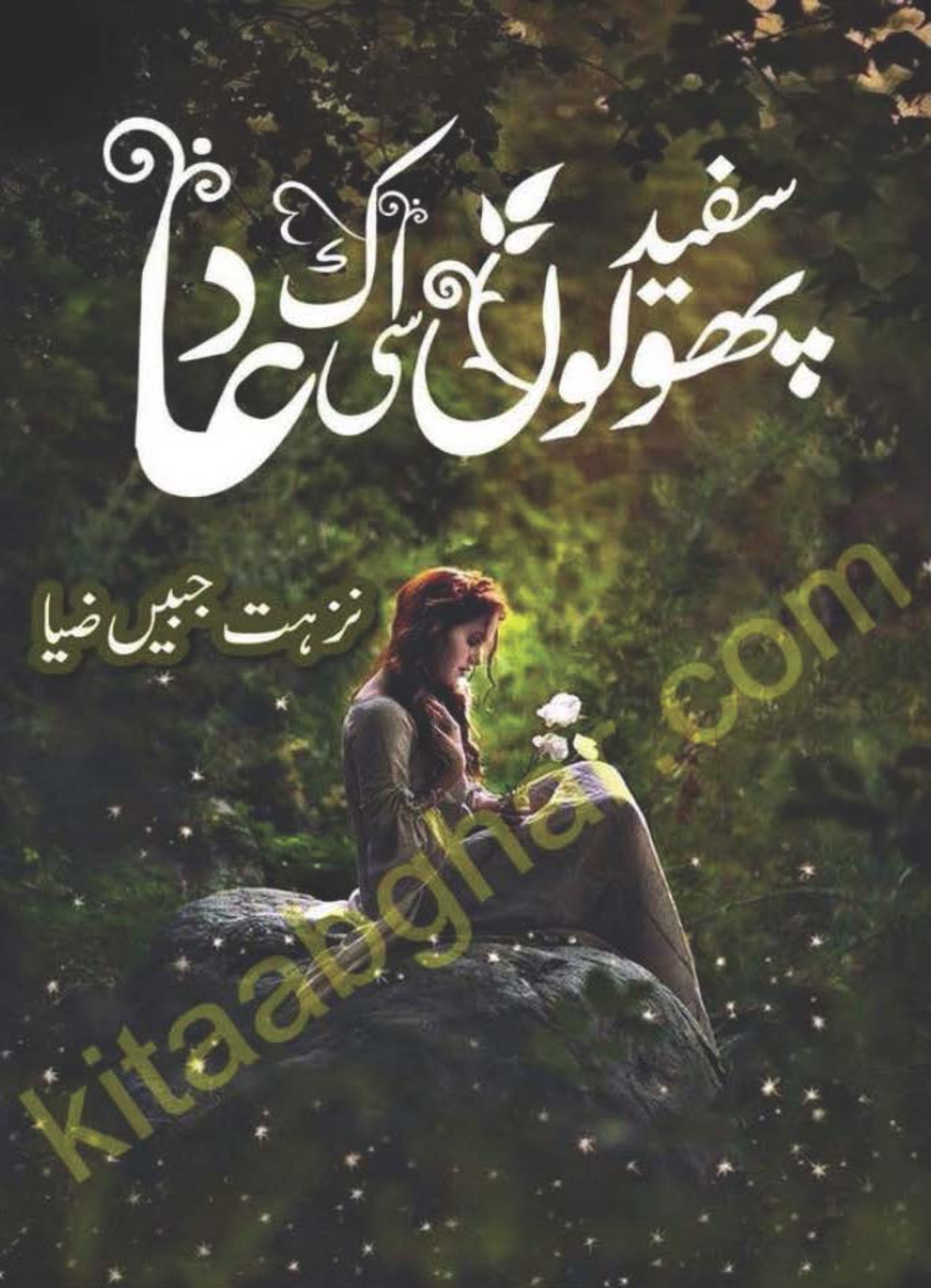

kitaabghar.com

سفید پھولوں سی اِک دُعا

نزہت جبیں ضیاء

نوٹ:۔

اس ناول کے جملہ حقوق بنامِ مصنفہ نزہت جبیں ضیاء محفوظ ہیں۔ مصنفہ نے یہ ناول خصوصی طور پر کتاب گھر (http://kitaabghar.com) کو آن لائن پبلشنگ کی اجازت دی ہے۔ لہٰذا اس تحریر کی کسی بھی اور آن لائن میگزین، ویب سائٹ، سیل فون ایپ یا انٹرنیٹ پر کسی بھی شکل میں کاپی کرنا خلافِ قانون ہے۔ خلاف ورزی کرنے والے کو قانونی کارروائی کا سامنا اور بھاری جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔

قسط نمبر 1

سرمئی شام کے سائے دھیرے دھیرے اپنے پر پھیلا رہے تھے شاہ خاور دن بھر کی تھکا دینے والی مسافت مشرق سے مغرب تک طے کرتا ہوا دھیرے دھیرے اپنی منزل کی جانب گامزن تھا شام ہوتے ہی پرندے دن بھر رزق کی تلاش میں اڑنے کے بعد اپنے ٹھکانوں کی جانب لوٹ رہے تھے گاؤں کے کچے گھروں کے آنگنوں سے اٹھتا ہوا دھواں اس بات کا عکاس تھا کہ یہاں مٹی کے بنے ہوئے چولہوں کے آس پاس بچے جمع ہو کر رات کے کھانے کا انتظار کر رہے ہیں جبکہ شہروں میں اس وقت سڑکوں پر گاڑیوں اور لوگوں کا اژدھام تھا ہر طرف ٹریفک کا شور گاڑیوں کا دھواں ہارن کی تیز آوازیں لوگوں کی گہما گہمی جلد بازی ہر کسی کو اپنی منزل پر پہنچنے کی جلدی تھی۔ اس لیے نا ٹریفک کے قوانین کی پاسداری تھی نا پیدل چلنے والے عام لوگوں کا خیال لمبی لمبی گاڑیاں رکشہ بڑی بسیں ٹیکسی اور بے شمار موٹر سائیکلوں کا شور۔

زندگی کی مکمل چہل پہل اس بات کی دلیل تھی کہ شہروں میں راتیں جلدی نہیں ہوتیں ابھی تو لوگ اپنے اپنے کاموں سے لوٹ رہے تھے اور پھر گھر پہنچ کر ان کے آئندہ کاموں کا لائحہ عمل تیار ہوتا اور اپنی دیگر مصروفیات کو جاری رکھنا ہوتا تھا۔

شہر کے اس بے پناہ شور و ہنگامے اور گہما گہمی سے کچھ دور دلاور شاہ اپنے خاندان کے ساتھ بڑے سے گھر میں رہائش پذیر تھے۔ یہاں آباد ہوئے ان کو چند سال ہی ہوئے تھے انہوں نے شہر کے قسط کے شور ہنگامے اور بھیڑ بھاڑ میں رہائش پسند نہ کی تھی تب ہی انہوں نے اس نسبتاً پرسکون اور کم آبادی والے علاقے کو ترجیح دی تھی گو کہ ان کی آبائی زمینیں اور جائیداد اور آباؤ اجداد کی رہائش گاؤں

میں تھی مگر وقت کے ساتھ ساتھ اور بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں کی وجہ سے مجبوراً ان کو شہر کی طرف کوچ کرنا پڑا۔

ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی جب بچے بڑے ہوئے تو ان کو گاؤں کا ماحول یہاں کے لوگ اور رہن سہن بالکل پسند نہ آیا میٹرک تک تو گاؤں کے اسکول سے تعلیم حاصل کی مگر جب بڑے بیٹے مختار شاہ نے میٹرک کر لیا تو مزید پڑھائی کے لیے شہر آنا پڑتا تھا۔ روزانہ آنا جانا آسان نہ تھا پھر جب ستار شاہ نے میٹرک کیا تب بچوں نے شہر جانے پر اصرار کیا کہ لڑکوں کے لیے تو اتنا مشکل نہیں ہے لیکن جب نگین کو آگے تعلیم حاصل کرنا ہوگی تب اس کے لیے مشکل ہو جائے گی۔ دلاور شاہ کسی صورت گاؤں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے ان کو شہر کا ماحول ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا کچھ تو گاؤں سے والدین اور آباؤ اجداد کی یادیں وابستہ تھیں تو دوسری جانب شہر کے حوالے سے تلخ اور تکلیف دہ یادیں آج بھی ان کے ذہن میں محفوظ تھیں۔ ایک زمانہ تھا کہ دلاور شاہ کو بھی شہر جانے کا بہت شوق تھا ان کو نا گاؤں اچھا لگتا تھا نا یہاں رہ کر زمین داری کرنا ان کو شہر کا ماحول وہاں کے لوگ اور شہری زندگی بہت اچھی لگتی تھی بے فکری آزادی اور ہنگاموں سے بھرپور زندگی گزارنا چاہتے تھے ان کے بڑے بھائی فیروز شاہ کم پڑھے لکھے تھے بس میٹرک تک پڑھ کر زمینیں اور دیگر کام کاج سنبھال لیا تھا ان کو شہر جانے کا قطعی شوق نہ تھا وہ گاؤں میں ہی خوش تھے ان کی بیوی بھی عالم شاہ کی بھتیجی تھی گاؤں کی تو تھی مگر قدرے تیز اور چالاک خاتون تھیں۔

دلاور شاہ نے میٹرک کر لیا تھا وہ پڑھائی میں بھی اچھا تھا میٹرک کے بعد ابتدائی دو سال تو انہوں نے جیسے تیسے کالج میں گزارہ کر لیا لیکن پھر ان کی شہر جا کر تعلیم حاصل کرنے کی خواہش نے شدت پکڑ لی اور وہ بضد ہو گئے کہ انہیں مزید تعلیم کے لیے شہر جانا ہوگا اور وہیں ہاسٹل میں قیام ہوگا حالانکہ والدہ اس بات کے حق میں نہیں تھیں کیونکہ ان کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ شہر میں نہ خالص غذا ملتی ہے نہ پر فضا ماحول اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ماں کے ہاتھ کے کھانے نصیب نہ ہوتے مگر لاڈلے بیٹے نے ضد پکڑ لی تھی

سو وہ بھی مجبور ہو گئیں اور شہر جانے کی اجازت دے دی۔ دلاور شاہ بہت خوش تھے شہر کا ماحول وہاں کے لوگ اور تیز ترین زندگی ان کا خواب تھی اور وہ خواب پورا ہونے جا رہا تھا دلاور شاہ نے خوشی خوشی رخت سفر باندھا اور شہر کا رخ کیا دلاور شاہ گاؤں کے پلے بڑھے گھبرو جوان تھے سرخ و سفید اور لمبے چوڑے بڑی بڑی مونچھوں کو تاؤ دے کر وہ جب صبح صبح خوش لباس ہو کر یونیورسٹی میں داخل ہوتے تو پر نگاہ ان کی جانب اٹھ جاتی پیسے کی کمی نہ تھی ہر ماہ وقت سے پہلے ان کے اکاؤنٹ میں والد پیسے بھیج دیتے اور دلاور شاہ ٹھاٹھ سے رہتے وہی دلاور شاہ جو گھر سے محض تعلیم حاصل کرنے کی ضد لے کر نکلے تھے یہاں آ کر یہاں کے ماحول میں اس طرح کھو گئے کہ تعلیم ایک طرف رہ گئی اور ان کے شاہانہ ٹھاٹ اور کروفر نے الگ ہی رنگ جمانے شروع کر دیئے بہت سے لڑکے اور لڑکیاں ان کے آگے پیچھے پھرتے، بہت سی لڑکیوں کے تو وہ آئیڈیل بن گئے تھے۔ گاؤں کے چوہدری شاہانہ ٹھاٹ باٹ جاگیردارانہ رکھ رکھاؤ، اعلیٰ کپڑے اور رعونت دیکھ کر لڑکیاں آہیں بھرنے لگیں اور اسی بات کو لے کر دلاور شاہ اپنا مقصد اور کیریئر کا حصول بالکل بھول گئے اور خود کو راجہ اندر سمجھ بیٹھے۔ پڑھائی کی طرف سے توجہ بالکل ہٹ گئی ایک تو شہری ماحول یہاں کے طور طریقے اور جینے کا انداز ہی الگ تھا اوپر سے اضافی شکل و صورت اور پیسے نے ان کو منفرد بنا دیا اور وہ اپنی انفرادیت کو پڑھائی سے ہٹ کر استعمال کرنے لگے وہ یونیورسٹی میں ہونے والی دیگر سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے ان کے اردگرد لوگوں کا ہجوم رہنے لگا اور ان کو یہ سب اچھا لگتا تھا کچھ لوگوں کے اکسانے پر وہ سیاست میں آ گئے اور یونیورسٹی میں ہونے والی سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے ان کے اردگرد لوگوں کا ہجوم رہنے لگا اور ان کو یہ سب اچھا لگتا تھا کچھ لوگوں کے اکسانے پر وہ سیاست میں آ گئے اور یونیورسٹی میں ہونے والی سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ یہاں تک کے امیدوار کے لیے اپنا نام دے دیا اس میں تو روپیہ پیسہ پانی کی طرح بہانے والا ہونا چاہیے اور پیسے کی تو ان کے پاس کمی نہ تھی ادھر والد بیچارے اس خوش فہمی میں تھے کہ کم از کم ایک بیٹا پڑھ لکھ کر الگ زندگی گزارے۔

بظاہر اتنے کروفر اور رعب دار نظر آنے والے دلاور شاہ سیدھے سادھے اور معصوم تھے ان کو شہر کے داؤ پیچ سے واقفیت نہ تھی نہ یہاں کے کچھ مکار اور چاپلوس لوگوں کے بارے میں علم تھا وہ ان لوگوں کے ہاتھوں بے وقوف بنتے رہے روپے پیسے سے بھی اور اپنی بے وقوفی سے بھی۔ یونیورسٹی کے کچھ بدمعاش اور آوارہ گرد لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اب ان کی توجہ پڑھائی کی طرف سے مکمل طور پر ہٹ گئی تھی وہ ہاسٹل سے تیار ہو کر آتے تو محض آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرتے اور سامنے والی پارٹی کو کس طرح سے نیچا دکھائیں اس امور پر بحث ہوتی اور لوگ اپنی اپنی رائے پیش کرتے ان کو یہاں آئے ایک سال ہو چکا تھا پہلا سال تو جیسے تیسے پاسنگ مارکس لے کر کلیئر کر لیا تھا مگر اس بار تو کوئی امید نہ تھی کہ چالیس فیصد بھی حاصل کر سکیں۔ یونیورسٹی میں سیاسی سرگرمیوں نے زور پکڑ لیا تھا۔ انتخابات جیسے جیسے قریب آ رہے تھے ہنگامے اور شور شرابہ کنوینسنگ اتنے ہی عروج پر ہو رہی تھی۔ اس روز دلاور شاہ اپنے دوستوں کے ساتھ کینٹین میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کے مخالف پارٹی کے کچھ لوگ بھی آ گئے معمولی سی بات پر ان کی دوست سے تکرار ہوئی دوست نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس کو تھپڑ کر دیا بس پھر کیا تھا دوسری پارٹی کے لوگوں نے ان پر ہلہ بول دیا۔ خوب مارا ماری ہوئی لوگوں نے بیچ بچاؤ کی کوشش کی مگر دونوں طرف سے اتنی جارحانہ کارروائیاں جاری تھیں کہ باقی اسٹوڈنٹ بھی وہاں سے کھسک لیے کرسیوں ٹیبل اور برتن کا آزادانہ استعمال ہو رہا تھا دلاور شاہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے لوگ زخمی ہو رہے تھے لڑکیاں گھبرا کر رونے لگیں تھیں ایسے میں کسی نے پرنسپل کو اطلاع دے دی کسی نے دلاور شاہ کی پیٹھ پر کرسی کا پایہ مارا تھا دلاور شاہ نے گھوم کر دیکھا تو غصے سے بے قابو ہو کر بنا سوچے سمجھے سامنے رکھا شیشے کا گلاس اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا حملہ اچانک اور غیر متوقع تھا گلاس نہ جانے کس اینگل سے لگا کہ اس کا تقریباً پانچ چھ انچ کا ٹکڑا سر میں جو لگا دھڑا دھڑ خون بہنے لگا اتنا شدید حملہ تو اب تک کسی نے نہیں کیا تھا وہ لڑکا زمین پر گر گیا اس کے ساتھیوں نے دیکھا تو بھوکے شیر کی طرح دلاور شاہ پر جھپٹ پڑے لیکن اس وقت تک

یونیورسٹی کے گیٹ پر کھڑے رینجرز کے اہلکار اور ٹیچرز بھی آ گئے لڑکا بے حس و حرکت پڑا تھا جیسے کے جاں بحق ہو گیا ہو دلاور شاہ کے پسینے چھوٹ گئے وہ عام یا معمولی لڑکا نہیں تھا اس کے والد سیاسی پارٹی کے رکن تھے اس لڑکے (حماد) کو تو فوراً ہاسپٹل بھیجا گیا جھگڑا کسی اور کا تھا مگر سب کو تو مناسب کاروائی کے بعد چھوڑ دیا گیا مگر دلاور شاہ پولیس کی حراست میں تھے کیونکہ یہ اقدام قتل کی واردات تھی دلاور شاہ تو بالکل پاگل ہو گیا یہ اچانک سے اتنی بڑی افتاد آ پڑی تھی انہوں نے تو خواب میں بھی ایسا کچھ نہ سوچا تھا انہوں نے پولیس کے سامنے معافیاں مانگیں دہائیاں دیں کہ یہ سب غیر متوقع طور پر ہوا ورنہ اس جھگڑے سے ان کا کوئی تعلق نہیں مگر پولیس کب سننے والی تھی ان کو اندازہ نہیں تھا کہ یہاں کے لوگ کتنے شاطر اور گھاگ ہیں کل تک آگے پیچھے پھرنے والے تمام دوست منظر سے غائب ہو چکے تھے۔ وہ لڑکیاں جو ہر وقت ان کے سامنے رہنے کی کوشش کرتی تھیں اپنی اپنی فیملی کے بارے میں باتیں کرتیں اپنے بھائیوں اور باپ کے تعلقات کے بارے میں بتاتی رہتیں کہ فلاں وزیر کا بیٹا بھائی کا دوست ہے تو فلاں ایم این اے میرے چاچو ہیں وہ سب کی سب غائب ہو گئیں۔ دلاور شاہ کو رونا آ گیا دوسری پارٹی کے لڑکے اوباش عیاش اور ایسے ہی والدین کی پیداوار تھے مگر دلاور شاہ تو شریف نیک گھرانے کا بیٹا تھا ان کو اس طرح کے داؤ پیچ کب آتے تھے گو کہ پیسے کی کمی نہ تھی مگر شاطر اور چالاک نہ تھے دلاور شاہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہے تھے کہ بابا اور ماں جی کا کیا حال ہو گا جب ان کو یہ سب پتا چلے گا؟ انہوں نے ہاتھ پیر جوڑ کر دوست سے کہا کہ کم از کم میرے بابا کو اطلاع دے دو عالم شاہ کو خبر ہوئی تو فیروز شاہ کے ساتھ بھاگم بھاگ شہر پہنچے اپنی ساری دوستیاں اور رابطے عمل میں لائے بے تحاشا کوششوں اور سامنے والی پارٹی کو بھاری رقم دے کر اس کیس سے خارج ہوئے ان سب کاروائیوں میں جہاں پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا وہاں عالم شاہ کی برسہا برس کی عزت اور مرتبہ بھی خاک میں مل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ بیٹا جس پر عالم شاہ کو فخر تھا اس بیٹے نے ان کا شان سے اٹھا ہوا سر جھکا دیا تھا۔ ان کو رسوا کر کے رکھ دیا تھا۔ پیسہ تو ایک طرف لیکن عالم شاہ کو دلاور شاہ کی حرکتوں اور آوارہ گرد دوستوں کے ساتھ مل کر پڑھائی سے دور ہو جانا اور غیر نصابی سرگرمیوں میں اس حد تک ملوث ہو جانا بہت برا لگا تھا۔ دلاور شاہ نے شہر آ کر اپنی عزت وقار سب کچھ گنوا دیا تھا دلاور شاہ ہاتھ جوڑے باپ کے سامنے کھڑے تھے رو رو کر اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کی معافیاں مانگ رہے تھے۔ عالم شاہ غیض وغضب کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ عالم شاہ نے اپنا فیصلہ سنایا کہ دلاور شاہ پڑھائی وڑھائی چھوڑ کر واپس گاؤں جا کر صرف زمین داری کریں گے اور آئندہ شہر کا نام بھی زبان پر نہیں لائیں گے دلاور شاہ جو پہلے ہی اتنے بڑے حادثے کے بعد دل برداشتہ اور ہراساں ہو گئے تھے کے باپ کا فیصلہ سن کر سر جھکا دینے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ تھا۔ وہ خود بھی اس تلخ تجربے سے پریشان ہو گئے تھے۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ جو خواب لے کر شہر آئے تھے یوں چکنا چور ہو کر بکھر جائے گا واپسی کا سفر طے کرتے ہوئے وہ مسلسل سوچوں کی زد میں تھے کتنے ارمان لے کر دل میں خوشگوار سوچیں لے کر اسی راستے سے شہر گئے تھے وہ سفر کتنا دلفریب تھا دل ودماغ پر سکون اور آنے والے دنوں کو لے کر وہ کتنے پر جوش تھے لیکن اس بار واپسی کا سفر کتنا دلگرفتہ اور تکلیف دہ تھا گھر پر بوڑھی ماں بیٹے کے اچھے مستقبل کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی اور بیٹا یہاں آ کر سب کچھ بھول بھال چکا تھا۔

''یہ سنبھالو اپنے لاڈلے کو اگر اتنا پیسہ اور کچھ تعلقات نہ ہوتے تو ساری عمر جیل میں سڑتا رہتا تمہارا لاڈلا بیٹا۔''

عالم شاہ نے کمرے میں داخل ہو کر دلاور شاہ کو کاندھے سے پکڑ کر بیوی کی طرف دھکیلا اور غصے سے بولے۔

''ہائے ربا..... اللہ نہ کرے۔ ماں تھیں بیٹے کو سینے سے لگا کر رو پڑیں۔'' دلاور شاہ سر جھکائے

آنسو بہاتے رہے۔

اس واقعے کے بعد دلاور شاہ بالکل چپ ہو گئے تھے۔

انہوں نے اپنی ساری کتابیں اور پڑھائی سے وابستہ اشیاء کو الماری میں رکھ کر تالا لگا دیا تھا۔

ایسا کرتے وہ بے ساختہ رو پڑے تھے۔ ان کا تو خواب تھا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا لیکن..... اپنی کوتاہی اور جھوٹی شان میں آ کر انہوں نے خود ہی اپنا مستقبل بس زمینوں اور گاؤں تک محدود کر لیا تھا۔ ان کا خواب ادھورا ہی رہ گیا تھا حالانکہ اماں نے کئی بار چاہا کہ پرائیویٹ ہی امتحان دے لے مگر عالم شاہ کا فیصلہ نہ بدلا اب دلاور شاہ زمینوں کا حساب کتاب دیکھنے لگے اور اسی حویلی کا حصہ بن کر رہ گئے تھے فیروز شاہ اپنی بیوہ شگوفہ کے ساتھ حویلی کی دوسری طرف بنے ہوئے حصے میں رہتے تھے اور اس حصے میں زرتاج، عالم شاہ اور دلاور شاہ رہتے تھے۔ دلاور شاہ ویسے تو خوبصورت تھے ہی دوبارہ سے گاؤں کا خالص کھانا ملا ساتھ خوب محنت بھی کرتے پھر سے تر و تازہ اور سرخ و سفید ہو گئے زرتاج بیگم کی ایک بہن تھیں ان کی بیٹی زرنگار جس نے گاؤں کے اسکول سے میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی۔ سگھڑ سیدھی سادی اور نیک لڑکی تھی زرتاج نے دلاور کے لیے زرنگار کا رشتہ مانگ لیا اس وقت زرنگار اٹھارہ برس کی الہڑ دوشیزہ تھیں جبکہ دلاور شاہ پچیس برس کے گھبرو جوان۔

☆.....☆.....☆

گاؤں کے رسم و رواج اور حیثیت کے مطابق دلاور شاہ کی شادی خوب دھام دھام سے ہوئی۔ زرنگار امید سے اچھی نکلی نہ صرف شوہر بلکہ ساس اور سسر کا بھی بہت خیال رکھتی بلکہ اپنے ماں باپ کی طرح ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنا ان کے چھوٹے چھوٹے کام کرنا زرنگار کو اچھا لگتا دلاور شاہ جو ذہن میں بہت سے خواب سجا کر بیٹھے تھے ایک زمانہ پہلے ان کے ذہن میں بیوی کے حوالے سے شہر کی پڑھی لکھی اور ماڈرن لڑکی کا تصور تھا جو فیشن کے کپڑے پہنتی ہو اور اس کے شانوں تک کٹے سنہری ڈائی کیے

بال ہوں جو اونچی ہیل کی سینڈلز پہن کر ماربل کے چکنے فرش پر ٹھک ٹھک کرتی چلتی پر اعتماد ہو جس کی باتوں میں اردو کم اور انگریزی زیادہ ہو۔ وہ سن گلاسز لگا کر لمبی سی گاڑی ڈرائیو کرے تو اس کے پہلو میں بیٹھ کر دلاور شاہ یک ٹک اسے دیکھے جائیں لیکن.....ان کے سارے خواب، ساری خواہشات وقت کے ہاتھوں میں کھلونے کی طرح آ کر ٹوٹ گئی تھیں۔ اب وہ زرنگار کو دیکھ کر جیتے تھے ماتھے تک اوڑھنی خوبصورت ہاتھوں پر مہندی لگائے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے اپنے لمبے سیاہ اور گھنے بالوں کو جب وہ نہا کر یونہی پشت پر پھیلا دیتی تو ان آبشاروں سے ٹپکتے پانی کے قطرے دلاور شاہ کو بہت بھلے لگتے۔ وہ آگے بڑھ کر اپنی ہتھیلی میں وہ قطرے سمو لیتے۔ تب انہیں احساس ہوتا کہ اصل زندگی صرف اور صرف محبت انڈرسٹینڈنگ ایک دوسرے کا خیال رکھنا اور خلوص سے ہی ملتی ہے اور جس شخص کو خوبصورت بیوی کے ساتھ ساتھ یہ سب کچھ مل جائے تو وہ خوش قسمت ترین ہوتا ہے اور دلاور بھی ایسے لوگوں میں ہی شامل تھے کہ جو اپنی زندگی اور اپنی شریک حیات سے سو فیصد مطمئن تھے۔

اللہ پاک نے شادی کے سال بھر بعد ہی مختار شاہ کو ان کی جھولی میں ڈال دیا۔ مختار شاہ کی پیدائش پر خوب خوشیاں منائی گئیں۔ زرتاج بیگم نے غریبوں میں کھانا تقسیم کیا صدقے اور خیرات دیئے۔ زرتاج بیگم کو یہ خوشی تھی کہ ان کو پہلوٹی کا پوتا ملا ہے بڑی بہو تو پہلوٹی کی بیٹی تھی۔ فیروز شاہ بذات خود بھی خود غرض تھے اور اوپر سے ان کی بیوی شگوفہ بھی تیز طرار اور فسادی قسم کی خاتون تھیں اس لیے وہ کم کم ہی آتے جب پیسوں کا حساب کتاب ہوتا اور اناج وغیرہ کی تقسیم کا وقت ہوتا تب میاں بیوی آ جاتے حصے سے کچھ زیادہ ہی وصول کر لیتے۔ زرتاج بیگم چپ ہو جاتیں نہ کبھی زرنگار نے احتجاج کیا البتہ کبھی کبھی دلاور شاہ ضرور اس بات کو لے کر ماں سے الجھ جاتے کہ ان کو زیادہ کیوں مل رہا ہے؟ لیکن ماں کے سامنے زیادہ بولتے بھی نہیں تھے دن گزرتے رہے اللہ پاک نے مختار شاہ کے بعد زوار شاہ اور پھر نگین کی صورت میں دلاور شاہ کی فیملی مکمل کر دی تھی۔ گو کہ بچے گاؤں کے ماحول میں پرورش پا رہے تھے مگر

زرنگار نے ان کی پرورش میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی وہ ابتداء میں بچوں کو خود پڑھاتی وقت پر کھانا، وقت پر سونا اور پڑھائی کا خیال رکھتی بچے بڑے ہوئے تو گاؤں کے اسکول میں داخل کروادیا بقول زرنگار کے کہ سارے بچے یہیں سے ابتدائی تعلیم حاصل کریں گے۔ زرنگار اور دلاور بچوں کے معاملے میں بہت حساس تھے اس لیے ان کی تربیت پر خاص توجہ دیتے زوار شاہ فطرتاً بہت سلجھا ہوا تھا جبکہ مختار شاہ تھوڑا سا ضدی اور اکھڑ مزاج تھا جبکہ نگین بھی ویسی ہی تھی۔

جب مختار شاہ نے میٹرک کرلیا تو اعلیٰ تعلیم کے لیے شہر جا کر ہاسٹل میں رہنے کی اجازت چاہی دلاور شاہ کو اپنے ساتھ ہونے والے تمام واقعات آج تک ذہن کے ہردے پر یوں تھرکتے محسوس ہوتے کے جیسے کل ہی یہ سب کچھ ہوا ہو۔ شہر کا نام سن کر وہ بری طرح چونکے وہ جانتے تھے مختار تو فطرتاً ویسے بھی ضدی اور ہٹ دھرم ہے۔

''نہیں زرنگار میں اسے شہر جانے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔ اس سے کہو یہیں کالج میں داخلہ لے لے۔ دنیا آتی جاتی ہے اس کالج میں اور پھر بچوں کی سہولت کے لیے ہی یہ کالج قائم ہوا ہے۔'' دلاور شاہ نے صاف انکار کردیا۔

''شاہ جی زمانہ بہت بدل چکا ہے اور جو مضمون مختار شاہ پڑھنا چاہتا ہے وہ سہولت یہاں ہر موجود نہیں ہے اسے پتا نہیں کیا کیا پڑھنا ہے کہتا ہے یہاں پر نہیں ہے وہ پڑھائی۔''

زرنگار نے ملائمت سے شوہر کو سمجھایا۔

''نہیں زرنگار میرا دل دہل جاتا ہے میری روح کانپ اٹھتی ہے جب میری آنکھوں کے آگے وہ مناظر آجاتے ہیں مجھے کہیں سے بھی کوئی بچت کی صورت نظر نہیں آتی تھی مجھے اس وقت لگتا تھا کہ جیسے سب کچھ ختم ہوگیا ہو میرے سامنے بابا اور اماں کے چہرے آجاتے۔ میں نے بہت اذیت سے وہ دن گزارے تھے زرنگار۔''

گزشتہ یادیں تازہ ہوئیں تو دلاور شاہ کے رونگٹے ایک بار پھر سے کھڑے ہو گئے۔

''تم سچ کہتی ہو کہ زمانہ بدل گیا ہے اسی طرح سے زمانے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی فطرتیں بھی بدل گئیں۔ عیاریاں، چالاکیاں اور مفاد پرستی عام ہو گئی ہے۔ میں مختار کی فطرت جانتا ہوں۔ اس میں تو صبر اور برداشت بھی نہیں ہے۔ وہ فطرتاً ضدی بھی ہے اور میں جان بوجھ کر اسے ایسے اندھیرے میں دھکا نہیں دے سکتا کہ جہاں تنہا رہ کر وہ مزید بگڑ جائے۔ اس سے کہو پڑھائی جاری رکھنی ہے تو یہیں ہمارے درمیان رہ کر پڑھے ورنہ پڑھائی ختم کر دے۔'' دلاور شاہ نے فیصلہ سنا دیا۔

''شاہ جی بچوں سے یوں ضد اچھی نہیں ہوتی۔ وہ اپنا اچھا برا خود سمجھ سکتے ہیں۔'' زرنگار نے سمجھانا چاہا۔

''اسے ضد نہیں میری مجبوری سمجھ لو زرنگار۔''

وہ کہہ کر جا چکے تھے۔ مختار شاہ بھی اسی باپ کے بیٹے تھے وہی خون رگوں میں گردش کر رہا تھا انہوں نے بھی ضد پکڑ لی۔ اگلے سال زوار شاہ بھی کالج میں آ جاتے پھر نگین بھی تین سال بعد اس مقام پر کھڑی ہوتی۔ سب کے سب اس بات کے حق میں تھے کہ گاؤں کو خیر باد کہہ دیا جائے۔ عالم شاہ اور زرتاج بیگم کا انتقال ہو چکا تھا۔

فیروز شاہ بھی کافی دنوں سے دبی دبی زبان سے زمین اور جائیداد کا بٹوارہ کرنے کا کہہ رہے تھے۔ والدین کے انتقال کے بعد وہ اور ان کی بیوی شگوفہ کہ اس مطالبے نے بھی شدت پکڑ لی تھی۔ بھلا دلاور شاہ تن تنہا کس طرح گاؤں میں رہنے کو ترجیح دیتے اکیلے زمینوں کو سنبھالنا ان کے بس کی بات نہیں تھی کیونکہ فیروز شاہ بھی شہر منتقل ہو رہے تھے۔

بچے بھی یہاں رہنا پسند نہیں کرتے زرنگار بھی ان کو یہی کہتی کہ بہتر یہی ہے کہ جائیداد کا حصہ تقسیم کر کے شہر میں جا بسیں تا کہ بچوں کی آگے پڑھائی کا مسئلہ بھی حل ہو جائے۔ دلاور شاہ حالانکہ اس

معاملے میں سخت تھے مگر زرنگار کی باتوں سے وہ پگھل گئے اور حالات کو دیکھتے ہوئے آخر انہوں نے بھی ہتھیار ڈال دیے اور شہر میں زمین دیکھنے لگے وہ ایسی جگہ گھر بنانا چاہتے تھے جو پُرسکون اور آبادی سے نسبتاً دور ہو جہاں کم آبادی ہو اور اتنا بڑا گھر ہو کہ جہاں پر آنے والے وقت میں دونوں بیٹے اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ بآسانی رہ سکیں یہی سوچ کر انہوں نے گنجان آبادی سے کچھ فاصلے پر ہزار گز کا پلاٹ خرید کر اسے اپنی مرضی اور سہولت کے لحاظ سے تعمیر کروایا۔ درمیانی حصے میں رہائش کے اعتبار سے کمرے، لاؤنج، کچن وغیرہ بنوایا جبکہ چاروں جانب بلند باؤنڈری بنوا کر دیواروں کے ساتھ ساتھ مٹی کی کیاریاں بھی بنوا دیں جس کو ترچھی لال اینٹوں سے سجایا گیا کیاریوں میں مختلف قسم کے پھولوں کی بیلیں اور پودے لگائے گئے تھے۔ بڑے سے گیٹ کے ساتھ ہی فرش تھا سائیڈ میں کار پارکنگ کا حصہ اور دوسری جانب چھوٹا سا گارڈن تھا جس میں سنگی بینچ اور میز بنائی گئی تھی آہنی گیٹ کے ساتھ راہداری سے گزر کر اندر جانے کے لیے ماربل کی تین سیڑھیاں عبور کر کے بڑا سا نقشین اخروٹ کی لکڑی کا دروازہ تھا اندر داخل ہوتے ہی سامنے بڑا سا لاؤنج اور اس کے کونے میں خوبصورت اور جدید طرز کا کچن۔ سائیڈ میں بیڈ رومز اور داخل ہوتے ہی سیدھے ہاتھ پر لمبائی میں ڈرائنگ روم بنایا گیا تھا۔

غرض یہ کہ تمام ضروریات سے آراستہ یہ اپنے طرز کا خوبصورت اور بہترین گھر تھا۔ جہاں آ کر بچوں کے ساتھ ساتھ زرنگار بھی بہت خوش تھی وسیع و عریض بڑی سی چھت تھی جس سے آس پاس کے کچھ تعمیر شدہ اور کچھ زیر تعمیر گھر نظر آ رہے تھے۔ کچھ فاصلے پر شاپنگ سنٹر تھا جہاں ضرورت زندگی کی تمام اشیاء دستیاب تھیں۔

اسکول اور کالج قدرے فاصلے پر تھے لیکن پک اینڈ ڈراپ کی سہولتیں موجود تھیں دلاور شاہ نے گاؤں کے تعلق سے تمام حساب کتاب کر لیا تھا ویسے بھی والدین کی وفات اور بڑے بھائی کے بے حس رویے کی وجہ سے وہ خود بھی بددل ہو گئے تھے مگر پھر بھی ایک انسیت تو تھی اس جگہ سے اس وقت مختار شاہ

فرسٹ ائیر میں تھے زوار شاہ میٹرک میں تھے اور نگین ساتویں کلاس کی طالبہ تھی شہر آ کر دلاور شاہ نے کپڑے کی چھوٹی سی فیکٹری کی بنیاد رکھی اور اللہ کا نام لے کر کاروبار کی شروعات کی۔ گاؤں میں کافی لوگ ایسے تھے کہ جو شہر آ کر پیسے کمانا چاہتے تھے وہ لوگ دلاور شاہ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گئے یہاں سے گاؤں کا راستہ بھی زیادہ دور نہ تھا آج کل تو بسیں بھی چلتی تھیں یوں کچھ پرانے لوگ ساتھ شامل ہو گئے اور آہستہ آہستہ کام ترتیب سے ہوتا گیا۔ بچے بھی یہاں آ کر بہت خوش اور مطمئن تھے زرنگار بیگم نے گھریلو کام کاج کے لیے ایک عورت رکھ لی تھی اس طرح زندگی ایک نئے انداز سے گزرنے لگی تھی۔

موسم تبدیل ہونے لگا تھا موسم کی تبدیلی کے آثار ہوئے تو زرنگار نے گھر کی تفصیلی صفائی کروالی ساتھ ہی سردیوں کے کپڑے گدے اور رضائیاں وغیرہ بھی ٹرنک سے نکلوا کر دھوپ کے لیے کھلے چھت پر ڈلوا دیئے یہ سارا کام وہ ماسی کے ساتھ مل کر کرواتی تھیں دلاور شاہ بھی دو دن کے لیے کراچی سے باہر گئے ہوئے تھے سارے کاموں سے فارغ ہو کر سہ پہر کے قریب زرنگار نہا کر بچوں کے ساتھ لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھیں یہاں اس وقت ہلکی ہلکی دھوپ اتر آئی تھی اور اس وقت وہ دھوپ بھلی محسوس ہو رہی تھی۔ مختار شاہ اپنے موبائل میں گم تھے جبکہ زوار شاہ کچھ پڑھ رہے تھے۔ نگین اپنے اسکول کا پروجیکٹ تیار کر رہی تھی۔ اسی وقت گیٹ پر خان بابا کی آوازیں آنے لگیں جیسے کسی سے بات کر رہے ہوں۔

''کون ہے خان بابا؟'' زرنگار نے زوار شاہ کو گیٹ کی طرف بھیجا۔

''مما کوئی عورت ہے عجیب سی وہ آپ کے بارے میں بات کر رہی ہے۔ زوار شاہ واپس آ کر بولا۔ اچھا خان بابا اسے بھیج دیں۔''

زرنگار نے تھوڑا سا اٹھ کر گیٹ کی طرف نگاہ دوڑائی تو سیاہ پرنٹڈ چادر میں ملبوس کوئی عورت نظر آئی جس کا چہرہ چھپا ہوا تھا وہ اندر آئی خستہ حال عورت جس کے جسم پر میلے اور بوسیدہ کپڑے تھے تھکا ہوا

وجود گرد میں اٹے پیر، پیروں میں کالی دو پٹی ولی چپل، اتنے گرد آلود ہونے کے باوجود اس کے سفید پیر خوبصورت لگ رہے تھے یوں لگ رہا تھا وہ لمبی مسافت طے کر کے یہاں تک آئی ہے اتنی نڈھال اور تھکن سے چور تھی وہ آ کر سامنے گھاس پر ڈھے گئی اور لمبی لمبی سانسیں لے کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

''نگین ایک گلاس پانی دو۔''

زرنگار نے کہا تو نگین نے بوتل سے پانی نکال کر اس کی سمت بڑھایا۔ لپک کر پانی لیا اور ایک ہی سانس میں پورا پی گئی۔

''بی بی..... یہ آپ نے ہی دیا تھا ناں؟'' اس عورت نے ہاتھ آگے بڑھایا اس میں مڑا تڑا سا کارڈ تھا جو مستقل ہتھیلی میں دبا رہنے کی وجہ سے پسینے سے گیلا ہو چکا تھا۔ زرنگار نے حیرت سے کارڈ کی جانب دیکھا اور اس کی ہتھیلی سے کارڈ اٹھا لیا۔

''یہ..... یہ تو دلاور شاہ کا کارڈ ہے یہ تمہارے پاس کیسے آیا؟''

انہوں نے آنکھیں ترچھی کر کے قدرے تیز لہجے میں پوچھا۔

''بی بی جی، یہ..... میرے پاس نہیں تھا۔ میرے گھر والے نے مجھے دیا تھا کہ کسی میڈم نے اسے دیا ہے یہ آپ کا ہی ہے ناں؟''

اس نے بات مکمل کر کے امید بھری نظروں سے زرنگار کو دیکھا۔ زرنگار نے کچھ دیر سوچا تب ہی ان کو اچانک یاد آیا کہ جب وہ لوگ شروع شروع میں یہاں آئے تھے تب ایک رکشے والے کو یہ کارڈ دیا تھا۔

''یہ کارڈ تو میں نے کسی رکشے والے کو دیا تھا۔''

زرنگار نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی..... بی بی جی وہ رکشے والا میرا گھر والا تھا جی۔ اس کی فوتگی ہو گئی ہے میں..... میں بہت

پریشان ہوں جی بہت مجبور بھی بہت دور سے چل چل کر یہاں تک آئی ہوں۔ میں بھکارن نہیں ہوں جی میں کام کی تلاش میں ہوں۔ محنت کروں گی مگر عزت کا سودا نہیں کروں گی۔ شاید اب تک مر بھی جاتی اگر ایک بیٹی کا بوجھ ساتھ نہ ہوتا تو۔"

اس کے لہجے میں اذیت چیخ رہی تھی کرب اور تکلیف ایک ایک لفظ سے عیاں ہو رہی تھی۔

وہ کتنی مجبور اور لاچار تھی۔ زرنگار نے اس کے سراپے پر بھرپور نگاہ ڈالی وہ بہ مشکل تیس سال کی ہو گی۔ بلاشبہ وہ خوبصورت تھی۔ غربت، بھوک اور افلاس نے اس کے چہرے پر گو صدیوں کی تھکن اتار دی تھی مگر آج بھی وہ حسن کا شاہکار تھی۔

"میں بہت مجبور ہو کر آپ کے پاس آئی ہوں بی بی صاحبہ غربت بہت بری شے ہے اور اس پر اگر شکل اچھی ہو تو زمانے کا ہر شخص اس کو اپنی جاگیر سمجھ لیتا ہے۔ بہت مشکل ہے زندگی....."

وہ رو رہی تھی۔ اس کے لفظوں کے اندر بے بسی چھلک رہی تھی۔

"تم اب کہاں رہتی ہو؟" زرنگار نے پوچھا۔

"جی ابھی تو کوئی ٹھکانہ نہیں ہے میرا بس اللہ کا آسرا ہے ساتھ پی جوان ہوتی ہوئی بیٹی کی اٹھان دیکھ دیکھ کر دل دہلتا ہے کب تک اسے چھپاؤں گی؟ خود کو چھپاؤں یا اس کو یہاں قدم قدم پر بھوکے بھیڑیے گھات لگائے بیٹھے رہتے ہیں نہ عمر کا خیال ہوتا ہے نہ عزت اور احترام کے معنی جانتے ہیں۔"

"اچھا اچھا..... ایسا کرو تم اپنی بیٹی کو لے کر یہاں آ جاؤ۔ میں تم کو کام بھی دوں گی اور رہائش بھی مگر خبردار کوئی ہوشیاری نہ دکھانا۔ میری ہمدردی کا ناجائز فائدہ مت اٹھانا ورنہ مجھے دوسرا طریقہ بھی آتا ہے بہت سے ایسے مظلوموں کی کہانیاں سن رکھی ہیں میں نے جو بعد میں چونا لگا کر رفو چکر ہو جاتے ہیں اور ہمدردی کرنے والا بیچارہ ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔"

زرنگار کو ویسے تو اس پر رتی برابر بھی شک نہیں تھا مگر انہوں نے اپنے طور سے اسے وارننگ بھی

دے دی تھی۔

''بیگم صاحبہ آپ کا بہت شکریہ اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں ایسی ویسی عورت نہیں ہوں جی نہ چور، نہ مکار اور نہ ہی آوارہ۔ اگر ایسی ویسی ہوتی تو شاید اس حالت میں نہ ہوتی سچائی، عزت اور بے داغ زندگی کے لیے تو اتنے پاپڑ بیلنے پا رہے ہیں مجھے بس مجھے دو وقت کی روٹی عزت سے رہنے کو تھوڑی سی جگہ مل جائے جہاں میں اپنی بچی کے ساتھ عزت اور سکون سے رہ سکوں میرے لیے یہی بہت ہے بی بی جی۔ اللہ پاک آپ کو اجر دے آمین۔''

اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیں۔

''ٹھیک ہے تم کل اپنی بیٹی اور جو سامان ہے لے کر آ جانا۔ میں تمہارے لیے رہنے کا بندوبست کر دوں گی۔''

وہ سر ہلا کر رہ گئی اس کی آنکھوں میں تشکر کا احساس تھا۔

''بی بی صاحبہ ساری زندگی آپ کو دعائیں دوں گی اللہ پاک آپ کا گلشن یونہی آباد رکھے۔''

وہ دعائیں دیتی ہوئی اٹھی اور گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

''مما جان یہ غریب لوگ کیوں ہو جاتے ہیں؟''

نگین کے سوال پر وہ چونکیں۔

بھلا کیا جواب دیتیں کہ یہ اللہ کی مصلحت ہے کہ وہ کسی کو امیر بناتا ہے تو کسی کو غریب کسی کے نصیب میں آزمائشیں ٹھوکریں ناکامی اور مفلسی ڈال دیتا ہے تو کسی کی جھولی میں آسائشات، کامیابیاں اور عروج ڈال دیتا ہے۔ اللہ پاک کی مصلحت اور حکمت کے آگے ہم انسان مجبور اور بے بس ہیں لیکن ہمارا ایمان اس بات پر پختہ ہونا چاہیے کہ وہ ذات پاک جو کچھ بھی کرتا ہے اس میں بڑی اعلیٰ حکمت اور بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے ہم ناقص العقل لوگ بعض اوقات اس حکمت کو سمجھ نہیں پاتے لیکن حقیقت یہی ہے

کہ اس رب تعالی کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے رات کو دلاور شاہ واپس آئے تو زرنگار بیگم نے آج آنے والی عورت اور اس کے آنے میں جو وقعہ ملوث تھا وہ سب ان کے سامنے گوش گزار کر دیا۔

''ارے زرنگار بیگم آپ بھی ہر فیصلے میں عجلت سے کام لے لیتی ہیں۔ نہ جانے کون ہے وہ سچ کہہ بھی رہی ہے یا نہیں آج کل کے حالات اس قابل نہیں کہ یونہی کسی پر بھروسہ کر لیا جائے کم از کم مجھ سے مشورہ تو لے لیا ہوتا۔''

دلاور شاہ جو پہلے ہی شاکی رہتے تھے ان کو، زرنگار کا اس طرح سے فیصلہ کرنا اچھا نہیں لگا۔ حالانکہ وہ زرنگار کی کسی بھی بات سے اختلاف نہیں کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ زرنگار بیگم معاملہ فہم اور سمجھدار خاتون ہیں لیکن آج کل کے حالات سے خوفزدہ بھی تھے اور پھر شہر کے حوالے سے تلخ یادیں آج بھی ان کے ساتھ تھیں کہ جب کبھی وہ دن یاد کرتے تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

''نہیں شاہ جی ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ وہ ایک مجبور، بے سہارا اور شریف عورت ہے جس کو حالات نے اس مقام تک پہنچایا ہے کہ وہ یوں در بدر پھر رہی ہے اور شاہ جی اگر ہم اسے سہارا نہیں دیں گے تو کل کو خدانخواستہ وہ بیٹی سمیت غلط ہاتھوں میں جا سکتی ہے اس لیے میں نے اللہ اور اس کے رسول کو حاضر و ناظر جان کر اس کے لیے یہ پیشکش رکھی ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ ہمارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائے گی اور اس کو بس شرافت کے ساتھ سر چھپانے کا ٹھکانہ درکار ہے اور کچھ نہیں لیکن پھر بھی اگر میں نے اس میں کوئی منفی بات یا کوئی قابلِ مذمت بات دیکھی تو ایک منٹ سے پہلے پہلے اس کو یہاں سے چلتا کر دوں گی آپ فکر نہ کریں۔''

زرنگار نے دلاور شاہ کو مطمئن کر دیا تھا اور دلاور شاہ سر ہلا کر رہ گئے اور بیوی کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر پینے لگے۔

دوسری صبح مختار شاہ اپنے کالج نگین اور زوار اسکول اور دلاور شاہ فیکٹری چلے گئے زرنگار ناشتے سے فارغ ہو کر ابھی چائے ی رہی تھیں کہ چوکیدار نے گل مینا کے آنے کی اطلاع دی۔ گل مینا جھجکتے ہوئے اندر داخل ہوئی سامنے ہی لاؤنج میں ڈائننگ ٹیبل پر زرنگار بیٹھی تھیں گل مینا کے پیچھے بارہ تیرہ برس کی بچی تھی۔ نازک سراپا سرخ و سفید رنگت لمبے سیاہ بالوں کی دو لمبی لمبی چوٹیاں آگے ڈالے وہ معصومیت اور حسن کا مکمل پیکر نظر آ رہی تھی۔

''یہ میری بیٹی پری گل ہے جی۔''

''پری گل بیگم صاحبہ کو سلام کرو۔''

گل مینا نے سلام کر کے بیٹی کی طرف اشارہ کیا پھر زرنگار سے مخاطب ہوئی۔

''اوہ اچھا.....ادھر آؤ پری گل ڈرو نہیں۔''

زرنگار نے بغور اس کو دیکھ کر ملائمت سے کہا وہ لڑکی سہمی ہوئی اور کچھ پریشان سی لگ رہی تھی زرنگار کی بات پر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان کے پاس آ گئی۔

''تم گھبراؤ نہیں گل پری۔ ہاں تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی میری بیٹی بھی ہے تمہاری جتنی تم اس کے ساتھ کھیلنا۔ یہاں تمہیں اور تمہاری ماں کے لیے کوئی مشکل درپیش نہیں ہوگی۔ ان شاءاللہ یہاں پر تم لوگ محفوظ رہو گی۔''

زرنگار کی بات پر پری گل کے چہرے پر تھوڑا اطمینان آیا اس نے مڑ کر اپنی ماں کی طرف دیکھا گل مینا بھی کل کی بہ نسبت آج خاصی پرسکون نظر آ رہی تھی۔

''اللہ پاک آپ کو اجر دے بی بی صاحبہ۔''

گل مینا نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی رہائشی ایریا کے پچھلی طرف ایک کمرہ اور چھوٹا سا واش روم بھی بنایا گیا تھا وہ کمرہ ان دونوں کے لیے صاف کر کے رہنے کے لئے دے دیا گیا مختصر سا سامان چند جوڑوں

اور ایک چارپائی، صندوق پر مشتمل تھا جو سیٹ کر کے کمرے کو آباد کر لیا گیا تھا۔

''اوہ مما آپ بھی نا ہر کسی پر اپنی عنایات کے ہاڑ تورنے لگتی ہیں اپنی محبت نچھاور کرنے لگتی ہیں بھلا کیا ضرورت تھی ان غلیظ لوگوں کو گھر میں جگہ دینے کی۔''

مختار کالج سے آیا تو کچن میں برتن دھوتی گل مینا کو دیکھ کر ماں کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''ہش..... ایسا نہیں کہتے مختار بری بات ہوتی ہے مجبور اور بے سہارا لوگ ہیں۔'' زرنگار نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''مجبور اور بے سہارا لوگوں کے لیے ایدھی سینٹر اور دوسری جگہیں ہیں مما ان کو وہاں بھیج دیں۔''

مختار کے لہجے میں رعونت تھی۔

''ہم نے ٹھیکہ لیا ہے کیا غریب اور مجبور لوگوں کو سہارا دینے کا۔''

''بھائی..... پلیز ایسا نہیں کہتے اللہ پاک ناراض ہوتا ہے۔''

نگین جو پیچھے سے آ گئی تھی اس کو بڑے بھائی کی باتیں اچھی نہیں لگیں۔

''تم دادی اماں مت بنو آئی سمجھ۔'' وہ غصے سے نگین کی جانب پلٹا اور نگین منہ بسور کر رہ گئی۔

''مختار تم جاؤ چینج کرو اور آ کر کھانا کھا لو۔ فضول بحث مت کرو۔ میں نے جو مناسب سمجھا ہے کیا ہے جب تمہارے پاپا کو اعتراض نہیں ہے تو تم کون ہوتے ہو اعتراض کرنے والے اور یوں کسی کو بنا سوچے سمجھے برا نہیں کہو کچھ لوگ سچ مچ مجبور اور بے بس ہوتے ہیں ان کو سہارا دے کر ہمیں اجر ہی ملے گا ہمارے اجر و ثواب کو مٹی میں مت ملاؤ۔''

زرنگار نے قدرے تیز لہجے میں بڑے بیٹے کی کلاس لی تو وہ پیر پٹختا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا کچن میں برتن دھوتی ہوئی گل مینا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

شام کو دلاور شاہ آئے تو ان کے سامنے گل مینا اور پری گل آئیں سلام کر کے ایک طرف کھڑی ہو

گئیں پری گل ان کے لیے گلاس میں پانی نکال کر سلیقے سے ٹرے میں رکھ کر اوپر سے طشتری ڈھانپ کر لے آئی۔ دلاور شاہ نے بغور دونوں کو دیکھا۔ ان کو پری گل کا یہ انداز اچھا لگا وہ نگین کی ہم عمر ہوگی مگر وقت اور حالات نے کتنا تضاد کر دیا تھا دونوں کے نصیبوں میں۔ جبکہ گل مینا بھی ان کو سیدھی سادی لگی۔ چلتر، چال باز اور مکار عورت کہیں سے بھی نہیں لگی انہوں نے دو چار سوالات کیے اور مطمئن ہو گئے۔ گل مینا نے کچن کے سارے کام اچھی طرح سے سنبھال لیے۔ پری گل ساتھ ساتھ لگی رہتی خود کو بڑی سی کالی چادر میں اچھی طرح سے چھپائے وہ کام میں مصروف رہتی۔ پری گل بھی ہمیشہ بڑی سی کالی پرنٹڈ چادر اوڑھے رہتی سر پر سے اس طرح سے لپیٹے رکھتی کہ چہرہ بھی پوری طرح سے نظر نہ آتا۔ نگاہیں جھکائے مصروف عمل رہتی۔

زوار شاہ جو فطرتاً نرم دل اور ہمدرد انسان تھا اس کو ان لوگوں کے رکھنے یا ساتھ رہنے پر کوئی اعتراض نہ تھا بلکہ وہ تو ماں سے ان کے بارے میں سن کر کف افسوس مل رہا تھا کہ بے چاری کتنی مجبور عورت ہے نگین بھی خوش تھی اس کو یہ خوشی تھی کہ پری گل سے وہ کھیلا کرے گی اور اس کو اپنی سہیلی بنا لے گی۔

معصوم سی پری گل اسے بہت اچھی لگی تھی۔

"یہ لو گل مینا شام کو بازار جا کر اپنے اور پری گل کے لیے کاٹن کے سوٹ لے آنا۔"

گل مینا شام کو چائے لے کر آئی تو زرنگار نے کچھ نوٹ اس کی جانب بڑھائے اور بغور اس کے کپڑوں کو دیکھا سیاہ پرنٹڈ سوٹ جو بہت زیادہ پہننے اور دھلنے کی وجہ سے اپنی اصل رنگت کھو چکا تھا بے شک لباس صاف ستھرا تھا مگر بدرنگ اور جگہ جگہ سے سلا ہوا تھا سر کی چادر کئی جگہ سے پھٹ گئی تھی اور کافی سوراخ نظر آ رہے تھے گل مینا نے نظر اٹھا کر زرنگار بیگم کو دیکھا اس کے چہرے پر تشکر اور آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی نمایاں تھی۔

"بہت بہت مہربانی جی اللہ پاک نے آپ کو میرے لیے فرشتہ بنا کر بھیجا ہے جی۔ کتنا خیال رکھتی ہیں آپ۔"

اس نے نوٹ ہاتھ میں پکڑتے ہوئے نم لہجے میں کہا۔

''سچی لگتا تھا میرے لیے دنیا میں اب کوئی جگہ نہیں مجھے مرجانا چاہیے مگر جب پری گل سامنے آتی تو سب کچھ بھول کر اسے سینے سے لگا لیتی کہ اگر مجھے کچھ ہو جائے گا تو زمانہ تو اس معصوم کی ہڈیاں بھنبھوڑ کر رکھ دے گا۔''

کہتے ہوئے اس کی آواز رندھ گئی اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

زرنگار بیگم نے آگے بڑھ کر اس کا کندھا تھپتھپایا۔

''اس دنیا میں ہر کوئی برا نہیں ہے جہاں بعے اور گھٹیا لوگ ہیں وہیں اچھے نیک اور خدا ترس لوگوں کی کمی نہیں ہے ہر کوئی یہی کہتا ہے زمانہ خراب ہے زمانہ برا نہیں ہوتا برے لوگ ہوتے ہیں اس زمانے کو بنانے والے بھی لوگ ہیں اور بگاڑنے والے بھی ہم لوگ ہی ہیں اگر زمانہ برائی کی سمت جا رہا ہے تو اسے برائی سے بھلائی کی طرف لانے والوں کی کمی بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا چل رہی ہے یہ تو سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے کسی انسان میں نہ حوصلہ ہے نہ ہمت کہ دوسرے شخص کو اٹھا کر ایک پیسہ بھی دے یہ اس کو اللہ کی طرف سے توفیق ہوتی ہے کہ وہ اپنے مال سے ایک پیسہ بھی کسی کی جھولی میں ڈال دے بس اللہ پاک ہمیں نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔''

زرنگار نے اس کی بات پر لمبی چوڑی بات کہی اور وہ سر ہلا کر تائید کرنے لگی۔

''سچ ہے بی بی جی یہ دنیا بھی عجیب شے ہے انسان کو کیسے کیسے تماشے دکھاتی ہے بھوکے بھیڑیے بھی یہیں ملتے ہیں تو فرشتوں کی بھی کمی نہیں۔ کوئی عورت سے چادر کھینچ کر اس کی عزت نیلام کرتا ہے تو کوئی ابن آدم اس عورت کو چادر تھما کر اس کی عزت بچا لیتا ہے۔ بہت اونچ نیچ دیکھی ہے میں نے بھی۔ بہت دکھ تکلیف اور مصیبتوں سے گزر کر یہاں تک پہنچی ہوں کئی بار اللہ پاک کے سامنے گر کر اس سے اپنے دکھوں کا حساب بھی مانگا مگر توبہ توبہ جی پھر خود ہی توبہ کر لی کہ وہ تو ہمیں عطا کرنے والا ہے کبھی بھلا

تو کبھی براہم اس سے صرف دعا ہی مانگ سکتے ہیں خیر کی بھلے کی اور میری دعائیں بھی قبول ہو گئیں کہ آپ جیسے لوگوں سے واسطہ ہو گیا۔"

"اچھا گل مینا ایک بات بتاؤ تم کہاں کی رہنے والی ہو اس حال تک کیسے پہنچیں؟ تم نے مجھے یہ سب باتیں بتائی نہیں۔"

زرنگار بیگم نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی بی بی جی یہ بہت لمبی کہانی ہے۔ جی دکھ اور تکلیف سے بھری ہوئی آپ کے پاس اتنا وقت ہو گا کیا؟"

اس کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے۔

"ہاں ابھی تو میں فری ہوں اگر تم سنانا چاہو تو سنا سکتی ہو۔"

زرنگار کی بات پر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر آنکھیں بند کیں جیسے ماضی کے تانے بانے بُن رہی ہو۔ اس کے چہرے پر کئی رنگ آ رہے تھے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے اس کے دل و دماغ میں اٹھنے والے طوفان کا اندازہ لگانا مشکل نا تھا اس نے آنکھیں کھولیں۔ اس کی خالی خالی آنکھوں میں اذیت تھی کرب اور دکھ نمایاں تھا۔

☆.....☆.....☆

اندرون پنجاب بسنے والا یہ چھوٹا سا گاؤں خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھا ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں سے جھولتے لمبے لمبے درخت خوش نما منظر میں لپٹے چھوٹے چھوٹے پہاڑ سنہری دھوپ میں نکھرا ہوا یہ چھوٹا سا گاؤں۔ پھولوں اور پھلوں سے لدے خوش نما درخت، ناچتی گاتی فصلیں چھوٹے چھوٹے مٹی کے بنے ہوئے مکانات اور ان مکانات کے صحن میں رکھے مٹی کے چولہوں سے اٹھتا ہوا دھواں بارش میں کھیتوں کے حسن اور شادابی میں مزید نکھار اور دلکشی بڑھ جاتی سورج کی کرنیں

صبح صبح جب اس گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لیتیں تو ایسا منظر ہوتا جیسے کسی حسین دوشیزہ نے گوٹا اور کرن لگا دوپٹا ماتھے پر سجا لیا ہو۔ اونچے نیچے راستے اور پگڈنڈیاں اور ان پگڈنڈیوں پر آتی جاتی گاؤں کی الہڑ دوشیزائیں جو اپنے سروں پر روایتی چادریں ڈالے کبھی کھیتوں میں نظر آتیں تو کبھی بکریاں چرا رہی ہوتیں۔ بڑے بڑے وسیع و عریض رقبے پر پھیلے کھیت اور کھیت پر کام کرنے والے انتہائی غریب لوگ تھے جبکہ ان کھیتوں اور زمینوں کے مالک بڑے دولت مند اور اونچے اثر والے لوگ تھے۔

زمانہ بدل گیا حالات بدل گئے مگر کچھ جگہیں آج بھی ایسی تھیں کہ جہاں بااثر لوگوں کی حکومت تھی اور نچلے طبقے کے لوگ آج بھی کمی کمین کہلاتے تھے جو سر جھکائے ملکوں اور مالکوں کے زیر اثر رہتے تھے۔

ایسے لوگوں میں حمید کی فیملی بھی تھی اس کا تعلق تو سرحد سے تھا مگر وہ لوگ کچھ ذاتی مسائل کی وجہ سے وہاں سے اس گاؤں میں آ کر آباد ہو گئے تھے حمید اپنی بیوی بختاں اور ایک بیٹی گل مینا کے ساتھ رہتا تھا۔ ملکوں کے کھیتوں پر کام کر کے اپنا گھر چلاتا تھا یہاں کے بیشتر لوگ اسی طرح کے کام کرتے جو ذرا سا پڑھ لکھ جاتے وہ شہر میں نوکریاں تلاش کر لیتے یہاں سے شہر جانے والی سڑک بھی بن چکی تھی اس لیے لمبا فاصلہ طے کر کے بسوں کے ذریعے صبح جا کر شام ڈھلے لوٹ آتے تھے۔

''اماں مجھے کبھی بھی اجازت نہیں دیں گی؟''

گل مینا کے لہجے میں ناامیدی تھی اس وقت وہ اپنی سکھیوں فاطمہ، سکینہ اور رضیہ کے ساتھ افسردہ اپنے کمرے میں جھلنگا چارپائی پر بیٹھی تھی۔

''ارے کیوں فکر کرتی ہے تیری اماں اتنی بھی ضدی نہیں مان جائے گی ہم بھی تو ہوں گے ناں تیرے ساتھ۔''

فاطمہ نے تیسری بار یہی جملہ دہرایا تو گل مینا کو غصہ آ گیا۔

''بتایا تو ہے کہ وہ ڈرتی ہے مجھے باہر بھیجنے سے ابا بھی منع کرتا ہے کہ باہر نہ نکلا کر پتا نہیں ایسا کیا

رکھا ہے میرے اندر۔"

وہ جھلا کر بولی۔

"چل ہم پوچھ لیں گے تیری اماں سے تو رنج نہ کر۔"

رضیہ سے اس کا اترا ہوا منہ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"چل تو بھی کر لے کوشش۔"

گل مینا نے بڑی بڑی پلکیں اٹھا کر رضیہ کی طرف دیکھا اور اٹھتے ہوئے بولی تو سب مل کر صحن کے کونے میں بنے چھوٹے سے باورچی خانے کی طرف بڑھ گئے۔ جہاں بختاں بیٹھی ہنڈیا پکا رہی تھی۔

"آ گئی نا حمایتیوں کو لے کر۔"

بختاں جو کافی دیر سے اندر کھچڑی پکتے دیکھ رہی تھی اس نے آٹا گوندھ کر پرات سرکاتے ہوئے گل مینا کو غور سے دیکھ کر کہا تھا۔

"اماں جانے دے نا ایک بار صرف ایک بار جانے دے آئندہ تجھ سے نہیں بولوں گی۔ ساری سکھیاں جاتی ہیں کسی کی اماں تو منع نہیں کرتی تجھے کیا ڈر ہے اماں۔"

وہ عاجزی سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر لاڈ سے بولی۔

"ارے پگلی..... یوں جوان جہان لڑکیوں کا گھروں سے باہر نکلنا چنگا نہیں ہوتا اور تو تو ہے اتنی خوبصورت میری اک ہی اک دھی ہے تو اگر کہیں کسی بھوت پریت کا سایہ پڑ گیا تو میں تو مر جاؤں گی۔

بختاں کے لہجے میں خوف تھا۔ تو ہمیشہ پوچھتی ہے ناں کے تجھے باہر کیوں نہیں جانے دیتی تو سن میری بڑی بہن تھی تیری خالہ وہ بہت حسین تھی اس کے لمبے بال گھٹنوں سے نیچے تک تھے وہ ہنستی تو لگتا گھنٹیاں بجنے لگی ہوں وہ بولتی تو لگتا فضا میں کوئل کوک رہی ہو وہ چلتی تو ہر کوئی اس کو دیکھے جاتا وہ جو کپڑا پہنتی اس پر سج جاتا وہ دن بھر گاؤں کی گلیوں میں اتراتی پھرتی تھی لوگوں سے تعریفیں کرواتی رہتی تھی اماں اسے منع

کرتی مگر وہ باز نہ آتی اور ایک روز وہ شام ملتے ہوئے پیڑ کے نیچے سے گزری تو، تو.....'' ایک لمحے کے لیے بختاں خاموش ہوئی اس کے چہرے پر خوف تھا۔

''تو.....تو کیا ہوا؟'' رضیہ نے تجسس سے پوچھا۔

''کہتے ہیں دو شام ملتے وقت جن بھوت پریت کا سایہ ہو جاتا ہے اور اس پر بھی پیڑ پر سے جنات نے قبضہ کر لیا اور پھر دیکھتے دیکھتے وہ بالکل سوکھ گئی جیسے کانٹا.....نا کھانے کا ہوش ہوتا نہ پہننے کا نا سہیلیاں یاد تھیں ناں ہم لوگ۔ اماں کا رو رو کر برا حال ہو گیا تھا گاؤں تو گاؤں شہر بھی گئے دنیا جہاں کے پیروں کو دکھایا مگر اس کی حالت نہ سنبھلی آخر میں اماں نے رو رو کر اپنی آنکھیں گنوا دیں۔

اس کو سنبھالتے سنبھالتے ابا بھی بے حال ہو گئے اور وہ یونہی مر گئی بس تب سے مجھے بہت ڈر لگتا ہے میں نے پھر باہر نکلنا بند کر دیا تھا اور.....اور تو بھی بہت حسین ہے مینا بالکل اپنی ماسی جیسی مجھے تجھے دیکھ کر بھی ہول آتے ہیں۔ ڈر لگتا ہے تو اتنی منتوں اور مرادوں کے بعد تو ہماری جھولی میں آئی ہے میں نے تجھے ایسے ہی نہیں پایا دھیے۔''

بختاں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ رضیہ، فاطمہ اور سکینہ بھی آزردہ ہو گئی تھیں۔

''ہائے میری پیاری اماں۔''

گل مینا نے آگے بڑھ کر اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''میں کون سا دن رات باہر گھومتی ہوں۔''

''ہاں ماسی بختاں تیری بات اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر ہم سب بھی تو ہوں گے میرا چھوٹا بھائی بھی ساتھ ہو گا ہم دن ڈھلنے سے پہلے لوٹ آئیں گے اور کون سا گاؤں کے باہر جانا ہے ماسی تو فکر نہ کر ہم گل مینا کو گھر سے لے جائیں گے اور گھر پر چھوڑیں گے بس تو اجازت دے دے اب کی بار میلہ لگا ہے ہم خود بھی نہیں گئیں مگر سنا ہے اس بار بہت بڑا میلہ لگا ہے تو دل کرتا ہے سب کا۔''

سکینہ نے کہا تو بختاں نے نگاہ اٹھا کر گل مینا کو دیکھا سچ ہی تو ہے وہ بے چاری کہاں جاتی تھی دن بھر گھر کے کاموں میں لگی رہتی یا پھر پندرہ دن میں ایک بار شہزاد سے ملاقات ہوتی۔

''اچھا ٹھیک ہے مگر جلدی لوٹ آنا۔''

بختاں کی اجازت ملتے ہی گل مینا بچوں کی طرح اچھل کر تالیاں بجانے لگی اور چٹ سے اماں کے گل چوم لیے۔ بختاں مسکرادی تھی۔

ویسے بھی جمعرات کے جمعرات بختاں گاؤں میں بنے بزرگ کے مزار پر گل مینا کی لمبی حیاتی کے لیے دیئے جلاتی تھی اور کسی سے نظر کا تعویذ منگوا کر بھی اس کے گلے میں ڈال رکھا تھا۔ اپنے طور سے سارے انتظامات کر رکھے تھے کیوں نہ کرتی شادی کے اتنے سال بعد تو اللہ نے جھولی بھری تھی۔

اور بھری بھی تو ہریوں جیسی خوبصورت گڑیا سے۔ جس کو دیکھ کر آس پاس کے لوگ رشک کرتے کہ حمید اور بختاں کے گھر شہزادی آئی ہے۔ حمید اور بختاں نے اس شہزادی کو ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھا تھا زمین پر قدم پڑنے نہیں دیتے اس کے لیے دم کیے پانی لاتے تو کبھی تعویذ لا کر گلے میں باندھتے وہ بڑی ہوتی گئی جیسے جیسے بڑی ہو رہی تھی اس کے حسن میں اضافہ بھی ہو رہا تھا۔ اس گاؤں میں کچھ فاصلے پر بختاں کی بیٹی رہتی تھی وہ بیوہ تھی ایک بیٹی اور ایک بیٹا تھا بیٹا نوجوان تھا مگر بیٹی کافی چھوٹی تھی بھائی اور اماں کی لاڈلی جس کا نام ستارہ تھا اور وہ تھی بھی ستارے جیسی چم چم چمکتی ادھر ادھر اچھلتی کودتی اور ہنستی مسکراتی رہنے والی گڑیا تھی شہزاد نے گاؤں کے اسکول سے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور پھر شہر میں کسی فیکٹری میں نوکری کر لی تھی۔ اس کے لیے روزانہ فیکٹری سے آنا جانا دشوار ہوتا اس لیے وہ وہیں کرائے پر کمرہ لے کر رہنے لگا تھا اور پندرہ دن میں ایک بار گاؤں آتا تھا۔ شہزاد کا رشتہ بچپن سے ہی گل مینا سے طے ہو چکا تھا شہزاد اور گل مینا ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے اگر گل مینا حسین تھی تو شہزاد بھی کم خوبصورت نہ تھا۔ اونچا لمبا بھرے بھرے بازوؤں اور ہلکی ہلکی داڑھی مونچھ والا شہزاد جب شہر سے نیلی جینز اور کالی قمیض

پہن کر آتا تو کتنی دیر گل مینا اسے دیکھتی رہتی تھی اس ایک دن کا انتظار گل مینا پورے چودہ دن کرتی شہزاد بھی گاؤں آتے ہی اس سے ملنے آ جاتا پھر دونوں دیر تلک گھر کے صحن میں یا کبھی کمرے میں بیٹھے ڈھیروں باتیں کرتے۔ ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ ان کی اس مثالی محبت سے گھر والے نا واقف نہ تھے جس دن شہزاد نے آنا ہوتا اس دن صبح سے ہی گل مینا بے کل سی ادھر ادھر گھومتی رہتی۔ خاص طور پر اندر سے اچھا جوڑا نکال کر نہا کر پہنتی ہاتھوں میں رنگ برنگی چوڑیاں اور بالوں میں پراندہ سجا لیتی یہ وہ تحائف ہوتے جو شہزاد شہر سے آتے ہوئے لانا نہ بھولتا شام ہوتے ہی شہزاد آ جاتا اور دونوں کو لگتا برسوں بعد ملے ہوں۔ حمید اور بختاں ان دونوں کو دیکھ دیکھ کر مسکراتے رہتے تھے۔

''بڑا پیار ہے دونوں میں رب ان کی حفاظت کرے ان کی سوہنی جوڑی کو کسی کی نظر نہ لگے یونہی ساتھ ساتھ رہیں ہمیشہ۔''

بختاں کی آنکھیں بیٹی کی جدائی کے تصور سے بھیگ جاتی تھیں۔

''ارے جھلی تو تو شکر ادا کیا کر کے تجھے اتنا اچھا پیار کرنے والا اور گھبرو جمائی مل رہا ہے رویا نہ کر بس دعا مانگا کر سوہنے رب سے ان کی خوشیوں کے لیے کہ ہمیشہ خوش آباد رہیں ہمارے بچے۔'' حمید خود بھی آزردہ ہو جاتا مگر بختاں کو سمجھانے لگتا تھا۔

شام ہونے کو تھی آج شہزاد نے آنا تھا مگر ابھی تک نہیں آیا تھا گل مینا بہت بے چین تھی اس بار اس نے رنگین چنری لانے کا وعدہ کیا تھا اماں چولہے کے پاس بیٹھی ساگ صاف کر رہی تھی گل مینا دروازے پر گئی تب ہی اسے شہزاد آتا دکھائی دیا گل مینا سلام کرنے کے بجائے منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی اس کے چہرے پر ناراضگی تھی۔

''سلام سوہنیے۔۔۔''

شہزاد نے مسکرا کر سلام کیا مگر جواب ندارد۔

''کیا ہو گیا ہے تجھے؟''

شہزاد نے پوچھا تھا۔

''اتنی دیر.....اتنی دیر لگا دی تو نے آنے میں پتا بھی ہے پورے چودہ دن میں اس ایک دن اور دو گھنٹے کا انتظار کرتے گزارتی ہوں۔''

شکوہ لبوں پر مچلا تھا۔

''ارے پگلی بس میں کچھ دیر سویر ہو جاتی ہے قسم سے بس اماں کے ہاتھ کی چائے پی اور سیدھا تیرے پاس چلا آیا۔''

شہزاد اس کے سامنے آ کر جذب سے بولا تھا۔

''جا میں نہیں بولتی۔'' وہ منہ پھیر کر اترائی تھی۔

''ایسے تو نہ کر جند جانی تو ایسے منہ پھیرے گی تو میں تو مر جاؤں گا قسمے۔''

وہ عین سامنے آ کر گل مینا کے گورے گورے ہاتھ تھام کر محبت سے بولا تھا۔

''اوئے.....اب یہ بکواس تو نا کر ایمان سے آئندہ ایسا بولا تو قسم سے بالکل نہیں بولوں گی۔''

وہ تڑپ کر بولی اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

''اچھا اچھا دیکھ ہاتھ جوڑ کر کان پکڑ کر معافی مانگتا ہوں اپنے دیوانے کو معافی دے دے۔''

وہ عاجزی سے ہاتھ جوڑ کر کہتا تو گل مینا مسکرا کر اس کے موٹے موٹے مضبوط ہاتھ تھام لیتی۔۔۔

''ارے پگلی تو خواہ مخواہ ناراض ہوتی ہے تجھے میرا انتظار رہتا ہے تو کیا میں اس ایک دن کے لیے چودہ دن تک ایک ایک پل گن گن کر نہیں گزارتا جتنا تو یاد کرتی ہے مجھے اس سے زیادہ تو میں تجھے یاد کرتا ہوں تجھے کیا پتا کہ آج بھی اماں سے یہی کہہ رہا تھا کہ اب دودی برداشت نہیں ہوتی اماں جلدی

سے مینا کو گھر کے آ پھر ہم لوگ شہر چلے جائیں گے مگر اماں کہتی ہے تو میرا اک ای ایک پتر ہے میں خوب دھوم سے شادی کروں گی اس لیے پیسے جوڑ رہی ہوں سچی مینا تو بہت بھاگ والی ہے کہ تجھے اماں جیسی ساس ملنے والی ہے وہ تو تجھ پر صدقے قربان ہوتی رہتی ہے اور ستارہ۔ ستارہ کا بس چلے تو ابھی تجھے اٹھا کر کے جائے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے۔'' شہزاد کے لہجے میں پیار ہی پیار تھا۔

''سچی.....؟'' اس نے بڑی بڑی آنکھیں پھیلائیں۔

''اور.....اور تو کیا کہتا ہے؟'' گل مینا نے ایک ادا سے لمبی چوٹی کو پیچھے ڈالتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''میں.....میرا کیا پوچھتی ہے ظالما۔ میرا تو تو نے سکھ چین نیند سب حرام کر کے رکھ دیا ہے۔ میں تو ابھی اٹھا کر لے جاؤں تجھے سب کی نظروں سے دور جہاں بس تو اور میں ہوں کوئی تیسرا نہ ہو۔''

کاندھے سے تھام کر گل مینا کا چہرہ اوپر اٹھا کر لہجے میں وارفتگی سموئے وہ گل مینا کے قریب بہت قریب کھڑا تھا گل مینا کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ جوان اور خوبرو سنگت میں وہ بہکنے لگی آنکھیں بند کیے اس کے الفاظ کے حصار میں گم تھی۔ شہزاد نے اسے سینے سے لگایا تو وہ چونکی تھی۔

''پتا ہے ابا اور اماں کیا کہہ رہے تھے۔'' سانسوں کو بحال کر کے وہ چارپائی پر بیٹھ گئی تھی۔

''کیا.....؟'' وہ بھی پاس آ گیا۔

''ابا کہہ رہا تھا کہ اس بڑی عید کے بعد ہمارے ویاہ کے لیے خالہ سے بات کرے گا۔''

اس نے شرماتے ہوئے ابا اور اماں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا کچھ حصہ اسے بتایا تھا۔

''ہائے سچی.....مطلب مجھے اماں کو بھی بتا دینا چاہیے کہ تیاریاں تیز کر دے۔''

شہزاد نے خوش ہو کر کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر مسکرا دی تھی خوبصورت جاندار زندگی سے بھرپور مسکراہٹ جس میں خوشی بے فکری چاہت اور آنے والے خوبصورت دنوں کی جھلک شہزاد محسوس کر سکتا تھا۔

''اچھا اچھا.....اب جلدی سے پیسے نکال؟'' اچانک ہی گل مینا نے اپنی نازک سرخ ہتھیلی شہزاد کے آگے کر دی تھی۔

''کیوں بھئی شادی کا جوڑا تو نے خود خریدنا ہے کیا؟'' شہزاد شرارت سے بولا تھا۔

''نا جی۔ وہ تو خالہ ہی لائے گی مجھے تو کل میلے میں جانے کے لیے پیسے چاہیئے۔ جو میلہ لگا ہے ناں سب گاؤں والے جا رہے ہیں۔''

''سنا ہے بہت اچھا میلہ ہے اماں نے مجھے بڑی مشکلوں سے اجازت دی ہے میں بھی کل اپنی سہیلیوں کے ساتھ جاؤں گی۔ وہاں سے رنگین چوڑیاں، پراندے، جھمکے خریدوں گی اور سہیلیوں کے ساتھ مل کر ہم چاٹ بھی کھائیں گی۔''

''اچھا واؤ بھئی مطلب میرے بنا اکیلے اکیلے مزے کرو گی۔'' شہزاد نے جیب سے کچھ نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے تھے۔

''تجھے فرصت کہاں ہے؟ تو صبح پھر لوٹ جائے گا۔''

پیسے مٹھی میں دبا کر وہ مایوسی سے بولی۔

''اچھا اچھا اب منہ مت بنا کر بیٹھ جا۔ شادی کے بعد پورے پندرہ دن کی چھٹی لے کر صرف اور صرف تیرے ساتھ گھوموں گا۔ تو کیوں دل چھوٹا کرتی ہے جھلی اب جلدی سے اچھی سی چائے بنا کر لا ایسے باتوں میں لگا دیتی ہے کہ ماسی بختاں سے بھی سلام دعا نہ کر سکا چل میں اندر جاتا ہوں چائے وہیں پر لے آنا۔''

شہزاد نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ دوپٹے کے پلو میں پیسے باندھ کر مسکراتی ہوئی صحن کے کونے میں مٹی سے بنے چولہے کی طرف چل دی اور شہزاد محبت پاش نظروں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''کتنی معصوم ہے یہ لڑکی۔''

وہ دل میں سوچتے ہوئے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد حمید بھی آ گیا شہزاد کچھ دیر بیٹھ کر واپس لوٹ گیا اس بار اس نے زیادہ دن کے بعد آنا تھا اس نے جاتے وقت یہ بات گل مینا کو بتائی تھی کہ وہ پہلے سے ہی موڈ آف کر لیتی اور ناراض ہو کر ملاقات کا مزا کرکرا کر دیتی۔

''ہائے ربا پندرہ دن سے زیادہ مطلب کتنے دن لگائے گا؟''

گل مینا نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

''گل مینا مجھے اس بار کام بہت زیادہ ہے میرے صاحب نے مشکل سے چھٹی دی ہے اس بار بھی اور یہاں پر آیا تو شادی کا بھی سن لیا ہے تو مجھے جلدی آنا مشکل ہوگا ان شاء اللہ ایک ماہ میں آ جاؤں گا تو فکر نہ کرنا بلکہ خوشی خوشی شادی کی تیاریاں کرنا دیکھ لینا یہ دن یونہی گزر جائیں گے۔''

''شہزاد مجھے ڈر لگتا ہے اتنے دن گزارنا مشکل ہوگا میرے لیے اور تیرے سے تو کوئی رابطہ بھی نہیں ہو سکتا کتنی بار کہا ہے کہ کوئی فون نمبر دے دے مگر تو سمجھتا ہی نہیں۔''

''ارے پگلی ڈر کس بات کا؟ میں کوئی بچہ ہوں کہ شہر جا کر گم ہو جاؤں گا اور اس بار آؤں گا تو کوئی چھوٹا موٹا سا موبائل لیتا آؤں گا بس پیسوں کی تنگی ہے ذرا۔''

نجانے کیوں اس بار گل مینا بہت ہی زیادہ اداس تھی۔ شہزاد کے جاتے وقت اس کی آنکھوں میں بے تحاشا آنسو سمٹ آئے تھے جیسے کے شہزاد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ رہی ہو دل کہتا تھا کہ جی بھر کے شہزاد کو دیکھ لے شاید کہ یہ آخری ملاقات ہو وہ اس کے آگے سوچ کر سہم جاتی تھی۔

''ارے پگلی یوں کیا دیکھنے لگی نظر لگائے گی اپنے دیوانے کو؟''

شہزاد نے اس کو محویت سے دیکھتا پا کر اس کا سر ہلا کر شرارت سے کہا تو وہ جھینپ کر پھیکی ہنسی ہنس دی۔

ڈھیر سارے وعدے کر کے وہ لوٹ گیا اور گل مینا اداس ہو گئی تھی۔

دوسرے دن صبح ناشتے سے فارغ ہو کر گل مینا نے گھر کی صفائی کی آج اس نے میلے پر بھی جانا تھا

یہ میلہ ہر سال لگا کرتا گاؤں میں کھیتوں سے ملحق بڑا سا میدان تھا جو ملکوں کی ملکیت تھا وہاں پندرہ دن کے لیے یہ میلہ لگتا تو گاؤں کے پرسکون ماحول میں خوشگوار تبدیلی آجاتی گاؤں کی عورتیں، لڑکیاں اور بچے سارا سال اس میلے کا انتظار کرتے طرح طرح کے جھولے، سرکس، کٹھ پتلی کا تماشہ رنگ برنگی چیزوں کے اسٹال لگتے کہیں رنگین چوڑیاں سجی ہوتیں تو کہیں چم چم کرتے سلور اور گولڈن بندے جھمکے نظر آتے۔ چھولے اور چاٹ کے ٹھیلے اپنی بہاریں دکھا رہے ہوتے تو کہیں لیموں کے شربت والا آوازیں لگا کر اپنی جانب بلاتا۔ لکڑی کے ڈولی والے جھولوں پر بیٹھ کر لڑکیاں کھلکھلاتیں۔ رنگین کاغذوں سے بنے مختلف کھلونے بچوں کی توجہ کا مرکز ہوتے تو مٹی سے بنے رنگ برنگے برتن اور جانور کے اسٹال پر بچے مچل جاتے۔

گاؤں میں اور تو کوئی تفریح نہیں تھی غریب اور محنت کش لوگ جو سارا سال ملکوں کے کھیتوں پر خون پسینہ بہا کر فصلیں کھڑی کرتے ان کی حفاظت اپنے بچوں کی طرح کرتے اور بدلے میں ملکوں سے تھوڑا سا اناج اور چند پیسے وصول کرتے وہ لوگ اسی میں خوش اور مگن تھے۔

برسہا برس سے ان کے آباؤ اجداد بھی ملکوں کے زیر اثر رہے اور آج تک یہ سلسلہ جاری و ساری تھا یہاں پر ملکوں کی حکمرانی اور ان کا راج تھا اور وہی ان غریبوں کے ناخدا بنے بیٹھے تھے۔ گل مینا جب تک چھوٹی تھی تو کبھی بختاں کے ساتھ تو کبھی حمید کے اس میلے میں جاتی تھی مگر جب سے سیانی ہوئی تھی بختاں نے اسے پابندیوں میں جکڑ دیا تھا۔ اس کی چھوٹی سی چنری اب بڑی سی چادر میں بدل گئی تھی چادر بھی ایسی کے آدھا چہرہ بھی ڈھانپ لیتی۔ گل مینا جو گاؤں کی پگڈنڈیوں پر کھیتوں میں سکھیوں کے ساتھ اچھلتی کودتی پھرتی تھی ساون بھادوں میں جب مینہ خوب برستا تو وہ سہیلیوں کے ساتھ نیم کے درخت پر لگے جھولے پر سارا دن جھولا جھولتی رہتی اور جب بارش کی مسلسل بوچھاڑ سے اس کا دودھ جیسا سفید رنگ مزید سفید ہو جاتا۔ ٹھنڈی ہوا کے ٹھنڈے جھونکے اس کے نازک سے بدن پر کپکپی طاری کر دیتے تب وہ بھاگ کر گھر آجاتی جہاں اماں گرم گرم قہوہ اور دیسی ابلا ہوا انڈا لیے اس کی منتظر ہوتی مگر پھر کتنے ساون آ

کر چلے گئے اسے اماں صحن میں جانے تک کی اجازت نہیں دیتی تھی کتنے میلے آئے اور ختم ہو گئے وہ ہر بار اماں سے میلے میں جانے کی ضد کرتی اور اماں ٹال جاتی۔ وہ منہ بسور کر رہ جاتی مگر اتنے سالوں بعد آج اس کو اجازت ملی وہ بہت خوش تھی وہ نادان بھلا کب جانتی تھی کہ ماں تو ماں ہوتی ہے اللہ پاک نے ماں کو ایسی مٹی سے بنایا ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کی زندگی میں آنے والے طوفان کو پہلے سے محسوس کر لیتی ہے اور حتی الامکان یہی کوشش کرتی ہے کہ اس کی اولاد کسی قسم کی مشکلات کا شکار نہ ہو اس کی زندگی میں کوئی دکھ کوئی رنج و پریشانی نہ آئے۔ ماؤں کے دل میں الٹے سیدھے وہمے خدشات ہوتے ہیں شاید بختاں بھی ایدی کیفیت کا شکار تھی اس کی چھٹی حس اس کی ممتا کسی بڑے طوفان کے آنے کا پتا دے رہی تھی لیکن ہونی کو کون روک سکا ہے ہم انسان صرف مفروضے قائم کرتے ہیں خدشات پال لیتے ہیں اچھی بری سوچ رکھ سکتے ہیں اس سے آگے تو وہی ہوتا ہے جو رب چاہتا ہے طوفانوں کے آگے جتنے بند بھی باندھ لو لاکھ احتیاط کر لو مگر جس طوفان کو آنا ہوتا ہے وہ سارے بند توڑ کر تمام حفاظتی انتظامات کی دیواریں پھلانگ کر آ کر ہی دم لیتا ہے۔ نادان گل مینا بھی اس طوفان سے قطعی نا آشنا تھی جو اس کی معصوم اور بے فکر زندگی میں آنے کو پر تول رہا تھا۔

سکینہ، شادو، رضیہ اور فاطمہ کے ہمراہ وہ گھر سے نکلی خود کو اچھی طرح سے چادر میں لپیٹ کر چہرے کو بھی کور کر لیا۔ ابا نے بھی اسے پیسے دیئے تھے وہ بہت خوش تھی اماں کی ہدایات کے ساتھ وہ گھر سے نکلی کچا راستہ عبور کرتے ہوئے سکھی سہیلیوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا بھلا لگ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ اپنی اور شہزاد کی شادی کے بارے میں باتیں کر رہی تھی۔

"ہائے گل تو کتنی بھاگوں والی ہے کے گاؤں ک سب سے گھبرو جوان تجھے اتنا پیار کرتا ہے اور اب تیری شادی بھی ہونے والی ہے۔"

فاطمہ نے حسرت سے کہا تھا۔

''ارے تو ہماری گل بھی تو اتنی حسین ہے۔اس کے لیے تو ایسا ہی شہزادہ آنا تھا۔''

سکینہ نے گل مینا کو رشک سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''اور پتا ہے تم لوگوں کو شہزاد کیا کہہ رہا تھا؟'' گل مینا نے اتراتے ہوئے کہا تھا۔

''کیا.....کیا؟'' چاروں نے پوچھا۔

شہزاد کہہ رہا تھا اس بار وہ الگ گھر کا بندوبست کر کے آئے گا تا کہ شادی کے بعد ہم لوگ صغراں ماسی، ستارہ کے ساتھ شہر میں رہ سکیں۔

اس کے لہجے میں متانت تھی۔

''ہائے سچی کتنا مزا آئے گا تجھے گل سچی مجھے بہت شوق ہے شہر میں رہنے کا اونچی اونچی عمارتیں صاف صاف سڑکیں لمبی چمچماتی موٹر کاریں اچھے اچھے کپڑے پہنے لوگ مگر میرا بالا تو یہیں ہے نہ ہی شہر جانا چاہتا ہے تو بہت نصیبوں والی ہے گل۔''

سکینہ نے حسرت سے گل مینا کے کھلے کھلے چہرے کو دیکھا تھا۔

''اچھا.....اچھا بس نظر نہ لگا دینا ہماری بنو کو۔''

رضیہ نے مکھن لگایا۔

''دعا کرو خدا ہماری بنو کو خوش رکھے شہر میں لوگ بہت چالاک ہوتے ہیں میں نے تو یہ بھی سنا ہے۔''

رضیہ نے آنکھیں پھیلا کر کہا تھا۔

''ارے پگلی اتنے دنوں سے شہزاد ہے وہاں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔''

گل مینا نے عقل جھاڑی تھی۔

''ہائے اللہ کتنا بڑا میلہ ہے یہ تو۔''

گل مینا نے احاطے میں داخل ہو کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی جہاں خوب رونقیں لگی ہوئی تھیں۔

ہائے اللہ سب سے پہلے تو میں ڈولی والے جھولے میں بیٹھوں گی۔ قسم سے پتا نہیں کتنے سالوں سے نہیں بیٹھی۔

سامنے ہی لال، ہری اور پیلی ڈولیوں سے سجا لکڑی کا جھولا دیکھ کر گل مینا تیزی سے جھولے کی جانب بڑھی تو سب اس کے پیچھے چل دیں ڈولی میں اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر جاتے ہوئے بڑا مزا آ رہا تھا نہ جانے کتنے سال بعد وہ یہ مزے لے رہی تھی جھولا جھول کر اس نے ٹھیلے سے ابا کے لیے عطر اماں کے لیے ریشمی رومال خریدا پھر ان لوگوں نے چاٹ کھائی بڑے مزے کی آلو کی چاٹ تھی ساتھ ہی لیموں کا شربت پیا۔

یوں گھومتے گھومتے وقت کا احساس نہ ہوا تب جاتے ہوئے وہ رنگین چوڑیوں کے اسٹال پر آ گئیں ساتھ ہی پراندوں کا اسٹال بھی تھا پہلے اس نے سنہری اور لال دھاگوں والا پراندہ خریدا شہزاد ہمیشہ کہتا تھا۔

''گل تجھ پر لال رنگ بڑا سجتا ہے جب تو لال رنگ پہنتی ہے ناں تو لگتا ہے ننھی سی بیر بہوٹی ہے نرم نازک اور ملائم سی دل کرتا ہے تجھے اٹھا کر سینے سے لگا لوں۔''

شہزاد کی بے باکی پر وہ شرم سے سرخ ہو جاتی اس بار شہزاد لال چنری لے کر آیا تھا سنہرے پھندونوں سے سجی لال چنری کے جیسا لال اور سنہری پراندہ لے کر وہ چوڑیوں کی جانب پلٹی تھی۔

ہائے اللہ دیکھ تو رضیہ کتنی پیاری چوڑیاں ہیں نازک نازک اور چمکتی ہوئی اس نے رنگ برنگی چوڑیاں ہاتھوں میں اٹھا کر دیکھی تھیں۔

''یہ لے لے یہ دھانی تیرے ہاتھوں میں خوب سجیں گی۔''

فاطمہ نے آگے بڑھ کر دھانی چوڑیاں اٹھائی تھیں۔

''نہیں ری..... میں تو سرخ اور سنہری چوڑیاں پہنوں گی میرے شہزاد کو پسند ہیں۔''

وہ اٹھلا کر پلٹی اور فاطمہ سے مخاطب ہوئی تیزی سے پلٹنے سے چادر چہرے سے تھوڑا سا سرک کر نیچے آ گئی اور ہوا کے جھونکے سے بالوں کی شریر لٹ اس کے ماتھے پر آ گئی تھی اس نے جلدی سے چادر کو کھینچ کر دوبارہ سے منہ چھپایا اور بالوں کو چادر کے اندر سمیٹا لیکن یہی چند لمحوں کی بھول نے ان دو آنکھوں کو مزید پھیلا دیا جو کافی دیر سے اس کے تعاقب میں تھیں۔ ایک لمحے کی خطا عمر بھر کی سزا بننے کو تھی اس ایک لمحے میں جیسے کسی کا دل اچھل کر حلق میں آیا تھا۔ اتنا مکمل حسن اتنی دلکشی، اتنی رعنائی، نزاکت اور شراب سی مستی لیے کٹورہ آنکھیں نازک مخروطی انگلی میں سجا چاندی کا چھلا گوری گوری نازک گلائیوں میں سجی لال اور سنہری چوڑیاں جھیل سی گہری آنکھوں پر بالوں کی شریر لٹ اور لٹ کے پیچھے سے مسکراتے یاقوتی لب وہ لڑکی تھی کہ قدرت کا شاہکار۔

''اف کیا چیز ہے؟'' بے ساختہ ملک ایاز کے لبوں سے نکلا تھا۔

''کیا ہوا یار؟'' پاس بیٹھا ملک واحد چونک کو اس کی طرف دیکھ کر بولا تھا۔

''یار کیا مکمل حسن ہے کیا بھرپور شاہکار ہے۔'' ملک ایاز جیسے خواب کی سی کیفیت میں بولا تھا۔

''کون ہے ملک صاب؟''

واحد نے ملک ایاز کی نظروں کے تعاقب میں نظر دوڑائی وہ چاروں چوڑی والے کو پیسے دے کر پلٹ رہی تھیں چہرے تو ڈھکے ہوئے تھے۔

''ملک جی خیر تو ہے کیا ہو گیا ہے کہیں کوئی خواب تو نہیں دیکھ لیا؟''

واحد نے اس کے آگے ہاتھ نچایا ادھر تو ساری نقابوں والی ہیں..... یار تو نے کیا دیکھ لیا ایسا۔

''ابھی ابھی اس نقاب کے پیچھے دے چاند نکلا تھا یار۔ مکمل چاند۔ جیسے چودھویں کا چاند چمکتا اور حسین چاند۔''

''یار یہ کالی چادر والی کون ہے پہلے تو گاؤں میں دکھائی نہیں دی کون ہے کہیں سے آئی ہیں؟

''ملک ایاز نے گل مینا کی جانب اشارہ کیا تھا۔

وہ لال شلوار والی یار اس بار ملک ایاز جھلا کر بولا تھا۔

''اوئے ملک جی پریشان نہ ہوں پتا کر کے بتا دوں گا کل۔''

ملک واحد نے تسلی دی اور سگریٹ کا آخری کش لگا کر ٹوٹا باہر کی طرف پھینک دیا تھا۔

''کل نہیں واحد آج..... آج ہی مجھے اس کا نام اور پتا چاہیے۔ آج ہی تو پتا کر کے مجھے بتا۔''

ملک ایاز کی بے تابی دیکھ کر واحد نے غور سے اسے دیکھا تھا۔

''لگتا ہے حسینہ کا جادو سر چڑھ گیا ہے سرکار کے ویسے تو منہ چھپائے تھی مگر ایک لمحے میں اس نے ہمارے یار کو پاگل کر دیا ہے پتا نہیں کون ہے کہاں سے آئی ہے اور ملک جی بے فضول پاگل ہوئے جا رہے ہو تسی۔''

واحد نے کہا تھا۔

''اوئے چپ کر..... بکواس نہ کر وہ جو بھی ہے جہاں سے بھی آئی ہے ہر قیمت پر میں اسے اپنانا چاہتا ہوں نجانے اس نے مجھ پر کیا جادو کر دیا ہے یار۔''

ملک ایاز بے بسی سے بولا تھا۔

''اچھا اچھا فکر نہ کرو ملک۔ میں اس کا پتا کر کے بتاتا ہوں۔ اپنے گاؤں کی ہے تو فیر کوئی مسئلہ ای نہیں ہے جی۔''

''اپنے گاؤں کی ہو یا کہیں کی بھی ہو مجھے ہر حال میں چاہیے۔''

ملک ایاز جھنجھلا کر سیٹ پر ہاتھ مار کر بولا تھا۔

''اچھا..... اچھا ملک جی تسلی رکھو۔''

واحد گھبرا گیا وہ اپنے دوست کی ضدی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا۔ جس چیز کی طرف دیکھ

لیتا اسے حاصل کر کے ہی رہتا چاہے اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے بچپن سے ہی وہ ایسا تھا ہر چیز اپنی مرضی اور پسند سے لیتا جس چیز پر انگلی رکھ دیتا وہ ہر صورت اس کی دسترس میں ہوتی وہ کوئی معمولی شخص تو تھا نہیں ملک اعجاز کا بیٹا تھا اور ملک اعجاز سارے گاؤں کا مالک و سردار تھا سب اس کے آگے ماتھا ٹیکنے تھے ملک ایاز پڑھائی کے لیے شہر گیا ہوا تھا وہاں کی رنگینیوں میں مست مگن اور خوب عیاشیاں کر کے دو دن پہلے ہی گاؤں واپس آیا تھا شہر میں بھی وہ اپنے روپے پیسے اور امارات کی وجہ سے بادشاہ بنا رہتا تھا خوبصورتی اس کی کمزوری تھی یہی وجہ تھی کہ شہر میں بھی اس کے آگے پیچھے خوبصورت لڑکیوں کا جھمگھٹا لگا رہتا تھا۔ وہ پڑھائی کم اور عیاشیاں زیادہ کرتا تھا ملک اعجاز نے بھی بیٹے کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی بچپن سے ہی اس کی تربیت ان اصولوں پر کی گئی تھی کہ وہ مالک ہیں ان غریبوں اور کمی کمینوں کی ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں وہ محض کیڑے مکوڑے ہیں جن کو سر اٹھا کر جینے کا کوئی حق نہیں اگر وہ سانس بھی لیتے ہیں تو ہماری اجازت سے لیتے ہیں ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والے یہ لوگ ہمارے غلام ہیں اور یہی تربیت بھرپور انداز میں اس کے وجود میں رچ گئی تھی وقت کے ساتھ ساتھ ملک ایاز مزید مغرور، ضدی، ہٹ دھرم اور عیاش ہو گیا تھا گاؤں میں میلہ لگا ہوا تھا اسے علم تھا کہ میلے میں گاؤں کی لڑکیاں ضرور آتی ہیں تب ہی وہ سہ پہر کو اپنے کزن اور دوست ملک واحد کے ساتھ جیپ میں سوار ہو کر میلے کی طرف آ گیا تھا چار سال پہلے جب وہ یہاں سے گیا تھا تب گاؤں کی وہ تمام لڑکیاں جو آج دوشیزاؤں کا روپ ڈھال چکی تھی گیارہ اور بارہ برس کی تھیں تب کی بچیوں اور آج کی دوشیزاؤں میں کافی فرق آ چکا تھا ویسے تو چھوٹا سا گاؤں تھا مگر اسے کون سا یاد تھا کہ گاؤں کے کس گھر میں کتنی بیٹیاں ہیں اور کون کس کی بیٹی ہے اور گل مینا تو ویسے بھی گھر سے کم ہی نکلتی تھی اور لوگ بھی اس کو مدتوں سے نہ دیکھ پائے تھے اس لیے ملک واحد کو بھی علم نہ تھا کہ یہ حمید اور بختاں کی بیٹی گل مینا ہے۔

"دیکھ اوئے میرا یہ کام تو نے ابھی کرنا ہے۔"

ملک واحد کو جیپ سے اترتے ہوئے دوبارہ یاد دلایا تھا۔

''ہاں ہاں ملک جی فکر نہ کرو میں اسی کام کے لیے جا رہا ہوں۔''

ملک واحد نے پر یقین لہجے میں کہا تھا ملک ایاز سر ہلا کر تھکے تھکے قدموں سے حویلی کے اندر داخل ہو گیا تھا۔

''سلام ماں جی۔''

سامنے ہی رنگین جھالروں والی نقشین چارپائی پر بیٹھی ملکانی کو دیکھ کر سلام کیا تھا۔

آ گیا میرا پتر کیسا لگا یہاں کا میلہ تجھے؟ شہر کی عادت ہو گئی ہے ناں پتر تجھے۔ ملکانی نے محبت سے کہا تو وہ خاموش سا ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''ہائے ربا میرا پتر کیسا کمزور ہو یا ہے پڑھ پڑھ کر شہر میں تو خالص کھانا بھی نہیں ملتا جا جا کر میرے پتر کے واسطے لسی بنا کر لا مکھن ڈال کر۔''

ملکانی نے پیر دباتی ملازمہ کو پیر سے ہی دھکا دے کر حکم دیا تھا۔

''اچھا ملکانی جی ابھی لائی۔''

ملازمہ سر پر دوپٹہ جماتی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ملک ایاز ماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔

''کیا ہوا ماں صدقے کچھ پریشان ہے کیا میرا پتر؟ ایسا اترا ہوا منہ لگ رہا ہے تیرا۔''

ملکانی نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا تھا۔

''نہیں جی بس ایویں ہی تھکن ہو گئی ہے۔''

وہ نظریں چرا کر بولا تھا۔

''اے ہے..... ایویں کی ایویں؟ اچھا بھلا گیا تھا واپسی میں منہ لٹک گیا ہے میرے پتر کا کہیں کسی جھپیٹے میں تو نہیں آ گیا ہائے ربا۔'' ملکانی نے ہول کر سینے پر ہاتھ مارا تھا۔

''اماں تو بھی پاگل ہوگئی ہے خواہ مخواہ فضول کی باتیں سوچتی ہے کہہ جو دیا کچھ نہیں ہے۔''

وہ جو پہلے ہی اجنبی حسینہ کی آنکھوں کے جنگل میں بھٹک رہا تھا اب ماں کی مسلسل تکرار پر بدتمیزی سے بولا۔ تب ہی ملازمہ لسی کا گلاس لے آئی تھی ملک ایاز نے ایک ہی گھونٹ میں گلاس خالی کر کے ملازمہ کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔

''ماں تو ہوتی ہی اگل ہے پتر اولاد کی شکل دیکھ کر سمجھ جاتی ہے۔'' ملکانی نے کہا تھا۔

''چاچی تیرا پتر کسی حسینہ کی محبت میں گرفتار ہوگیا ہے یہ کوئی جن بھوت کا یا جھپیٹے کا اثر نہیں بلکہ کسی حسینہ کی آنکھوں کا نشہ ہے جو اس کے دماغ پر چڑھ گیا ہے۔'' اسی لمحے ملک واحد کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''ہائے او میرے ربا کہاں دل لگا لیا میرے پتر نے میرے شیر نے۔'' ملکانی نے سینے پر ہاتھ مارا تھا۔

''ہمارے یہاں کے مرد کسی زنانے کے پیچھے یوں گم صم نہیں ہو جاتے۔ جس کو چاہتے ہیں اسے حاصل کر لیتے ہیں تو کیوں منہ لٹکا کر بیٹھا ہے۔ ملکانی نے پہلے تو ہول کر پھر رعونت سے کہا تھا۔

ارے بھئی کیا ہو گیا ہے کیا باتیں ہو رہی ہیں ماں بیٹے میں کون منہ لٹکا کر بیٹھا ہے یہاں؟''

ملک اعجاز کمرے میں داخل ہو کر بولا اور سامنے کرسی پر بیٹھ گیا اور اپنی گھنی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا پہلے ملکانی اور پھر ملک ایاز کی طرف دیکھا تھا۔

''پتا نہیں کون ہے؟ اپنے گاؤں کی تھی بھی یا نہیں مگر جو بھی ہے دیکھنے کی چیز ہے بابا۔ تم دیکھتے تو تم بھی پاگل ہو جاتے۔'' ملک ایاز کی بات پر ملکانی نے اسے گھور کر دیکھا جبکہ ملک اعجاز کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

''اوئے کون کے کہاں سے آئی ہے یہ پتا کرنا تیرا کام ہے۔ تو بنا پتا لگائے گھر میں آیا کیسے؟ یہ مردوں والی بات تو نہیں کی تو نے تو ملک اعجاز کا پتر ہے..... ملک اعجاز کا۔''

ملک اعجاز نے اپنے سینے کو ٹھونکتے ہوئے متکبرانہ لہجے میں کہا تھا۔

''اوئے چاچا تو کیا سمجھتا ہے مجھے اپنے یار کی پرواہ نہیں میں سب کچھ پتا کر کے آیا ہوں جی۔''

ملک واحد نے ملک ایاز کے برابر بیٹھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر آنکھ دبا کر شرارت سے کہا تھا۔

''ارے تو ھر بتانا اتنی دیر سے چپ کیوں ہے تو، تو مزا لے رہا ہے یہاں کھڑے ہو کر۔''

ملک ایاز نے بے تابی سے کہہ کر ملک واحد کے کندھے پر ہاتھ مارا تھا۔

''وہ حمیدے کی دھی ہے۔''

''حمیدے اور بختاں کی.....'' ملک ایاز نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

''ہاں جی۔'' واحد نے کہا۔

''وہ کل تک تو اتی سی تھی یار۔ اچانک سے ایسا رنگ روپ نکال لیا اس نے۔'' وہ پھر سے اس کے حسن میں کھو گیا تھا۔

''اوئے فرتے کوئی گل ای نہیں ہے اسے بھی لے آئیں گے تیرے لیے پتر لیکن یاد رکھنا اصل بہو تو تیرے چاچے کی بیٹی ہی بنے گی وہ ہمارے ملازم ہیں ان کو صرف چند دن استعمال کرنا فر بھلے طلاق دے کر چلتا کر دینا۔'' ملک اعجاز کے لہجے میں اطمینان اور رعونت تھی جیسے کے سارا گاؤں ان کی جاگیر ہو اور وہ جس کو جیسے چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔

''وہ کمی کمین اس گھر کی بہو بنے گی۔'' ملکائن کو شاید یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔

''اوئے جھلی نہ ہو تو کون سا ساری زندگی اس کو رکھنا ہے ہمیں۔ ہمارے بیٹے کی خوشی ہے تو تھوڑے دن اس کو خوش کر دیں گے۔''

ملک اعجاز نے مونچھوں کو سہلاتے ہوئے ملکانی کو دیکھ کر آنکھ دبا کر تسلی دی تو ملکانی سر ہلا کر چپ ہو گئی تھیں۔

''اوئے واحد تو کل جا کر حمیدے کو بول دینا کہ میرے پاس آئے میں نے کوئی بات کرنی ہے۔''

ملک اعجاز نے پلٹ کر واحد کو مخاطب کیا تھا۔

''اچھا چاچا۔'' ملک واحد بولا تھا۔

''اس کے تو بھاگ ہی کھل جائیں گے ملک صاحب۔'' ملکانی کے لہجے میں غرور تھا۔

''ہنہہ.....'' ملک اعجاز نے سر ہلا دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

آج صبح سے موسم بہت پیارا ہو رہا تھا ہلکی ہلکی بوندا باندی اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں نے اس خوبصورت سے گاؤں کی دلکشی میں مزید اضافہ کر دیا تھا گل مینا نے لمبی سانس لے کر کچے آنگن سے اٹھتی بارش کے پانی کے قطروں کی سوندھی خوشبو اندر اتاری۔ حمید صبح صبح کام پر چلا گیا تھا اچانک گل مینا کو احساس ہوا کہ بکری کے بچے تو صحن میں بندھے ہیں اور ان کا چارہ بھی کھلے آسمان تلے پڑا ہے۔ دوپٹا سر پر ڈال کر وہ جلدی سے اٹھی دوپہر میں حمید کھانا کھانے آتا کھانا کھا کر پھر واپس کام پر چلا جاتا تو وہ دونوں ماں بیٹی کچھ دیر کے لیے لیٹ جاتیں صبح نمازوں سے وقت سے جاگی ہوئی ہوتی تھیں۔ بکری کے بچوں کو گود میں اٹھا کر صحن میں بنے بانس کے چھپر کے نیچے باندھ دیا۔ ساتھ ہی چارہ بھی اٹھا کر چھپر کے نیچے لا کر رکھ دیا اور کٹورہ باپ کی جانب بڑھاتے ہوئے قدرے پریشان لہجے میں کہا تھا۔

''ارے دھیے ہم سے بھلا کیا شکایت ہوگی ان وڈے لوگوں کو۔ ہم تو کل بھی ان کے نوکر تھے آج بھی وہ ہمارے مالک ہیں ان کے سامنے بھلا کون کوئی گل بات کر سکتا ہے ہم نے ان کے حکم پر سر جھکانا ہے بس جو بولیں گے سر جھکا کر مان لینا ہے بھلا ہم سے کیا شکایت ہوگی ان لوگوں کو۔ ہم نے تو ان کا نمک کھایا ہے نمک حلال کرنا ہمارے خون میں شامل ہے۔ تم لوگ فکر نہ کرو۔''

چائے کا کٹورہ گل مینا کے ہاتھ سے لے کر حمید نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں لمبی چوڑی بات کی جلدی جلدی چائے کے گھونٹ لیے اور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اچھا بختاں ایک بات تو میں بھول ہی گیا۔ جمال دین آیا تھا کھیتوں پر وہ صغراں کے گھر گیا تھا کہہ رہا تھا صغراں ایک دو دن میں آ کر گل کے ویاہ کی تاریخ لے لے گی۔ یہ لے کچھ پیسے ہیں اس سے گل مینا کے لیے اچھا سا جوڑا لے کر آ جانا تاریخ میں پہنانے کو۔''

جاتے ہوئے حمید پلٹا اور کچھ ایسے بختاں کی جانب بڑھا کر اطلاع دے کر پلٹ گیا۔ گل مینا کچھ لمحے پہلے کی پریشانی بھول کر شہزاد کے سپنوں میں کھو گئی تھی۔ حمید ڈیرے پر چلا گیا تھا۔

بختاں خاصی پریشان تھی وہ جانتی تھی ملکوں کے پاس رحم نام کی کوئی چیز نہ تھی کسی سے کوئی کوتاہی ہو جاتی یا وہ ملکوں کو کچھ کہہ دیتا تو سمجھو اس کی شامت آ جاتی ملک اعجاز اور اس کے حالی موالی اس کو دل بھر کر مارتے اور طرح طرح کی سزائیں دیتے تھے۔ یہ سوچ کر بختاں کو ہول اٹھنے لگے تھے۔

''اماں رات کو کھانے کے لیے کیا پکانا ہے؟''

بختاں کو چپ بیٹھا دیکھ کر گل مینا بھی سمجھ گئی کہ وہ پریشان ہے تب ہی اس کا دھیان بٹانے کو پوچھ لیا تھا۔

''آلو کی بھجیا پکا لے ساتھ لہسن کی چٹنی بھی پیس لینا تیرے ابا نے کل بولا تھا۔''

بختاں نے کہا تو گل مینا چولہے پر آلو ابالنے کے لیے رکھنے چلی گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

ملک اعجاز کی بیٹھک پر حسب معمول اس کے رشتے دار اور خوشامدی جمع تھے۔ حمید بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔

''آؤ آؤ حمیدے۔'' حمید کو ہچکچاتا دیکھ کر ملک اعجاز نے آواز لگائی تھی۔

''سلام بڑے ملک صاحب آپ نے مجھے بلوایا ہے جی۔''

''وعلیکم السلام ہاں بھئی ہم نے تجھے بلوایا ہے تجھ سے کام تھا ہمیں۔'' ملک اعجاز نے کہا اور زمین

کی جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ حمید زمین پر ٹک گیا تھا۔

''جی ملک جی..... حکم کریں۔'' وہ ہاتھ جوڑے انکساری سے بولا تھا۔

''ہاہاہا حکم تو دینا ہمارا حق ہے حمیدے۔ ہماری بات ہی حکم ہوتی ہے۔'' ملک اعجاز کی بات پر آس پاس کے لوگوں نے بھی تائید میں قہقہہ لگایا تھا۔

''جی ملک جی..... حکم۔''

حمید شش و پنج میں تھا کچھ گھبراہٹ اور ڈر بھی تھا۔

''سنا ہے تیری دھی جوان ہوگئی ہے اس کا ویاہ شیاہ نہیں کرنا تو نے۔'' ملک اعجاز کی بات پر حمید چونکا تھا۔

''جی ملک جی کرنا ہے ویاہ بات لگا دی ہے بیوی کے بھانجے کے ساتھ ویاہ بھی ہونے والا ہے جی آپ کی مدد اور آپ کا کرم چاہیے سرکار۔''

حمید عاجزی سے ہاتھ جوڑ کر بولا تھا۔

''ہنہہ.....''

ملک اعجاز کے چہرے کا رنگ یکلخت بدلا اس نے گھنی مونچھوں کو تاؤ دیا ایک بھرپور نگاہ حمید کے ناتواں وجود پر ڈالی تھی۔

''مدد تو کرنا چاہتے ہیں ہم تیری.....'' لہجے میں غرور نمایاں تھا۔

''جی سرکار آپ لوگ ہمارے سائیں ہو ہمارے مالک ہو آپ لوگوں کی مدد اور دعا چاہیے ہم کو۔'' حمید ہاتھ جوڑے کہہ رہا تھا۔

''کب کر رہے ہو اپنی دھی کا ویاہ؟'' ملک اعجاز نے پوچھا تھا۔

''گھر والی کہہ رہی تھی اس بڑی عید کے چاند پر اس کی رخصتی کر دیں گے مولا کے کرم سے۔

''حمید بولا تھا۔

''ہنہہ .....'' ملک اعجاز نے پہلو بدل کر ہنکارا بھرا۔

''دیکھ حمیدے ہم تیرے بھاگ کھولنا چاہتے ہیں تیرا نام اونچا کرنا چاہتے ہیں تیری عزت بڑھانا چاہتے ہیں۔''

ملک نے کہا تھا۔

''جی مائی باپ میں سمجھا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہو؟ ہم تو کمی کمین لوگ ہیں ملک جی آپ کے غلام آپ کے پیروں کی جوتی۔'' وہ گڑگڑایا تھا۔

''بات یہ ہے کہ ہمارے ملک ایاز کو تیری دھی بھا گئی ہے اور چھوٹا ملک تیری دھی سے ویاہ کرنا چاہتا ہے۔'' ملک واحد نے لقمہ دیا تھا۔

''ہائیں ملک جی..... یہ کیا، یہ کیا کہہ رہے ہو آپ؟''

بے ساختہ حمید کھڑا ہو گیا تھا اسے لگا جیسے کسی نے اس کے سر پر بم دے مارا ہو۔

''ملک جی ہم چھوٹے لوگ ہیں جی بھلا آپ کے قابل کہاں ہماری دھیاں تو کچے آنگن اور ٹوٹے پھوٹے گھروں میں رہنے کی عادی ہیں ان سے آپ کی حویلی میں کہاں رہا جائے گا۔ ہمیں ایسے امتحان میں نہ ڈالو ملک جی ہم اس قابل نہیں ہیں ہم عاجز لوگ ہیں جی جھونپڑے میں رہنے والے روکھی سوکھی کھانے والے ہمارے بچے بھی ان کے عادی ہیں جی اور پھر میری دھی کی تو بات بھی پکی ہو گئی ہے ویاہ کی۔ میری گھر والی تیاریاں کر رہی ہے جی وہ بچپن کی منگ ہے اپنی خالہ کے گھر جانا ہے جی اس نے۔''

ملک اعجاز کی بات کا مطلب ملک واحد کی زبانی سن کر حمید کے پیروں تلے زمین نکل گئی اور وہ اٹھ کر عاجزی سے گڑگڑایا تھا۔

''اوئے منگ..... کیسی منگ کی مطلب ہے تیرا تو تو بڑے ملک صاحب کو انکاری ہے تو یہ کیا

بولے جا رہا ہے حمیدے؟"

اس بار پاس بیٹھے قدرے عمر رسیدہ کزن نے غصے سے حمید کو مخاطب کیا تھا۔

"جی نہ نہ توبہ توبہ میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ میری دھی کا ویاہ ہونے والا ہے۔" وہ گھگھیا رہا تھا۔

"اوئے چپ کر تو ویاہ ہونے والا ہے ہوا تے نئی ناں اور اگر ہو بھی جاتا تو ملک کے سامنے اس کی بھی کیا حیثیت تھی۔ چپ چاپ یہاں سے نکل اور جا کر اپنی بیٹی کے ویاہ کی تیاری کر کسی اور سے نہیں ہمارے بیٹے ملک ایاز سے آئی سمجھ یا سمجھاؤں تجھے اپنی زبان میں۔"

اس بار ملک اعجاز بولا تو لہجے میں واضح دھمکی تھی۔

"جی جی بڑے ملک صاحب سمجھ گیا مائی باپ۔"

حمید ہاتھ ملتے ہوئے چاروں طرف دیکھ رہا تھا سارے چہرے ایک جیسے تھے غرور اور تکبر میں ڈوبے ہوئے پیسے کے نشے میں دھت۔ کتنا بے بس اور مجبور تھا حمید اس وقت۔

"اوئے سن ..... جس تریخ کو تو نے شادی رکھی تھی اسی تریخ کو اپنی بیٹی کو لے کر آ جانا اس جا نکاح حویلی میں ہوگا۔ آئی سمجھ؟"

وہ جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ ایک بار پھر ملک اعجاز کی بھاری آواز پر ایک لمحے کے لئے رکا اثبات میں سر ہلا کر خاموشی سے باہر کل آیا تھا۔ کاندھے پر پڑے میلے رومال سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے گھر کی سمت چل دیا تھا۔

"ہائے ربا..... تو نے مجھے کس مشکل میں ڈال دیا ہے ملکوں نے کب کیسے اور کہاں دیکھ لیا گل مینا کو؟ وہ تو پردے میں رہتی ہے اور باہر بھی نہیں نکلتی۔ گل مینا اور شہزاد بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ رہے۔ کتنا پیار ہے ان دونوں میں وہ دونوں تو بچھڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتے اور جب دونوں کا

ویاہ ہونے جا رہا ہے تو یہ کیسا امتحان ہے میرے مالک؟ مجھے کیسے عذاب میں مبتلا کر دیا ہے ملکوں نے۔ بات نہ مانوں تو زندگی اجیرن اور اگر بات مان لوں تو میری دھی کے ساتھ ظلم لگتا تھا سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں ختم ہو چکی ہیں۔"

دماغ ماؤف ہو رہا تھا سوچیں مفلوج ہو رہی تھیں وہ مری مری چال چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا تب کسی نے پیچھے سے کندھے پر ہاتھ رکھا تو حمید خیالات سے چونکا جمال دین تھا۔

"کیا ہوا حمیدے؟ پریشان لگ رہا ہے میں نے آواز بھی دی تو نے سنی نہیں سب خیر تو ہے ناں؟ کہاں سے آ رہا ہے اس وقت؟"

جمال دین نے ایک سانس میں کئی سوال کر دیے اور اس کے حواس باختہ چہرے کو غور سے دیکھا۔

جمال دین حمیدے کا بچپن کا یار تھا وہ اکیلا رہتا تھا اس کے ماں باپ فوت ہو چکے تھے تب حمیدے کے ماں باپ نے اس کا خیال رکھا تھا وہ حمید کا بھائی کی طرح خیال رکھتا تھا۔ شادی بھی نہیں کی تھی اور اس کے پڑوس میں ہی رہتا تھا۔ کچھ عرصہ وہ شہر بھی گیا تھا مگر پھر گاؤں لوٹ آیا تھا۔ حمید نے ملکوں کی ساری بات اس کو بتا دی تھی۔

"یہ تو بہت مشکل ہو جائے گی حمیدے ادھر صغراں بھی تیاری کر رہی ہے شہزاد بھی اس بار کہہ کر گیا ہے کہ مہینہ دو مہینہ بعد آئے گا شادی کے لیے پیسے جمع کر رہا ہے۔"

"یہی تو سوچ رہا ہوں جمالے کے کیسے سامنا کروں گا بختاں، گل بینا اور صغراں کا کیا بتاؤں گا ان کو کہ ملک نے کیا کہا ہے مجھے۔"

وہ جمالے کے سامنے رو دیا تھا۔

"چل گھر چل کچھ سوچتے ہیں تو ابھی گھر چل کر آرام کر تیرا چہرہ دیکھ کر بہت دکھ ہو رہا ہے حمیدے۔"

جمال کو اس پر ترس آ رہا تھا گھر آ گیا تھا حمید گھر میں داخل ہو گیا تھا۔

''ابا تو کہاں چلا گیا تھا میں نے روٹیاں بھی پکا لیں۔'' بجھیا بھی ٹھنڈی ہو گئی۔

اسے دیکھ کر گل مینا نے کہا اور اس کے پاس آ گئی تھی۔

''کیا ہوا حمیدے خیر تو ہے..... کیا ملکوں نے مارا ہے تجھے؟'' حمید کا ہونق چہرہ دیکھ کر بختاں بھی پریشان ہو کر قریب آ گئی تھی۔

''ایک گلاس پانی پلا دے مینا کی ماں۔ وہ تھکا تھکا سا چارپائی پر ڈھے گیا تھا۔''

اس کی پیشانی عرق آلود تھی چہرے پر بے چینی نمایاں تھی اس کی آنکھوں میں اداسی تھی۔ گل مینا بھاگ کر مٹکے سے کٹورہ بھر کر پانی لے آئی تھی۔

''یہ لے پی لے حمیدے کچھ تو بول کیا ہوا ہے کیوں پریشان ہو رہا ہے تو میرا کلیجہ منہ کو آنے لگا ہے سب خیر تو ہے ناں؟'' پانی کا کٹورہ حمید کے کانپتے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے بختاں مسلسل بول رہی تھی۔

''مینا کی ماں بڑے ملک صاحب نے ہمیں بڑے امتحان میں ڈال دیا ہے کاش وہ میری جان لے لیتا میری ہڈیاں توڑ دیتا مجھے چوراہے پر کھڑا کر کے جوتوں کے ہار پہنا دیتا مگر..... اس نے میری دھی کی خواہشات کی قیمت لگا دی میری دھی کے ارمانوں کو اپنی دولت کے ترازو میں تولنے لگا ہے اس نے قیمت لگائی بھی تو کیا لگائی اس نے اپنے بیٹے کا نکاح گل مینا سے کرنے کی بات کی ہے۔''

حمید کہتے ہوئے رو پڑا تھا۔

''ہائے حمیدے یہ کیا کہہ رہا ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے اس نے ہماری گل مینا کو کہاں دیکھ لیا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔'' بختاں سینے پر ہاتھ مار کر باقاعدہ بین کرنے لگی تھی۔

''ہائے ربا یہ کیا ہو گیا؟''

گل مینا بری طرح لڑکھڑائی اور پلنگ پر گرنے کے انداز سے بیٹھ گئی۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تو نے.....تو نے بتانا تھا کے اس کا ویاہ ہونے والا ہے وہ کسی اور کج منگ ہے.....'' بختاں سنبھل کر بولی تھی۔

''بولا تھا میں نے مگر.....'' وہ بے چارگی سے ہونٹ کاٹ کر رہ گیا تھا۔

''مگر.....مگر کیا ابا؟''

گل مینا تیزی سے اٹھ کر حمید کے پاس آئی تھی۔اس کی نظروں میں شہزاد کا سراپا گھوم گیا تھا۔

''مگر.....مگر یہ بڑے لوگ جواب کہاں مانگتے ہیں دھیے۔ یہ تو حکم دیتے ہیں بس۔اس نے بھی مجھے حکم دیا ہے۔''

حمید بے چارگی سے بولا تھا۔

''نہیں ابا.....ایسا ہرگز نہیں ہوگا میں نے کسی اور سے ویاہ نہیں کرنا۔'' مینا تڑپ کر بولی۔

''حمیدے تو جانتا ہے ان کو یہ لوگ ہمیں عزت دے سکتے ہیں کیا؟ چار دن کا شوق ہوگا پھر ہماری گل مینا کو نوکرانی سے بدتر حالت میں چھوڑ دیں گے اس پر زندگی تنگ کر دی جائے گی۔ ہماری بچی ہم سے بھی نہیں مل سکے گی حمیدے۔''

بختاں باقاعدہ رونے لگی تھی۔

''سب جانتا ہوں نیک بخت مگر کیا کروں تو بتا کے میں کیا کروں؟ بوڑھا کمزور اور ناتواں انسان اکیلا کس طرح سے ان کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ان سے مقابلہ کرسکتا ہوں کیا میں؟ وہ لوگ ہم ہر زندگی تنگ کر دیں گے۔ ہماری بیٹی کی عزت محفوظ نہ رہ سکے گی ان سے ٹکر لینا ہمارے بس میں نہیں ہے گل مینا کی ماں میں کیا کروں تو بتا دے؟''

''مگر شہزاد کا کیا ہوگا حمیدے وہ تو جلدی لوٹے گا بھی نہیں وہ تو مر جائے گا اتنا پیار کرتا ہے ہماری گل مینا سے وہ۔گل مینا بھی مر جائے گی حمیدے۔''

بختاں مسلسل رو رہی تھی۔

''ابا میں مر جاؤں گی مگر ملک سے شادی نہیں کروں گی۔''

گل مینا روتے ہوئے فیصلہ سنا کر اندر کمرے کی طرف بھاگ گئی تھی۔

بختاں اسے دیکھ کر ایک بار پھر رو پڑی۔

''ہائے ربا..... یہ کیا ہو گیا۔ کس کی نظر لگ گئی ہماری دھی کی خوشیوں کو۔ یہ آگ لگانے کون آ گیا ہم بے بس مجبور لوگ کریں بھی تو کیا کریں؟ قانون بھی ان کا، فیصلے بھی ان کے، عدالتیں بھی ان کی سب کچھ ان بڑے لوگوں کے ہاتھ میں ہے غریبوں کے ہاتھ میں تو سوائے عزت کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا اس عزت کو بچانے کے لیے سو جتن کرتے رہتے ہیں۔''

تب ہی دروازے پر دستک ہوئی اور جمال دین آ گیا۔ اندر کا ماحول اس کی سوچوں کے مطابق تھا وہ سلام کر کے وہیں چارپائی پر ٹک گیا تھا۔

''جمال دین میرے ویر ہم کس مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔''

بختاں نے دوپٹے سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے جمال دین کو مخاطب کیا تھا۔ جمال دین نے سر ہلایا وہ خود بھی اس افتاد سے پریشان تھا۔

''میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے حمیدے اگر تو بولے تو بتاؤں۔'' کچھ دیر بعد جمال دین نے کہا تھا۔

''بول جمالے میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ کیا کروں کیا نہ کروں۔'' حمیدے نے سر پکڑ کر کہا تھا۔

''حمیدے تو بھابھی اور گل مینا کو لے کر رات کو چپکے سے شہر نکل جا۔''

جمالے کی بات پر حمید سمیت بختاں بھی اچھل پڑی تھی۔

''پاگل ہو گیا ہے تو یہ کیا بک رہا ہے یہاں گھر بار ہے میرا ہے کام شہر میں کون ہے ہمارا جو یوں

جوان جہان بیٹی کو لے کر نکل جائیں ہم چلے جائیں گے تو پیچھے صغراں اور ستارہ رہ جائیں گے ابھی شہزاد کا بھی آنے کا کوئی پتا نہیں یوں اسے ملے بنا بتائے بنا کیسے۔ بات بن سکتی ہے۔ جمالے تو نے بھی بچوں والی بات بولی ہے۔"

حمید جو پہلے ہی بہت پریشان تھا جمالے کی بات پر اسے غصہ آ گیا تھا۔

"میں نے سوچ سمجھ کر ہی گل کی اے حمیدے مجھے بھی تیرے سب حالات کا پتا ہے تو کیا سمجھتا ہے میں انجان ہوں تیری پریشانیوں سے۔"

جمالے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"اللہ بڑا سائیں ہے مجھے یاد آیا کہ جب میں شہر رہتا تھا تو میرا یار تھا رفیق احمد اس کا پتا کہیں رکھا ہوگا میں جا کر ڈھونڈتا ہوں۔ وہاں اس سے مل لینا وہ تیرے کام آئے گا بڑا بھلا بندہ ہے وہ۔" جمال دین نے کہا۔

"ارے تو فر وہی بول رہا ہے ہم چلے جائیں گے تو پیچھے صغراں کا کیا ہوگا۔ اس بار بختاں بولی تھی۔ میں ہوں نا یہاں پر میں خیال رکھوں گا بختاں جیسے تو میری بھابھی ہے صغراں بھی میری بہن جیسی ہے۔ جب شہزاد آئے گا تو فر وہ لوگ تو شہر جانے ای والے تھے ناں ہماری گل مینا کے ویاہ کے بعد۔ وہ لوگ تجھ سے وہیں مل لیں گے۔"

"مگر..... مگر جمالے یہ ملک کے لوگ بہت برے ہیں۔ ان کو پتا چل گیا تو شہر تک ہمارا پیچھا نہ چھوڑیں گے۔" بختاں نے ہول کر کہا تھا۔

"شہر بہت بڑا ہے بھرجائی ہر کسی کو اپنے اندر چھپا لیتا ہے وہاں کسی کو ڈھونڈنا اتنا آسان نہیں ہوتا فر رفیق احمد ہے ناں وہ تم لوگوں کی مدد کر دے گا وہ یاروں کا یار بڑا چنگ بندہ ہے جی تم لوگ بس دل وڈا کر کے تیاری کرو رب سب اچھا کرے گا۔"

''میں نے ایک گل سوچی ہے حمیدے۔'' بختاں نے کچھ دیر بعد حمیدے کو مخاطب کیا تھا۔

''کیا؟'' حمید نے سر اٹھا کر اس کو دیکھا۔

''دیکھ میں جا کر ملکانی جی سے بات کرتی ہوں وہ بھی ماں ہے ماں کے دل کی حالت جان سکدی ہے میں اس سے عاجزی کروں گی اس کے ہاؤں پجڑ کر منتیں کروں گی کے رب کے واسطے ہمیں معاف کردے ہمیں بخش دے ہم لوگ یہ گاؤں چھوڑ کر کسی دوسرے گاؤں جا بسیں گے ہمارے حالوں پر رحم کردے ہم غریب لوگ ہیں شاید وہ میری بات سمجھ لے اور اپنے پتر کو سمجھا لے۔''

''اوجھلی ہوگئی ہے تو وہ لوگ سمجھنے والے نہیں ہیں ضدی اور حاکم لوگ ہیں وہ۔'' حمیدے نے اس کی بات کو قطعی رد کرتے ہوئے کہا تھا۔

''حمیدے بھرجائی ٹھیک کہتی ہے وہ جا کر ملکوں سے نہیں ایک بار ملکانی سے بات کرلے شاید رب کوئی حل نکال دے۔''

جمال دین نے کہا تو حمیدے سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں حد درجہ مایوسی تھی۔

''اچھا میں چلتا ہوں۔'' جمال دین حمیدے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے اٹھتا ہوا بولا۔

''چل تو بھی روٹی کھالے یوں نہ کھانے پینے اور سوچتے رہنے سے کچھ نہیں ہوگا حمیدے رب پر بھروسہ رکھ اس نے مشکل کردی ہے وہی نکالے گا دیکھ ہماری گل مینا کیسی چپ ہو کر رہ گئی ہے۔''

جمال دین کی بات پر حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر سر ہلا کر کمرے کی طرف دیکھا جہاں گل مینا بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔

''تجھے کتنی بار کہا تھا کمبخت کے باہر مت نکلا کر مگر سمجھ نہ آئی تھی نا میری بات میں ماں تھی تیری میرا دل کانپتا تھا ڈرتا تھا تجھ کو لے کر کتنی پریشان رہتی تھی میں کتنا سمجھایا تھا تجھے بڑا شوق تھا تجھے باہر نکلنے کا کہتی بھی تھی کہ جن بھوت چمٹ جائیں گے دیکھ آگئی ناں مصیبت۔ لگ گئی ناں بلا چمٹ گیا ناں جن تجھے اری

اصل جن بھوت کا تو کاٹ بھی ہے مگر ایسے لوگوں سے کیسے بچے گی؟ کون چھٹکارہ دلائے گا ان بلاؤں سے تجھے؟"

بختاں کو کچھ نہ سوجھی تو کمرے میں جا کر گل مینا کو کوسنے دینا شروع کر دیئے تھے۔

"اری نیک بخت کیوں مارتی ہے اس کو۔ وہ خود مر رہی ہے یہ تو رب سائیں کی مرضی کہ کسی کو حسن دے کر آزماتا ہے کسی کو دولت، غرور اور حاکم بنا دیتا ہے۔"

گل مینا چادر میں منہ چھپا کر سسکنے لگی تھی۔

"اماں..... شہزاد کو کون بتائے گا وہ تو ابھی آئے گا بھی نہیں اس کا کیا حال ہوگا اماں؟ میں مر جاؤں گی۔"

گل مینا کا لہجہ دردناک تھا بختاں اس کو سینے سے بھینچ کر خود بھی رونے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

"اے مائی کون ہے تو کہاں جا رہی ہے؟" بلند و بالا حویلی کے دروازے پر پہنچی تو بختاں کو دیکھ کر ایک بڑی بڑی مونچھوں والے آدمی نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"مجھے ملکائن سے ملنا ہے۔" بختاں نے کہا تھا۔

"اچھا جا۔ اندر چلی جا۔"

آدمی نے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے اجازت دی وہ اندر آ گئی اور ایک نوکرانی کی معیت میں ملکانی تک پہنچی اونچی مسہری پر ملکانی بیٹھی تھی اس کے پیروں کی مالش کرنے والی بوڑھی عورت اس کے قدموں میں بیٹھی تھی ملکانی نے اسے دیکھا تو سوالیہ نظروں سے ساتھ لانے والی نوکرانی کو دیکھا۔

"سلام ملکانی جی۔" بختاں نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام نمو یہ کون ہے اور ایسے کیوں چلی آئی؟"

ملکانی نوکرانی سے مخاطب تھی۔

''ملکانی جی میں۔ میں حمیدے کی گھر والی ہوں جی گل مینا کی ماں۔'' بختاں نے تعارف کروایا حالانکہ ملکانی اس کو جانتی تھی مگر کافی دنوں سے سامنا نہیں ہوا تھا۔

''اوہ اچھا..... اچھا تو ہے گل مینا کی ماں۔''

''بول کیسے آئی ہے؟ پیسوں کی ضرورت ہے ویاہ کے لیے۔ ملکانی کے لہجے سے غرور ٹپک رہا تھا۔

نا جی نا..... بڑی مہربانی ہے جی آپ تو ہمارے ان داتا ہو جی۔ میں تو آپ سے ایک فریاد کرنے آئی ہوں جی۔''

وہ ہاتھ جوڑ کر عاجزانہ لہجے میں بولی اور مسہری کے نیچے بیٹھ گئی۔

''اب کیا فریاد کرنی ہے تجھے تیری بیٹی کے لیے حویلی کا دروازہ کھل گیا۔ اس کو اپنے برابر کی جگہ دے دی اب کیا فریاد باقی ہے۔ ہیں تو بھی حویلی میں پناہ چاہتی ہے کیا؟ تو سن لے یہ تیری بھول ہے اگر تیری بیٹی کا حسن یوں میرے پتر پر جادو نہ کرتا تو وہ بھی وہیں پڑی ہوتی۔''

''نا جی نا..... ایسی بات نہیں ہے سرکار رب دا واسطہ ہے میری دھی کو بکش دو جی وہ کسی اور کی منگ ہے وہ مر جائے گی سرکار میری ک ای اک دھی ہے سرکار بڑی منتوں والی ہے آپ بھی تو ماں ہو ناں جی آپ تو دھی کے دکھاں جانتی ہو رب دا واسطہ ملکانی جی ہم یہ گاؤں چھوڑ کر دور چلے جائیں گے جی بہت دور ہمیں معافی دے دو ملکانی جی۔ بختاں دونوں ہاتھ جوڑے ملکانی کے سامنے گڑگڑا رہی تھی۔''

''یہ..... یہ کیا بک رہی ہے تو کیا بکے جا رہی ہے تیری یہ اوقات کہ تو ملکوں کو سمجھائے۔''

یکا یک ملکانی کے چہرے کا رنگ بدلا وہ شدت جذبات سے کھڑی ہوئی اور گرج کر بولی تھی۔

''نا جی نا..... میری توبہ توبہ جی میں ایسا نہیں کر رہی میں تو میں تو فریاد لے کر آئی ہوں جی۔ ملکانی قسم رب دی۔''

بختاں کا پورا وجود ڈر کے مارے لرزنے لگا وہ بھی کھڑی ہوگئی ہو اور ہاتھ بدستور جوڑ کر ملکانی کے قریب آ گئی تھی۔

''تیری یہ اوقات تیری یہ حیثیت کے تو ہمارے سامنے بولے ملکانی کے سامنے بک بک کرے.....

ارے تم گندی نالی کے کیڑے مکوڑوں تمہیں تو ہمارے پیروں میں سر رکھ کر جینا چاہیے کہ تیری دھی کو نکاح کر کے لا رہے ہیں ورنہ تیری اوقات تھی کیا کہ میرا پتر اسے اٹھا کر لاتا اس کی عزت پامال کر دیتا تیری ہمت کیسے ہوئی کہ ایسی بات کرے ہمارے سامنے ملکوں کے سامنے انکاری ہو اب تو بھی دیکھ۔ سب کے سامنے تیری دھی کا وہ حشر کرواؤں گی کہ تیرے سات جنم یاد رکھیں گے اکی اک دھی ہے ناں تیری۔ روتی رہنا ساری جند اس کی زندہ لاش پر۔ نہ تو زمانے میں جینے کے قابل رہے گی نہ تیری دھی۔ بہت مان ہے ناں تجھے بہت بھاؤ دکھا رہی ہے ناں دھی کی خوبصورتی کی دیکھ لینا کیسے اس کی خوبصورتی کو بدصورتی میں بدلواتی ہوں تم لوگ اس قابل تھے ہی نہیں کہ شرافت کی زبان سمجھتے بختاں تو نے یہ بات کر کے ملکانی کو ہی نہیں ملکوں کو بے عزت کر دیا ہے اور ملک اپنی عزت کے پیچھے جان لیتے بھی ہیں اور نسلیں تباہ بھی کر دیتے ہیں اب تو بھی دیکھ کے ملک کیا کرتے ہیں تیرے خاندان کے ساتھ۔''

ملکانی کا چہرہ غم و غصے کی شدت سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا اس کی زبان سے شعلے نکل رہے تھے اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ بختاں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

''رب دا واسطہ ملکانی جی مجھے معاف کر دو آپ لوگ ہمارے سرکار ہو جی ہمارے مائی باپ میری توبہ میرے باپ کی توبہ غلطی ہوگئی سرکار معاف کر دو سرکار ہم ہمارے ماں باپ آپ لوگوں کے نوکر ہیں جی آپ لوگوں کا دیا کھانے والے بہت بڑی غلطی ہوگئی جی آپ جو کریں جیسا کریں ہمیں منظور ہے جی ہم ادنیٰ ہم بھلا آپ سے ٹکر کیسے لے سکتے ہیں۔ مجھے معاف کر دو ملکانی مجھے معاف کر دو۔''

بختاں ملکانی کے قدموں میں گر کر رو رو کر دہائیاں دینے لگی ملکانی کا غیض وغضب اور غصہ اس وقت عروج پر تھا اور بختاں قدموں میں پڑی گڑگڑا رہی تھی ہاتھ جوڑ کر اپنی غلطی کی معافی مانگ رہی تھی۔

اگر اس وقت ملک اعجاز ہوتا تو تیری ہڈیاں توڑ کر رکھ دیتا جانتی ہے ناں اس کے غصے کو۔

ملکانی نے بختاں کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا تھا۔

''جی.....رب دا واسطہ ملکانی بڑے ملک جی کو کچھ نہ بولنا جی۔ مجھے معافی دے دو۔''

بختاں سر اٹھا کر دوبارہ گڑگڑائی۔ ایک نوکرانی دوڑ کر ٹھنڈے پانی سے بھرا کٹورہ لے آئی اور ملکانی کی طرف بڑھایا

ملکانی نے نفرت بھری نگاہ بختاں پر ڈالی اور مسہری پر بیٹھ کر پانی پینے لگی۔ بختاں بدستور کانپتی ہوئی ہاتھ جوڑے سر جھکائے قدموں میں بیٹھی تھی۔

''سن.....'' ملکانی نے پانی پی کر پیر سے ٹھوکر مار کر بختاں کو مخاطب کیا تھا۔

''جی.....جی حکم ملکانی۔'' بختاں دوپٹے سے آنکھیں صاف کر کے جلدی سے بولی تھی۔

''پہلے تو تجھے وقت دیا تھا نا اب یہ سن لے کہ کل ہی کل تیری دھی کو حویلی میں لے آؤں گی اور۔'' وہ ایک لمحے کو رکی۔

''اور.....اور۔'' بختاں نے آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا۔

''اور.....اس کا نکاح کروں گی وہ یہیں رہے گی اور کل کے بعد نہ تو اپنی دھی سے مل پائے گی اور نہ تیرا گھر والا اس سے رشتہ ختم ہو جائے گا اگر وہ میرے پتر کی ضد نہ ہوتی تو اس کا انجام زمانہ دیکھتا مگر تیری سزا یہی ہے کہ تیرا رشتہ اس سے ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ جا اور جا کر اپنے گھر والے کو بتا دے یہ ہمارا فیصلہ ہے۔''

ملکانی کے فیصلے پر بختاں تڑپ اٹھی تھی۔

''ملکانی رحم۔''

''اگر ایک لفظ بھی نکالا تو ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا اپنی منحوس شکل لے کر یہاں سے نکل جا اور کبھی مجھے نظر مت آنا نذیراں اس کو باہر نکالو اور ابھی میرے کمرے میں کوئی نہ آئے۔''

ملکانی نے فیصلہ سنایا تھا بختاں تڑپتی، بلکتی اور سسکتی گھر لوٹ آئی تھی۔

بختاں نے گل مینا کو ایک لمحہ غور سے دیکھا اور اسے سینے سے بھینچ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ یہ کیسا انصاف تھا؟ یہ کیسا فیصلہ تھا؟ غریب اور بے بس لوگ ہی کیوں عتاب کا نشانہ بنتے ہیں؟ با اختیار اور صاحب حیثیت لوگ جیسے اور جس طرح چاہیں اپنے اختیارات اور اپنے نام کا استعمال کر لیتے ہیں پستے ہمیشہ غریب ہی ہیں یہ کیسا فیصلہ تھا وہ کیسی ماں تھی جو اولاد اور ماں کو جدا کرنے کا فیصلہ سنا کر مطمئن تھی۔

''ربا ہم غریبوں پر رحم کھا ہم تیرے عاجز، مسکین بندے ہیں نہ ہم طاقتور ہیں نہ ہمارے پاس کوئی دوسرا راستہ ہے ہمارے حال پر رحم کر میرے ربا۔''

دونوں ماں بیٹی حالات سے شکوہ کناں تھیں۔ تب ہی حمید بھی آ گیا تھا اس کے ساتھ جمال دین بھی تھا حمید نے سنا تو وہ بھی مزید پریشان ہو گیا تھا۔

''میں نے تجھے منع بھی کیا تھا بختاں نہ جا وہاں پر دیکھ لی ان کی مہربانی تو نے۔''

وہ الٹا بختاں پر برس پڑا تھا۔

بختاں بیچاری تو فریادی بن کر گئی تھی کہ شاید ایک عورت کو عورت پر رحم آ جائے مگر اس حویلی کی اونچی اونچی دیواروں کے درمیان بسنے والے لوگوں میں نا ممتا کا جذبہ تھا اور نا انسانیت وہ تو دولت کے نشے میں غرور میں ڈوبے ہوئے لوگ تھے اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے نا آشنا ان کا حکم تھا کہ وہ جو کہیں اس پر سر جھکا کر عمل کرنا ہے۔

گل مینا خود اس منحوس گھڑی کو کوس رہی تھی کہ جب ملک ایاز کی آوارہ نظروں کی زد میں آئی تھی

ادھر شہزاد کے بارے میں سوچ سوچ کر اس کا دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا بس آج آج کی رات تھی کل اس کے نصیب کا فیصلہ ہونے جا رہا تھا شہزاد میلوں دور بیٹھا تھا اس کو تو حالات کا پتا ہی نہ تھا۔ ادھر صغراں الگ ہریشان تھی اسے بھی سارے حالات کا علم ہو چکا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے ننھی ستارہ بالکل گم صم ہو گئی تھی وہ تو اپنے ویر کی شادی کو لے کر کتنی خوش تھی۔

''دیکھ حمیدے میں نے صغراں سے بات کر لی ہے اس کو سب کچھ سمجھا دیا ہے بہتر یہی ہے کہ تو رات کو یہاں سے نکل جا آج رات کو ویسے بھی حویلی میں ملک واحد کے ہاں پتر ہونے کی خوشی میں ناچ گانے کی محفل ہو گی سارے لوگ وہاں مست ہوں گے اس لیے تم لوگوں کو نکلنے کا موقع بھی مل جائے گا خاموشی سے ضروری سامان سمیٹ کر تیاری کر لے میں نے رفیق احمد کا پتا ڈھونڈ کر نکال لیا ہے یہ لے۔''

جمال دین نے جیب سے ایک تڑا مڑا کاغذ حمید کی جانب بڑھا کر کہا تھا۔

''جمالے..... ایسے کیسے نکل جائیں ہم اگر ملک اعجاز کو خبر ہو گئی تو وہ ہمیں کتوں کے آگے ڈال دے گا۔''

حمید نے کاغذ ہاتھ میں لیتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں کہا تھا۔

''سوچ لے حمیدے تیرے لیے میں ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔ تیرا نمک کھایا ہے یار تیری ماں نے سدا مجھے بیٹا بنا کر رکھا تھا میں تیرے بھلے کی ہی سوچوں گا آگے تیری مرضی جو تو کرے گا میں ساتھ رہوں گا تیرے جو مجھ سے ہو سکے گا کروں گا۔''

جمال دین نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پر یقین لہجے میں کہا تھا۔

''یارا..... میں جانتا ہوں تو میرے بھائی جیسا ہے جمالے مگر شہزاد آنے والا ہے اور پیچھے صغراں کیسے کلی رہے گی۔'' حمید پریشان لہجے میں بولا۔

''تو فکر نہ کر تو بس اس پتے پر پہنچ جا میں یہاں دیکھ لوں گا بہن صغراں کا خیال رکھوں گا جیسے ہی

شہزاد آئے گا اسے سب کچھ سمجھا کر تیرے پاس شہر بھیج دوں گا تو فکر نہ کر حمیدے شہزاد تو شہر کے راستے جانتا ہے کیا پتا کہ وہ رفیق احمد جس محلے میں رہتا ہے وہ بھی دیکھ رکھا ہو۔"

جمال دین نے سمجھانے والے انداز میں کہا تو حمید نے بختاں کی جانب دیکھا تھا۔

"ابا..... رب دا واسطہ ہے یہاں سے نکل چل ورنہ میں مر جاؤں گی اب۔ ویسے بھی اگر بھاگتے ہوئے مری تو بھی ماری جاؤں گی اور نہیں تو کل حویلی میں قید ہو کر تم سب سے بچھڑ کر مر جاؤں گی۔ ابا میں شہزاد کے سوا کسی سے ویاہ نہیں کر سکتی ابا میں مر جاؤں گی مر جاؤں گی۔"

گل مینا جو ابھی تک صرف رو رہی تھی حمیدے کے قدموں میں بیٹھ کر ہذیانی انداز میں اس کے پیر تھام کر بری طرح رو پڑی حمیدے نے آگے بڑھ کر گل مینا کو اٹھایا اور سینے سے لگا کر خود بھی سسک پڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

رات بے حد اندھیری اور خوفناک تھی۔ رات کے سائے پوری طرح پھیل چکے تھے۔ ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ بس حویلی میں آج جشن منایا جا رہا تھا ملک واحد کے ہاں شادی کے چار سال بعد بیٹا ہوا تھا حویلی میں شراب اور شباب کی محفل عروج پر تھی شہر سے ناچنے گانے والیاں آئی ہوئی تھیں۔

گھر میں تھا ہی کیا دو چار پائیاں چند برتن ایک صندوق اور چند جوڑے کپڑوں کے علاوہ بختاں نے کپڑوں کی گٹھڑی باندھی جمال دین نے کچھ روپے حمید کو تھما دیے بختاں کو بے تحاشا رونا آ رہا تھا یہ چھوٹا سا گھر جس جو بختاں نے اپنی حیثیت کے مطابق سجا سنوار کر رکھا تھا چھوٹا سا صحن اور صحن میں گل مینا نے چلنا سیکھا چھپر کے نیچے بندھے بکری کے بچے اس گاؤں میں بختاں نے بچپن گزارا تھا۔ یہیں شادی ہو کر حمیدے کے گھر آئی۔ سوچا بھی نہ تھا کہ محبت سے بسایا ہنستا بستا گھر یوں اجاڑ کر راتوں رات چوروں کی طرح بھاگنا پڑے گا۔ جب رات گہری ہو گئی اور چھوٹے چھوٹے گھروں میں روشنیاں اندھیرے میں تبدیل ہو گئیں۔ گاؤں کے محنت کش اور دن بھر کام کرنے والے تھک کر نیند کی آغوش میں چلے گئے

تب ہاتھوں میں ایک ایک گٹھڑی سنبھالے یہ تین نفوس دبے پاؤں گھر سے نکلے۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازوں سے ماحول میں کچھ دیر کے لیے عجیب سا خوف زدہ احساس ہوتا پھر خاموشی ہو جاتی۔

''اماں..... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ ہم خیر سے نکل جائیں گے ناں؟''

گل مینا کا ننھا سا دل خوف سے بری طرح دھڑک رہا تھا۔ یہی حال بختاں اور حمیدے کا تھا۔

''اماں ابا اندھیرا بہت ہے ہم کیسے جائیں گے؟''

گل مینا وسوسوں کا شکار تھی۔

''تیرے ابے کو سارے راستے پتا ہیں پتر فکر نہ کر بس خاموش رہنا اب آگے کچھ نہ بولنا۔ خاموشی کے ساتھ چلتی رہنا۔''

بختاں نے خوفزدہ لہجے میں اسے تنبیہہ کی اور پہلے حمیدے اس کے پیچھے بختاں اور بختاں کا ہاتھ تھامے گل مینا خاموشی سے گلی عبور کر کے پگڈنڈی تک آ گئے۔ کوئی آدم یا آدم زاد نا تھے وہ لوگ گو کہ خوفزدہ تھے مگر یہ اطمینان تھا کہ کھیتوں میں چلے گئے تو نکلنے میں آسانی ہو جائے گی لمبی لمبی فصلوں کا سہارا لے کر آگے بڑھتے جائیں گے وہاں سے سیدھی طرف لمبا چل کر کچی سڑک آ جاتی تو پھر آگے بھاگنے میں آسانی ہو جاتی۔

سیاہ رات پر ہول سناٹا اور خوف زدہ نفوس وہ لوگ کھیتوں میں داخل ہو چکے تھے مگر ابھی بھی کافی لمبا راستہ طے کرنا تھا سو دبے پاؤں چلتے چلتے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے سانس کی آواز بھی بھاری ہو۔ کہیں سانس کی آواز سن کر آس پاس سے کوئی نہ نکل آئے۔

کھیتوں کے دوسری طرف قبرستان بھی پڑتا تھا گل مینا خوف سے کانپنے لگی تھی غیر معمولی تاریکی میں چلتے چلتے کافی دیر ہو چکی تھی۔

تب حمیدے کو احساس ہوا کہ شاید وہ غلط راستے پر چل پڑا ہو اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے

نمودار ہو گئے جتنا چل چکے تھے اس طرح سے تو کھیت پار ہو جانے چاہیے تھے لیکن یہ قبرستان کا پچھلا حصہ تھا جہاں ملکوں کے کچھ ملازمین راتوں کو نشہ کرتے تھے۔ اچانک حمید رک گیا اس کے پیر لرزنے لگے اس کے ساتھ ہی بختاں اور گل مینا کے قدم بھی جام ہو گئے تھے قبرستان کی ٹوٹی دیوار کے پاس سگریٹ کی ہلکی روشنی بتا رہی تھی کہ وہاں پر وہی نشئی موجود ہیں حمید کے قدم من من کے ہو رہے تھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آگے جائے یا پیچھے واپس مڑ جائے۔

''کون ہے ادھر اوئے فیکے دیکھ تو کوئی کتا تو نہیں آ گیا کھیتوں میں سالا گند مچا دے گا۔''

ایک آواز آئی تھی۔ حمید، بختاں اور گل مینا کی آنکھیں خوف سے پھٹنے لگی تھیں۔

''ارے چھوڑ کتا کیا کر لے گا۔'' یہ دوسری آواز تھی۔

''اوئے یاد ہے دینو کو ملک صاحب نے اس بات پر کتنا مارا تھا جب اس کی گائے نے یہاں گندم مچائی تھی۔ گولی چلا دے جو ہو گا ڈر کر بھاگ جائے گا۔''

پہلی آواز دوبارہ آئی تھی۔

اف تینوں کو لگا جیسے ان کا آخری وقت آ گیا ہو۔ خوف و دہشت سے تینوں کانپنے لگے۔

''چل اوئے جھلے ایسے گولی نہ چلا۔'' یہ تیسری آواز تھی۔ تینوں موت کی دہلیز پر کھڑے تھے۔ کسی بھی وقت سنسناتی ہوئی گولی ان کے جسموں کے پار ہو سکتی تھی۔

''اماں.....'' گل مینا بختاں سے چمٹ گئی تھی خوف اور دہشت سے اس کی آواز سلب ہو گئی تھی۔

اسی لمحے کسی نے ٹارچ جلائی تھی۔

''ربا رحم۔''

بختاں کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ تینوں پر خوف سے لرزہ طاری تھا۔ چھپنا یا چھپنے کی کوشش کرنا سراسر حماقت تھی وہ تینوں اور خاص طور پر آگے کھڑا حمید ٹارچ کی مکمل زد میں تھے۔

''اوئے گامے شیدے ادھر آ کھیتاں وچ کوئی اے۔''

ٹارچ والے نے پلٹ کر ساتھیوں کو آواز دی۔

''اوئے یہ یہ تو حمیدے چاچا ہے اور یہ اوئے یہ کیا کر رہے ہیں ادھر؟'' تینوں قریب آ گئے تھے حمیدے خوف و دہشت سے تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ زبان گنگ ہو گئی تھی۔

''اوئے..... یہ لوگاں بھاگ رہے ہیں پکڑ سالے کو دیکھ تو پیچھے زنانیاں بھی ہیں۔'' نشے میں دھت بدمست ہاتھی کی طرح شیدا اگل مینا کی طرف بڑھا تھا۔

''اوئے ہاتھ نہ لگانا۔''

نا جانے کہاں سے کمزور اور ناتواں حمید میں اتنی طاقت آ گئی تھی کہ اس نے پوری قوت سے شیدا کو دھکا دیا اور شیدا لڑکھڑا کر سنبھل نہ پایا اور گر گیا تھا۔

''اوئے..... تیری یہ ہمت اک تو راتوں رات بھاگ رہا ہے اوپر سے بدمعاشی بھی۔'' دوسری طرف سے گامے نے حمید کو پکڑ کر اس کے منہ پر چانٹا دے مارا۔

''ہائے ربا.....'' بختاں ایک قدم آگے بڑھی ٹارچ کی روشنی میں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ان کو پکڑ کر ملک صاحب کے پاس لے جاؤ۔

کسی نے آواز لگائی اتنی دیر میں شیدا اٹھا اور ڈنڈا لے کر حمیدے پر پل پڑا بختاں مدد کو آگے بڑھی۔ گل مینا دہشت سے کانپنے لگی تھی کسی نے فائر کر دیا رات کی ہولناک تاریکی میں نہ جانے کہاں سے آگ کا شعلہ بلند ہوا ایک اور پھر دوبارہ ساتھ ہی پہلے حمید اور پھر بختاں کی دل دہلا دینے والی چیخ بلند ہو گئی تھی۔

''ابا.....اماں۔'' گل مینا بدحواس ہو کر آگے بڑھی تھی۔

''مینے..... مینے گل بھا..... گ..... جا..... بھاگ جا دھیے۔ یہ کتے تجھے نہیں چھوڑیں گے بھاگ۔''

حمیدے کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز ابھری تھی وہ زمین پر گرنے لگا تھا۔

ایک لمحے کو گل مینا کے قدم پتھر کے ہو گئے تھے ٹارچ کی روشنی میں اسے ماں اور باپ کے خون آلود جسم نظر آ رہے تھے بختاں شاید ختم ہو چکی اور حمیدے۔

''جا گل مینا تجھے تیری ماں کی قسم جا بھاگ جا۔'' بمشکل حمید پوری قوت سے چیخا تھا۔

گل مینا کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ ماں باپ کی لاشیں پڑی تھیں۔ سامنے بھوکے درندے تھے۔

وہ پلٹی اور پوری رفتار سے اندھیرے کی سمت دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

''بھاگ.....ادھر دیکھ.....ادھر گئی ہے۔''

آوازیں تعاقب میں تھیں گل مینا کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا بس وہ بے تحاشہ بھاگ رہی تھی۔ دیوانہ وار۔ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ دھیرے دھیرے آوازیں کم ہونے لگی تھیں۔

ٹارچ کی ادھر ادھر بکھرتی روشنی نے بالآخر نقطے کی شکل اختیار کر لی اور نظروں سے وہ نقطہ بھی غائب ہو گیا۔ اس وقت گل مینا کو صرف اور صرف اپنی عزت بچانی تھی۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو چکی تھیں آنکھوں کے سامنے ماں باپ کی خون میں لت پت لاشیں تھیں اور بنا سوچے سمجھے بھاگ رہی تھی نا منزل کا پتا تھا نہ کسی راستے کا علم تھا انجانے راستے اور نا معلوم منزل کی طرف دوڑتے دوڑتے نجانے کرنے گھنٹے ہو گئے تھے اس کا ذہن خالی ہو چکا تھا کہاں جانا ہے کیا منزل ہے کس سے ملنا ہے؟ کسی بات کا کوئی جواب نہ تھا رفیق احمد کا پتا تو حمید کے پاس تھا نجانے کہاں خون میں سنا پڑا ہو گا وہ معمولی سا کاغذ۔ بھاگتے بھاگتے پیروں میں سوجن آ گئی تھی ایڑیاں پھوڑے کی طرح دکھنے لگی تھیں سر چکرانے لگا تھا وہ گاؤں سے دور نکل آئی تھی نہ وقت کا احساس ہو رہا تھا نہ منزل کا تعین پیر بے جان ہونے لگے تھے آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا تھا وہ لڑکھڑائی تھی ساری ہمتیں جمع کر کے قدم آگے بڑھانے کی ناکام کوشش کی چند قدم مزید وہ آگے بڑھی بھاگتے بھاگتے حلق میں کانٹے پڑنے لگے تھے۔

''ربا.....'' اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

آسمان کی طرف سر اٹھایا اسے لگا جیسے زمین کے ساتھ ساتھ آسمان بھی گھومنے لگا ہو لڑکھڑاتے قدم زمین پر جمانے کی ناکام کوشش کرتے کرتے وہ ایک جانب لڑھکتی چلی گئی تھی۔

صبح پھوٹی تھی کہ سارے گاؤں میں بھگدڑ مچ گئی تھی کھیتوں میں حمید اور بختاں کی لاشیں پڑی تھیں اور ملک اعجاز اور ملک ایاز شیدے، گامے اور فیکے کی کلاس لے رہے تھے۔

''اوئے حیوانو پاگل کی اولادو یہ کیا کر دیا تم لوگوں نے ان کو کیوں مار دیا اور وہ ان کی دھی اس کو بھاگنے دیا۔''

ملک اعجاز نے شیدے کو لات ماری وہ غصے سے بے قابو ہو رہا تھا یہی حالت ملک ایاز کی تھی۔

''معاف کر دو سرکار مجھے غصہ آ گیا تھا اس نے بہت زور سے مارا تھا اور میں نشے میں تھا جی۔ پتا نہیں کیسے مجھ سے گولیاں چل گئیں میں نے جان کر نہیں ماری۔''

ملک ایاز پاگلوں کی طرح ہنٹر چلانے لگا۔

''جس کو پکڑنا تھا اس کو روکا نہیں اور یہ مرداروں کو مار دیا نمک حرامو، حرام زادو اب اتارتا ہوں نشہ سب کا۔''

''ہائے ہائے سرکار ہم اس کے پیچھے بھاگے بہت دور تک مگر نجانے کہاں غائب ہو گئی قسم اللہ پاک کی سائیں ہمیں معاف کر دو ہمیں معاف کر دو۔''

وہ تینوں گڑگڑا رہے تھے ان کے کپڑے پھٹ چکے تھے گاؤں کے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ سب لوگ آنکھیں پھاڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ راتوں رات کیا ہو گیا تھا۔

''ملک ایاز بس کر دے مر جائیں گے۔'' تینوں کے جسموں پر ہنٹروں کی ضرب سے خون نکل آیا تھا مگر ملک ایاز پر خون سوار تھا۔

ان لوگوں کی یہ جرات کے راتوں رات بھاگ رہے تھے اور جس کے لیے وہ پاگل ہو رہا تھا وہ تو چکمہ دے کر پتا نہیں کہاں نکل گئی تھی۔ یہ بات مشہور کر دی گئی کہ راتوں رات یہ لوگ شادی کے لیے ملک اعجاز سے پیسے لے کر فرار ہو رہے تھے تو کھیتوں کی حفاظت کرنے والے تینوں بندوں نے چور اچکے سمجھ کر گولی چلا دی۔ بھلا گاؤں میں کس کی مجال تھی کہ وہ صحیح اور غلط کی تحقیقات کرتا جمال دین اور صغراں کو ہتا چلا صغراں چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی تھی۔

یہ کیا ہو گیا تھا اس کی بہن اور بہنوئی کا قتل ہو گیا تھا اور ہونے والی بہو لا پتا تھی جمال دین بھی اپنے حواسوں میں نہ تھا ایک تو بھائی بھاوج جیسے حمیدے اور بختاں کی اس طرح کی موت اور اوپر سے گل مینا کا یوں لا پتا ہو جانا وہ یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا تھا کہ گل مینا اکیلی کہاں پر ہو گی؟ وہ تو سیدھی سادھی معصوم ہے اس کی خوبصورتی جو اس کے لیے سزا بن گئی تھی۔ یا اللہ تو اس بچی کی حفاظت کرنا۔

وہ بے آسرا بے بس اور تنہا کیسے مقابلہ کر پائے گی اس دنیا کے لوگ بہت ظالم ہیں میرے مولا وہ بری طرح رو رہا تھا۔

حمیدے اور بختاں کا کفن دفن کا انتظام جمال دین اور صغراں نے مل کر کیا تھا۔ ملک اعجاز نے بریانی بھیجی تھی۔ جمال دین پھٹی پھٹی آنکھوں سے گرم گرم بریانی کو دیکھ رہا تھا۔ یہ کیسا کھانا تھا۔ کسی کی بے بس موت پر خوشیاں منائی جا رہی تھیں یا غریب کی بے بسی کا مذاق اڑایا جا رہا تھا جمال دین قبرستان میں بیٹھ کر دیر تلک آنسو بہاتے رہا گاؤں کے چند لوگ تدفین میں شریک تھے سب اپنے اپنے لفظوں میں تسلی دے رہے تھے سارے گاؤں کو اصل بات کا علم ہی نہیں تھا کہ سارا معاملہ دراصل تھا کیا؟ ستارہ کا رو رو کر برا حال تھا۔ وہ صغراں سے لپٹی تھی۔ خالہ اور خالو کو اس طرح دیکھ کر اس کی حالت بری ہو گئی تھی۔ اوپر سے گل مینا۔ گل مینا کو لے کر صغراں اور جمال دین بھی بے حد پریشان تھے۔

دوپہر ڈھلنے لگی تھی جمال دین قبرستان میں حمیدے کی قبر کے سرہانے بیٹھا تھا اس کی آنکھوں

سے مسلسل آنسو رواں تھے اپنے بچپن سے لے کر آج تک کی ایک ایک بات یاد آ رہی تھی حمیدے نے کبھی بھی اس کو غیر نہ جانا تھا۔ اس ماں نے جمال دین کو شادی کرنے کے لیے بہت زور دیا مگر جمال دین کو شادی نہ کرنی تھی۔

''نہ ماسی میں کلا بھی بھلا ہوں۔'' وہ ہر بار یہی جواب دیتا اور آج وہ واقعی اکیلا رہ گیا تھا عجیب سوگواریت چھائی ہوئی تھی ایسے میں قبرستان میں بیٹھنا بھلا لگ رہا تھا وہ حمیدے سے باتیں کر رہا تھا۔

''حمیدے تو تو چلا گیا یار مگر ہماری دھی۔ دھی نجانے کہاں بھٹک رہی ہوگی۔ وہ تو نادان ہے جھلی ہے نجانے کہاں ہوگی؟ شہر اتنی دور ہے اکیلی کیسے جائے گی؟ اور ملک اعجاز کے کتے اس کو ڈھونڈ رہے ہوں گے۔ میرے مولا تو اس معصوم کی حفاظت کرنا۔''

''اوئے جمال دین تو یہاں بیٹھا ہے تجھے بڑے ملک صاحب بلا رہے ہیں۔ چل اٹھ وہ ڈیرے پر راہ دیکھ رہے ہیں تیری۔''

ملک اعجاز کے پلے ہوئے نوکروں میں سے کوئی نوکر تھا۔ آواز پر جمال دین نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

''مجھے..... مجھے کیوں بلایا ہے جی؟'' گھبرا کر سوال کیا۔

''مینوں کی پتا اے؟'' جا کر پتا کر لے خود ہی۔

جمال دین ٹھنڈی سانس لے کر مٹی کی ڈھیری پر ایک نظر ڈال کر اٹھا۔ آنکھوں کو کاندھے پر پڑے ملگجے رومال سے صاف کرتے ہوئے ڈیرے کی سمت چل دیا۔ ڈیرے پر ملک اعجاز ملک ایاز اور دو تین لوگ بیٹھے تھے۔

''سلام ملک جی۔'' ملک جمال دین نے سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' ملک اعجاز نے جواب دیا اور سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

''جی ملک صاحب آپ نے یاد کیا۔''

جمال دین نے آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے کھڑے کھڑے قدرے جھک کر ملک اعجاز کو غور سے دیکھا تھا۔

''ہاں یہ بتا حمیدے تیرا بھائی تھا؟'' ملک اعجاز کے سوال پر جمال دین تھوڑا سا چونکا۔

''نہیں صاحب بھائی نہیں تھا پڑوسی تھا بھائی جیسا۔''

جمال دین نے کہا تھا۔

''مگر لوگ کہتے ہیں کہ تو بھائی تھا اس کا۔''

ملک ایاز نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کرسی پر پہلو بدل کر کہا تھا۔

''نہ جی نہ..... میرا پیو اور اس کا پیو یار تھے اور ساتھ ساتھ گھروں میں رہتے تھے بھائیوں جیسا یارانہ تھا فر میں اور حمیدے بھی ایسے ہی بچپن سے ساتھ رہے میرے ماں باپ فوت ہوئے تو حمیدے کی ماں نے مجھے بہت سہارا دیا جی۔ بس ہم میں کوئی خونی رشتہ نہیں یارانہ تھا اور بس۔''

جمال دین کا لہجہ آزردہ تھا۔

''مطلب کہ تو گھر جیسا ہی بندہ تھا ناں اس کا؟''

''جی..... جی ملک جی۔'' وہ عاجزی سے بولا تھا۔

''تو شرافت نال یہ بتا دے وہ لوگ کہاں بھاگے جا رہے تھے۔ کس کے پاس بھیج رہا تھا تو ان کو دوسرے گاؤں یا شہر کس رشتے دار کے پاس کا کہہ کر وہ گھر سے نکلے تھے۔''

اس بار وہاں پر بیٹھے تیسرے کالے اور بڑی بڑی مونچھوں اور گھنی داڑھی والے نے سوال کیا۔ وہ شکل سے ہی کوئی اشتہاری مجرم لگ رہا تھا۔

''نہ جی نہ..... مینوں تو کچھ وی نہیں معلوم، مجھے بھی خبر نہیں تھی کہ وہ لوگ بھاگنے والے ہیں میں تو اپنے گھر میں سو رہا تھا مجھے تو سویرے خبر ملی۔''

جمال دین ایک لمحے کے لیے گڑبڑایا اور فوراً ہی خود پر قابو پا کر بولا یہ تو اس نے عقل مندی کی تھی کہ سب سے پہلے حمیدے کی جیب رفیق احمد کے پتے والی پرچی نکال کر پھینک دی تھی ورنہ یہ ملک تو رفیق بیچارے کو بھی دھر لیتے۔

''دیکھ جمالے ہم سے ہوشیاری کی تو بہت برا ہوگا بہتر یہی ہے کہ سچ سچ بتا دے تو تیری خلاصی ہے اگر تو نے جھوٹ بولا تو تو جانتا ہے ملک کسی کو چھوڑتا نہیں۔'' پھر وہی مکروہ شکل والا آدمی بولا تھا۔

''قسم لے لو صاحب۔ مینوں پتا ہے کہ ملک لوگ ہمارے مائی باپ ہیں اور ان کے غضب کا بھی پتا ہے جی۔ اگر مجھے پتا ہوتا تو میں خود بھی ان کے ساتھ جاتا ناں کیونکہ پیچھے میں ہی ہوں جس سے ملک اعجاز نے پوچھ تاچھ کرنی ہے میں جان بوجھ کر یہاں تھوڑی بچ رہتا۔ مجھے تو خود نہیں پتا اور مجھے تو یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے جی کہ حمید کا شہر میں کوئی یار بھی نہیں تھا وہ تو شہر جاتا ای نہیں تھا جی وہ تو یہیں پیدا ہوا اور یہیں اسی گاؤں میں بوڑھا ہو گیا تھا۔ اس کا کوئی دور پرے کا رشتے دار بھی نہیں تھا بس وہ اس کی گھر والی، گھر والی کی بہن اس کے بچے بیٹی اور پھر میں اس کا سجن۔ بس اس سے آگے تو کوئی تھا بھی نہیں اور گل مینا تو گھر سے بھی نہیں نکلتی تھی جی وہ کہاں جائے گی اسے تو گاؤں کی دو تین گلیوں کے علاوہ کچھ راستہ پتا ای نہیں۔ وہ تو اپنی ماسی کے گھر بھی نہیں جاتی تھی۔ مجھے نہیں پتا جی قسم لے لو۔'' وہ ہاتھ جوڑے بول رہا تھا۔

''ہنہہ .....'' ملک اعجاز نے سر ہلایا۔

''گل مینا کے پیچھے تو لوگ لگا دیئے ہیں وہ بھاگ کر کہاں جائے گی۔''

جمال دین کے چہرے پر پسینہ آ گیا۔

''یہ بتا کہ حمید کا ہونے والا جمائی کہاں رہتا ہے شہر میں؟''

''وہ بھی نہیں پتا جی اس کا پتا تو کسی کو بھی نہیں معلوم وہ پندرہ دن میں ایک دن کے لیے آتا ہے سنا ہے کسی فیکٹری میں کام کرتا ہے اس بار اس نے دیر سے آنا تھا اپنے ویاہ کی تیاری کر رہا تھا جی۔'' جمال دین کا لہجہ دھیما تھا۔

''اوئے بکواس کرتا ہے ایسے کیسے اس کا پتا نہیں معلوم کسی کو۔'' اس بار ملک ایاز نے آگے بڑھ کر قدرے غصے سے کہا تھا۔

''سچ کہہ رہا ہوں چھوٹے ملک جی میرے ماں باپ کی قسم اس کو تو کچھ پتا وی نہیں جی۔ آپ کسی کی بھی قسم لے لو میں جھوٹ نہیں کہہ رہا۔ میں بھی یہیں ہوں گاؤں میں وہ آنے والا ہے آپ خود ہی پوچھ لینا اس سے سرکار۔''

جمال دین ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔

''سوچ لے جمالے اگر کہیں سے بھی کوئی سراغ لگا اور تو جھوٹا نکلا تو نا تیری اس سفید داڑھی کا خیال کروں گا نہ تیری بوڑھی ہڈیوں کا اتنی کٹ لگاؤں گا کہ تیری یہ ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔ الٹا لٹکا کر مرچوں کی دھونی لگاؤں گا اب بھی وقت ہے سچ اگل دے اگر تجھے گل مینا کا پتا ہے تو بتا دے ورنہ بہت پچھتائے گا تو۔'' ملک ایاز غصے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''نہیں جی چھوٹے ملک جی میری توبہ جی مینوں کچھ وی نہیں معلوم وہ کہاں ہے کس حال میں کس کے پاس ہے مجھے کچھ نہیں ملوم جی مجھے پتا ہوتا تو میں ضرور بتاتا۔'' جمال دین گڑگڑایا تھا۔

''بڑے ملک جی ہم نے آس پاس کے گاؤں چھان مارے کہیں بھی چھوری کا پتا نہ لگا شہر تک کے راستے دیکھ آئے کہیں بھی کوئی پتا نہ لگا جی پتا نہیں کہاں چلی گئی وہ۔''

اسی لمحے دو اونچے قد کے گھنی داڑھی اور مونچھوں والے آدمی اندر آئے اور ملک اعجاز کو مخاطب کیا تھا۔

''تم سب کے سب ناکارہ اور نمک حرام ہو ایک چھوری کو نہ ڈھونڈ سکے اور وہ تم س کو چکمہ دے کر کہاں مر کھپ گئی کسی کو پتا ہی نہیں ہے۔'' ملک اعجاز غصے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''یہ کمی کمین اور نیچ ذات کے لوگ ہیں ملک جی اچھا ہوتا کہ جیسے چھوٹے ملک کو وہ بھائی تھی تب ہی اس کو اٹھا لاتا کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی وہ اس قابل نہیں تھے اپنی اوقات دکھا دی ناں کنجروں نے۔''

ملکانی جو پردے کے پیچھے تھی وہیں سے بولی تھی۔

''اگر گاؤں کی نہ ہوتی تو اٹھوا لیتا اس کو شہر میں کئی ایک لڑکیاں آئی گئیں میرے آگے مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ کم ذات کم حیثیت اور حرام زادی یہ سب کر لے گی۔''

ملک ایاز غصے سے پھنکارا تھا۔

''اوئے میرے پتر..... دل خراب منہ کر گولی مارا سے اور تجھے کیا کمی ہے لائن لگا دوں گی تیرے واسطے کیوں جھلا ہوتا ہے اس کمینی کے پیچھے۔'' ملکانی پھر بولی تھی۔

''اماں میں پاگل اس کے لیے نہیں ہوں اب وہ میری ضد بن گئی ہے اس کو گھسیٹ کر سارے گاؤں کے سامنے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کروں گا۔ اس کی محبت گئی بھاڑ میں ایک بار وہ مل گئی تو ایسا حشر کروں گا کہ سات پشتیں یاد رکھیں گی۔''

ملک ایاز کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ جمال دین کانپ رہا تھا۔

''اللہ پاک رحم کرنا۔'' وہ دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا۔

''جا جمالے تو جا لیکن کان کھول کر سن لے کہ اگر تو نے اس حرام زادی کے لیے کچھ کیا یا کچھ غلط بولا اس کا ساتھ دیا تو تجھے کتوں کے آگے ڈال دوں گا۔'' ملک اعجاز نے جمال دین کو مخاطب کر کے غضب ناک لہجے میں کہا تھا۔

''جی سرکار جی۔ جمال دین تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔''

اس کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا انجانا خوف آس پاس منڈلا رہا تھا خطرہ ابھی ٹلا نہیں تھا دو موتیں ہو چکی تھیں ہنستا بستا گھر اجڑ چکا تھا مگر اب بھی ملکوں کے کلیجے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ نہ جانے اب کون سی قیامت آنے والی تھی کون سا طوفان آنے والا تھا۔ جمال دین دل ہی دل میں ڈرتا ہوا اپنے گھر کی سمت چل دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

یہ خانہ بدوشوں کی بستی تھی شہر سے کافی دور زیر تعمیر پل کے نیچے خانہ بدوشوں نے عرصہ سے ڈیرہ ڈال رکھا تھا بستی کے کچھ لوگ چھوٹی موٹی چیزیں مثلاً گاڑی صاف کرنے کے ڈسٹر، ٹشو پیپر، رنگ برنگی ٹافیاں کاغذ کے رنگین کھلونے بیچ کر گزارہ کرتے تھے بانس کی تیلیوں اور چٹائیوں سے بنایہ عارضی ٹھکانہ تھا ایک عرصہ ہو گیا تھا کہ پل کا کام یونہی ادھورا پڑا تھا شہروں سے ملحقہ ایریا اور شہروں کا یہی وطیرہ تھا خاص طور پر کراچی میں تو تعمیراتی کام کے سلسلے برس ہا برس جاری رہتے، کئی بار تو ایسا ہوتا جو کام مستری اور مزدور شروع کرتے وہ ان کی وفات کے دس دس سال بعد جا کر مکمل ہوتا کچھ حکومت کی نا اہلی اور کچھ اداروں کی لاپروائی اور کھاتوں نے سارا نظام درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا یہی حال اس پل کا بھی تھا جس نے کام شروع کروایا تھا وہ انجینئر تو حکومت کے بدلی ہونے پر معطل ہو کر بیٹھ گیا تھا اور کام بھی اس کی معطلی کے ساتھ کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔

اس بستی میں شریفاں بھی رہتی تھی شریفاں اور اس کا شوہر ادھیڑ عمر کے تھے اولاد کی نعمت سے محروم یہ لوگ رنگین کاغذوں سے کھلونے بنا کر فروخت کرتے تھے۔ کھلونے خریدنے کے لیے آس پاس بچوں کا ہجوم جمع ہو جاتا یہ شعیفاں کو بھلا لگتا تھا وہ بچوں سے بہت پیار کرتی تھی اس روز بھی حسبِ معمول صبح صبح شریفاں جاگی چولہا جلانے کے لیے آئی تو لکڑیاں کم تھیں۔

"کل بشیر کو بولا تھا لکڑیاں لے آ مگر بھول گیا ہوگا۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی جھونپڑی سے باہر نکلی تا کہ آس پاس کی سوکھی جھاڑیوں سے کم از کم چائے بنانے کو کچھ لکڑیاں مل جائیں۔ ابھی چند قدم چلی تھی کہ اچانک اس کی نظر جھاڑیوں میں پڑی چھوٹی سی کالی گٹھڑی پر پڑی۔

"ہائے....." وہ ڈر گئی شہر میں آئے دن بم پھٹتے رہتے تھے ڈرتے ڈرتے گٹھڑی کی طرف آئی تو اسے بڑی سی سیاہ چادر کے اندر سے سفید نازک پیر نظر آئے چپلوں سے بے نیاز زخمی اور مٹی میں اٹے پیر

دیکھ کر وہ ڈر کے مارے واپس جھونپڑے کی طرف دوڑی۔

''بشیرے.....بشیرے اٹھ دیکھ تو جھاڑی میں لڑکی کی لاش پڑی ہے۔''

مارے گھبراہٹ کے آواز اس کے حلق میں پھنس رہی تھی۔

''پگلا گئی ہے کیا صبح صبح کیا بکے ہے۔''

بشیرا جو ابھی ابھی جاگا تھا جھنجھلا کر بولا اور مبدی مندی آنکھوں سے شریفاں کے خوف زدہ چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

''اٹھ بشیرے تو خود چل کر دیکھ لے سچی میں لڑکی کی لاش پڑی ہے زخمی ہے بہت اس کے پاؤں نظر آرہے ہیں چادر میں لپٹی پڑی ہے۔ جا جا کر اقبال کو اٹھا وہ پولیس کو خبر کرے پتا نہیں کس نے اس کو مارا ہے میرا تو جی گھبرا رہا ہے بشیرے پتا نہیں کون ہے بیچاری۔ ہماری بستی کی تو نہیں لگے ہے شہر میں تو ایسے ہوتا ہے ناں ہائے ربا رحم کرنا۔'' شریفاں خوف سے کانپنے لگی تھی۔

''اری چپ کر بولے جاتی ہے ریل کی طرح ابھی رک جا ذرا میں دیکھ تو لوں۔''

بشیرے نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

''میں کہتی ہوں بالے کو بلا لے اکیلے مت جا۔''

شریفاں بدستور ڈری ہوئی تھی۔

''چپ کر۔''

بشیرا نے اسے بری طرح گھرکا اور جھونپڑی کے دروازے سے باہر نکل آیا۔ ابھی تو پوری طرح سے روشنی بھی نہیں ہوئی تھی تھوڑہ دیر کو تو بشیرا کو بھی خوف محسوس ہوا لیکن وہ اللہ کا نام لے کر آگے بڑھا ڈرتے ڈرتے شریفاں بھی پیچھے ہولی۔ صبح کی ہلکی ہلکی خنکی اور ہلکی ہلکی ہوا نے اس کے چہرے کی طرف سے چادر سرکا دی تھی۔

''یہ..... یہ تو سوہنی سی کڑی ہے شریفاں دیکھ تو۔'' بشیرا نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا گٹھڑی میں ہلکی دی جنبش ہوئی تھی۔

''اوئے یہ زندہ ہے شریفاں یہ کڑی زخمی ہے۔ بہت جلدی سے آ اسے اٹھا۔''

بشیرا زور سے چلایا تو شریفاں آگے آئی۔ شریفاں نے آگے بڑھ کر دیکھا۔

''یہ بہت زخمی لگتی ہے۔ بشیرے دیکھ تو اس کے منہ پر بھی زخم لگے ہیں یہ جھاڑیوں میں کانٹوں سے زخمی ہوئی ہے۔ بشیرے آجا اسے اٹھا میرے ساتھ۔''

بشیرا مٹی کے کٹورے میں مٹکے سے پانی لے آیا اور گل مینا کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے ایک بار دو بار اور تیسری بار گل مینا نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ دفعتاً خود پر شریفاں کو جھکا ہوا دیکھا ایک لمحے کو آنکھیں پٹپٹا کر موقع کی نزاکت اور جگہ کا تعین کیا تب اچانک ذہن میں گاؤں کی کل رات کی ہولناک اور خوفناک رات گھوم گئی خوف زدہ دہشت کے مارے تین نفوس۔ ملک کے پالتو نوکر کھیت اور فائر کی تیز آواز ساتھ ہی خون میں لت پت۔

''اف نہیں اماں..... ابا مجھے جانے دو تم کون ہو؟ معاف کر دو مجھے معاف کر دو؟''

گل مینا بجلی کی سی تیزی سے اٹھی اور خوف زدہ ہو کر دونوں ہاتھ چلاتی ہوئی اٹھنے کی کوشش کرنے لگی تھی وہ بھاگنا چاہتی تھی۔

''اف.....'' تکلیف کی شدت سے ایڑی سے خون نکل آیا تھا۔

''بچی یوں پریشان نہ ہو تو کہاں سے آئی ہے؟ زخم کیسے لگے تجھے؟ ہم تجھے ماریں گے نہیں تو پریشان نہ ہو بیٹی۔ تو بہت زخمی ہے ہم سے ڈر نہیں ہم غریب لوگ ہیں۔''

شریفاں اس کی ہذیانی حالت دیکھ کر پیار سے سمجھانے والے انداز میں بولی۔ وہ سمجھ گئی کہ یقیناً کوئی مظلوم لڑکی ہے کسی کے ظلم کا شکار ہو کر آئی ہے۔ گل مینا جو گھٹنوں میں منہ دیے سہمی بیٹھی تھی۔ آہستہ

سے سر اٹھایا ایک بے بس سی نظر شریفاں پر ڈالی اور پھر بے ہوش ہوگئی تھی۔ شریفاں نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔ اس کے سرخ وسفید چہرے پر آنسوؤں کے نشانات واضح تھے۔

خوبصورت آنکھوں کے پپوٹے مسلسل رونے کی وجہ سے سوج گئے تھے۔ چہرے پر جھاڑی میں لگے کانٹوں سے جگہ جگہ زخم تھے اس کے لمبے سیاہ بالوں کی چوٹی مٹی میں اٹی ہوئی تھی۔ پیروں میں چپل نہ تھی اس کے کپڑوں میں بھی کانٹوں سے سوراخ ہوگئے تھے سیاہ چادر مٹی اور دھول سے ملگجی ہوگئی تھی۔

''ہائے پتا نہیں کون ہے بیچاری کس صدمے کے مارے ایسی ہوگئی ہے نہ جانے کیا ہوا اس کے ساتھ شیرے اس کو جھونپڑے میں لے کر چلتے ہیں۔''

شریفاں کو اس سے ہمدردی ہو رہی تھی۔

''اوہ پاگل ہوگئی ہے کیا پتا نہیں کون ہے کیا کر کے آئی ہے؟ میں پولیس کو اطلاع دے دوں گا پڑا رہنے دے اس کو یہاں۔'' بشیرا نے شدیفاں کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانے کی کوشش کی تھی۔

''بشیرے جوان جہان لڑکی ہے۔ کیا پتا کس مشکل میں ہو ہم اس کو ایسے کیسے چھوڑ دیں کسی ماں کی بیٹی ہے یہ بھی۔ اس کے ہوش میں آنے تک تو رک جا ہم اس سے پتا کر لیں پھر چاہے پولیس کو بتا دو مگر تھوڑا صبر رکھ لے بشیرے۔ اتنی جلدی نہ مچا ابھی تک کوئی جاگا بھی نہیں چل اس کو لے کر چلتے ہیں اندر بیچاری پتا نہیں کب سے اس حالت میں پڑی ہے۔ اتنی خوبصورت بھی ہے ایسے ویسے ہاتھوں میں لگ گئی تو.....'' شریفاں کا دل ہول گیا تھا۔

''اچھا.....اچھا چل۔''

بشیرا نے اس کو سہارا دیا اور اپنے جھونپڑے میں لے آیا، ساتھ ہی باہر لگا ہوا ٹاٹ کا پردہ بھی ڈال دیا۔ روشنی ہونے لگی تھی اب سب نے ہی اٹھنا تھا جھونپڑے میں آئی تو ایک بار پھر گل مینا نے آنکھیں کھولیں وہی مہربان چہرہ سامنے تھا۔

''میں کہاں ہوں، تم کون ہو اور وہ لوگ کہاں ہیں؟''

وہ دوبارہ گھبرائے لہجے میں مخاطب ہوئی اور آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی یہ ماحول اس ماحول سے یکسر مختلف تھا جو اس کے ذہن میں آسیب کی طرح چمٹا ہوا تھا۔

''ہم لوگ یہاں ڈیرے میں رہنے والے لوگ ہیں غریب ہیں مگر سب ہمدرد محبت کرنے والے ہیں میں صبح جھونپڑے سے نکلی تو تجھے جھاڑیوں میں بے ہوش دیکھا میں سمجھی کہ کوئی لاش ہے پھر میں نے اپنے گھر والے کو جگایا ہم نے تجھے پانی ڈالا تو ہوش میں آئی تو تو ڈر کے پتا نہیں کیا کیا بول کے پھر بے ہوش ہوگئی تھی۔ تو کون ہے کہاں سے آئی ہے اور کہاں جانا ہے؟ اور ایسے یہاں بے ہوش کیسے ہوئی؟ کسی کی تلاش ہے تجھے؟ ہمیں بتا تو شاید ہم تیری مدد کر سکیں۔''

''مجھے کہاں جانا ہے؟'' وہ زیر لب بڑبڑائی۔

''ہائے ربا پتا تو ابا کے پاس تھا..... ہائے ربا۔'' وہ رونے لگی۔

''ابا کو تو انہوں نے مار دیا۔ اماں ہائے میری اماں۔''

اس کی چیخ ہائے کتنی زور سے چیخی تھی وہ اور پھر مر گئے دونوں۔ میں بھاگی میں رونے لگی اور بھاگی ''ہائے کتے ہائے ظالم کتے۔ وہ شیطان ہیں وہاں۔'' وہ زور اوقطار رونے لگی تھی۔

''مار دیا..... میرے ابا اور اماں کو مار دیا۔ وہ بھیڑیے.....'' دیوانوں کی طرح ایک بات دہراتے ہوئے وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

شریفاں ہمدردی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے ترس آ رہا تھا۔

''یہ لے پانی پی اور آرام سے تھوڑی سانس لے لے پریشان نہ ہو یہاں تو محفوظ ہے کوئی نہیں آئے گا یہاں تو آرام سے ہمیں سب کچھ صحیح صحیح بتا دے۔''

بشیرا جو باہر ہی کھڑا تھا اندر آ کر پانی کا کٹورہ اس کی طرف بڑھا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ملائمت

سے بولا تو گل مینا نے کٹورہ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور ایک ہی سانس میں سارا پانی غٹا غٹ پی گئی۔

پانی پی کر اس کے حواس بحال ہوئے اور شریفاں اور بشیرا کے ہمدردانہ رویے نے کچھ ہمت بندھائی۔ گل مینا نے آہوں اور سسکیوں کے ساتھ سارا قصہ لفظ بہ لفظ سنا دیا تھا کہ گزشتہ رات وہ کس عذاب کی منزلوں کو طے کر کے یہاں تک پہنچی ہے تھی اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا بنا راستے کا تعین کیے وہ بس اندھا دھند اندھیرے میں بھاگی چلی جا رہی تھی اور کب گری یہ بھی پتا نہیں چلا اور وہ تو اپنے چاچا کے کسی دوست کے گھر جانے والی تھی اور وہ پتا بھی حمیدے کی جیب میں تھا وہ لوگ بھوکے بھیڑیے ہیں وہ مجھے بھی مار دیں گے۔

وہ مسلسل رو رہی تھی شریفاں اس کی داستان سن کر خود بھی رونے لگی تھی جبکہ بشیرا چپ چاپ سن رہا تھا وہ کچھ کچھ شاکی بھی تھا آجکل کے حالات بھی ایسے نہ تھے کہ کسی پر بھروسہ کر لیا جاتا وہ جوان تھی حسین تھی نہ جانے اصل کہانی کیا تھی؟ وہ سوچوں میں غلطاں تھا۔

''کیا ہوا بشیرے؟'' شریفاں اسے دیکھ رہی تھی۔

''شریفاں اس کو ناشتہ دے پتا نہیں کب سے بھوکی ہو گی منہ دھلوا دے اس کا میں نے لکڑیاں باہر رکھی ہیں چولہا جلا کر چائے بنا لے میں پاپے لے کر آتا ہوں۔'' بشیرا نے کہا اور پردہ اٹھا کر باہر نکل گیا تھا۔

''تو ادھر ہی منہ دھو لے۔ یہیں بیٹھ میں چائے لے کر آتی ہوں۔''

شریفاں نے اس کو مگے میں تھوڑا سا پانی دے کر کہا اور خود چھوٹے سے صحن کی طرف بڑھ گئی جہاں مٹی کا چولہا رکھا ہوا تھا ساتھ ہی سلفر کے کچھ کالے کلے برتن پڑے تھے گل مینا نے منہ پر پانی مارا ہاتھوں کو اچھی طرح سے رگڑ کر دھویا اور چادر سے ہاتھ منہ صاف کر کے جھلنگا سی چارپائی پر بیٹھ گئی اور چھوٹے سے کمرے کا جائزہ لیا چٹائی اور سرکنڈوں سے بنا یہ عارضی کمرہ جس کو موٹے سے کپڑے سے کور کر دیا گیا تھا دروازے کی جگہ لکڑی کی جالی تھی جس پر ٹاٹ کا میلا پردہ لٹکا ہوا تھا۔ ایک جھلنگا چارپائی

جس کی بان جگہ جگہ سے ادھڑی ہوئی تھی ایک میلا سا گدا لحاف اور دو تکیے پرانا زنگ آلود ٹین کا صندوق اور کونے میں ڈھیر سارے رنگین کاغذ چھوٹی چھوٹی لکڑیاں ماچس کی ڈبیاں اور ایک ٹوٹے ہوئے سلور کے ٹیڑھے برتن میں غالباً آٹے کی لئی تھی۔ جو سوکھ کر پپڑی ہو گئی تھی۔ وہیں پر چھوٹی سی پھٹی ہوئی دری بچھی تھی جس پر بمشکل دو افراد بیٹھ سکتے تھے کونے میں پانی کا مٹکا اور اس پر مٹی کا کٹورہ دھرا تھا۔

''یا اللہ! میں کیسے رہوں گی رفیق چاچا کا پتا کیسے ملے گا؟ اتنے بڑے شہر میں میں اکیلی کہاں کہاں پھروں گی۔ شہزاد.....'' اس کے لبوں سے آہ کی صورت نکلا۔

''ہائے شہزاد تو کہاں ہے دیکھ تو تیری مینے کا کیا حال ہو گیا ہے۔ اسے پھر سے رونا آیا۔''

''چل یہ کھا لے اور پریشان نہ ہو رب کچھ نہ کچھ بھلا کرے گا۔''

سلور کی ٹیڑھی میڑھی تھالی پر دو گول چھوٹے سائز کے پاپے اور مٹی کے کپ میں چائے لا کر شریفاں نے سامنے رکھ دی تھی۔

''ابے گل مینا چل میری دھی اٹھ جا دیکھ تیرا ابا تیرا انتظار کر رہا ہے میں نے پراٹھے بنا دیے ہیں ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔''

اس کے کانوں میں بختاں کی ملائم آواز گونجی۔ اس کی آنکھوں کے آگے آنسو ایک بار پھر مچل اٹھے بھوک سے برا حال تھا کل سے کچھ کھایا پیا بھی نہ تھا اوپر سے شدید تھکن اور اتنا بڑا صدمہ۔

''کھا لے پتر۔''

شریفاں نے دوبارہ کہا تو اس نے پاپا اٹھا کر چائے میں ڈبویا اور بمشکل حلق سے اتارنے لگی۔ آنسوؤں کے ساتھ ساتھ وہ ناشتے کو زہر مار کرتی رہی۔

شریفاں برتن سمیٹ کر باہر نکلی۔

''دیکھ شریفاں اب اس کو بول تیار ہو جا میں اور تو تھانے چل کر اسے پولیس کے حوالے کر آتے ہیں میں کوئی رکشہ وکشہ دیکھتا ہوں۔ واپسی میں کاغذ بھی لیتے آئیں گے ختم ہونے لگا ہے۔''

بشیرا کی آواز اندر تک آئی تھی پتا نہیں شریفاں نے آہستہ سے کیا کہا تھا۔

''پاگل ہوئی ہے تو بچوں کی طرح سے بات کرتی ہے تو تجھے کیا پتا وہ سچی ہے کہ جھوٹی پتا نہیں تجھے کیا یہ ہمدردی بہت مہنگی پڑ جاتی ہے۔ کبھی ہم پہ کوئی مصیبت آ جاوے نہ جانے کہاں سے بھاگ کر آئی ہے۔ چوری کر کے بھاگی کہ قتل کر کے بھاگی۔ اتی حب صورت تو.....''

آگے نہ جانے کیا کہا تھا آواز دھیمی پڑ گئی تھی۔

''اف.....'' گل مینا کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر جکڑا تھا اس کے کردار پر شک کیا جا رہا تھا اس کو مشکوک سمجھ کر باتیں ہو رہی تھیں اس کی برداشت جواب دینے لگی وہ پردہ اٹھا کر باہر آ گئی اور بشیرا کے پیرون کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔

''چاچا تو میرے باپ کی جگہ ہے میرے باپ جیسا ہے میں اپ ے مرے ہوئے باپ کی قسم کھاتی ہوں اپنی ماں کی تڑپتی ہوئی لاش کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے ایسا ویسا نہ سمجھنا میں شریف لڑکی ہوں میں نے جو کچھ سنایا ایک ایک لفظ سچ ہے تو چاہے تو مجھ سے قرآن اٹھوا لے میری تو شادی ہونے والی تھی میرا شہزاد یہیں رہتا ہے شہر میں کام کرتا ہے وہ۔ وہ تو شادی کے لیے آنے والا تھا۔ کہ یہ سب کچھ ہو گیا اللہ کی قسم ہے چاچا میں مر جاؤں گی کہیں جا کر خودکشی کر لوں گی مجھے پولیس میں نہ دینا ملک لوگ مجھے لے جائیں گے میں خود یہاں سے چلی جاؤں گی میرے کو بری لڑکی نہ سمجھ چاچا میرے مرے ہوئے ماں باپ کی روح تڑپ جائے گی۔''

وہ بلک رہی تھی بشیرا جو پہلے ہی پیروں کو سمیٹ چکا تھا اس کی ساری باتیں خاموشی سے سن رہا تھا بشیرا کی آنکھوں میں بھی نمی آ گئی تھی اس کو بھی گل مینا کی باتوں میں سچائی لگی تھی۔

کوئی بھی لڑکی یوں ماں باپ کی قسم کیسے کھا سکتی ہے اس کا بلکنا تڑپنا اور یوں رو رو کر ہلکان ہونا اس کی شرافت اور سچائی کی گواہی تھے۔ شریفاں نے آگے بڑھ کر اسے کاندھے سے پکڑ کر اٹھایا اور سینے سے لگا لیا تھا۔

''بشیرا.....اللہ کا واسطہ ہے تجھے اس کو پولیس میں نہ دے سچ کہتی ہے یہ اگر ان لوگوں نے اسے دیکھ لیا تو مار دیں گے۔''

''شریفاں تو کیا ہم اس کو رکھ لیں گے اگر اس کو پولیس میں نہ دیں تو پھر؟ اس کے پاس تو کسی کا پتا بھی نہیں۔ گاؤں یہ جا سکتی نہیں تو پھر کیا حل ہوگا؟'' بشیرا نے شریفاں کو غور سے دیکھ کر کہا تھا۔

''بشیرے دیکھ.....بشیرے رب نے یہ ہمارے لیے تحفہ بھیجا ہے۔ سمجھ لے اس نے ہمیں اولاد دی ہے۔ میرا دل کہتا ہے یہ اچھی اور نیک لڑکی ہے۔

ہم اس کو اپنے پاس رکھ لیں گے بشیرے اس کو اپنی بیٹی بنا لیں گے۔'' شریفاں کے لہجے میں یاسیت تھی اولاد نہ ہونے کی کمی کا احساس جو ہر وقت اسے تڑپاتا رہتا تھا۔

''پاگل ہوگئی ہے جوان بیٹی یوں اچانک سے لوگ کیا بولیں گے۔ سب لوگ شک کریں گے ہم پر۔'' بشیرا نے اس کی بات مسترد کر دی تھی۔

''دیکھ بشیرے تو ٹھنڈے ہو کر میری بات غور سے سن میں یہاں بستی میں کہہ دوں گی کہ یہ میری بہن کی کڑی ہے۔ بہن مر گئی تو یہ میرے پاس آ گئی یہاں پر بھلا کون ہمارے رشتے داروں کو جانتا ہے اور یہ ویسے بھی پردہ کرتی ہے اسے کوئی دیکھ بھی نہ پائے گا بس تو ہاں کر دے بشیرے یہ میری خواہش مان لے۔''

شریفاں نے عاجزی سے بشیرا کے ہاتھ تھام کر التجائیہ انداز میں کہا بشیرا نے کچھ دیر سوچا پھر ہار مانتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''اچھا ٹھیک ہے یہ ہماری بیٹی بن کر یہاں رہے گی مگر.....''

''مگر کیا.....؟'' شریفاں کے ساتھ ساتھ گل مینا نے بھی اس کی طرف دیکھا تھا۔

''مگر.....گل مینا یہ بات اچھی طرح ذہن میں بٹھا لے کے تجھے اللہ کے نام پر ہم اپنی بیٹی بنا کر رکھیں گے اور تو کبھی بھی ہمیں اپنے فیصلے پر شرمندہ ہونے کا موقع نہ دینا۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیں کل کو تجھے لے

کر افسوس ہو کہ ہم نے غلطی کی تھی۔" بشیرا نے گل مینا کو مخاطب کیا تھا۔

"میں خود مجبور بے بس اور غم کی ماری ہوں میں بھلا کیا کروں گی مجھے بس شہزاد کو ڈھونڈنا ہے اس میں میری مدد کر دینا ابھی مجھے صرف پناہ چاہیے۔ ایسی پناہ جہاں مجھے ڈر نہ ہو۔" گل مینا کا لہجہ مایوس کن تھا۔

"اب تو فکر نہ کر ہم نے تجھے بیٹی بولا ہے تو اللہ کی قسم بیٹی ہی سمجھیں گے تیرا ہونے والا گھر والا تجھے مل جائے دعا بھی کریں گے اور کوشش بھی بس تو بے فکر ہو کر رہ اور ہاں۔ یہاں پر میں سب سے یہی بولوں گی کہ تو میری مری بہن کی بیٹی ہے۔"

"تجھے کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" شریفاں نے اس کے پاس آ کر ملائمت سے کہا تو بشیرا نے بھی آگے بڑھ کر اس کے سر پر دونوں ہاتھ رکھ دیے تھے۔

"پتر تجھے بیٹی بولا ہی نہیں دل سے مانوں گا بھی تو بالکل فکر نہ کرنا اپنا گھر سمجھ کر جہاں ہم رہیں ہمارے ساتھ رہنا۔" شریفاں اور بشیرا کی آنکھیں بھی بے ساختہ بھیگ گئی تھیں۔

کہتے ہیں اللہ ایک در بند کرتا ہے تو دوسرا کھول دیتا ہے وہ جن حالات سے گزر کر یہاں تک آئی تھی اور آگے کا سوچ کر پریشان ہو رہی تھی اللہ کی طرف سے وہ مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا مگر وہ باہر نکلنے کا سوچ کر خوف زدہ ہو رہی تھی۔

"تو گھبراتی کیوں ہے یہ کپڑے اتار کر میرے کپڑے پہن لے اور سر پر چادر کو ہمیشہ لپیٹے رکھنا کہ منہ بھی چھپا رہے یہاں پر کوئی کسی پر دھیان نہیں دیتا سب لوگ اپنے اپنے روٹی پانی کے چکر میں لگے رہتے ہیں۔"

"آج یہاں تو کل وہاں ہمارا تو کام ہی گھومتے رہنا ہے۔"

شریفاں نے کہا تو گل مینا سر ہلا کر رہ گئی۔

"اس بار تو یہاں پر لمبا پڑاؤ ہو گیا ہمارا۔" بشیرا بھی بولا تھا۔

"اچھا شریفاں میں ذرا کاغذ لے آؤں۔"

بشیرا نے قمیض کی آستین سے چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا تو شریفاں نے اثبات میں سر ہلایا بشیرا باہر کی طرف چل دیا۔ تب شریفاں نے اس کو بتایا کہ اس کی شادی کو بہت سال ہو گئے ہیں اللہ نے بے اولاد رکھا اور وہ لوگ رنگین کاغذوں سے مختلف چیزیں بناتے ہیں اور دونوں میاں بیوی وہ کھلونے لے کر بڑی روڈ کی طرف جاتے ہیں وہاں پر ایک چھوٹا سا بازار تھا اور گاڑیاں بھی آتی جاتی تھیں روڈ کے دوسری طرف سوسائٹی تھی جبکہ روڈ کے اس طرف پان کے کھوکھے، چائے کے ہوٹل، چھوٹا سا بازار اور بڑا سا میدان تھا وہیں جا کر بستی کے بیشتر لوگ تھوڑا بہت روپیہ کما لیتے بازار سے کھانے پینے کی چیزیں لے کر شام ڈھلنے سے پہلے لوٹ آتے۔ گل مینا نے بھی شریفاں اور بشیرا کے ساتھ رنگین کاغذ کے ہاتھ کے پنکھے، پھرکیاں، بچوں کے ہوا سے چلنے والے پنکھے اور مختلف چیزیں بنانا سیکھ گئی تھی۔ صبح صبح ناشتے سے فارغ ہو کر وہ تینوں گھر سے نکل جاتے۔ اپنے آپ کو پوری طرح سے رنگین چادر میں چھپائے صرف سوراخوں کے ذریعے آنکھیں کھولے گل مینا ہر طرف ہر راستے پر بس شہزاد کو ڈھونڈتی تھی۔ اس کا دل چاہتا کہ کبھی روڈ کے اس طرف سے کبھی بازار کے اندر سے کسی رکشے کے پاس کسی بس کے اندر کہیں بھی شہزاد کی ایک جھلک نظر آ جائے۔ وہ ہر صبح امید لے کر گھر سے نکلتی اور سہ پہر کو ٹوٹی ہوئی امید کے ساتھ لوٹ آتی۔ کبھی کبھی اس کو شدت سے اماں، ابا، صغراں خالہ، ستارہ اور جمال چاچا کی یاد آ جاتی ان کے ساتھ گزارے وقت کی خوبصورت یادوں میں کھو جاتی بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تب شریفاں اسے سمجھاتی وہ خود بھی دکھی ہو جاتی۔ تقدیر اسے کہاں سے کہاں لے آئی تھی۔ رنگین کاغذوں کے درمیان بیٹھی جب وہ آنسو بہاتی تو گرنے والے آنسو بھی کاغذ کے ساتھ رنگین ہو جاتے مگر زندگی ویسی ہی تھی نے رنگ پھیکی امید اور آس پر گزارے جا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

شہزاد گاڑی سے اترا آج وہ بہت خوش تھا وہ گل مینا کے ساتھ ساتھ ستارہ کے لیے بھی بہت ساری چیزیں لے کر آیا تھا۔ وہ اچانک سے آیا تھا گل مینا سے ملنے کو بے چین تھا پہلی بار وہ ایک ماہ بعد لوٹا

تھا اور اس ایک ماہ میں کتنی بار دل کی تمام تر شدتوں سے مینا کو یاد کیا مگر یہ سوچ کر آپ ہی آپ مسکرا دیتا کہ اب کی بار تو گل مینا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے پاس آنے والی تھی۔ کبھی نہ جانے کے لیے اور پھر بہت جلد وہ سب لوگ شہر لوٹ جاتے۔

کتنے ڈھیر سارے ارمان لیے آنکھوں میں خوبصورت خوابوں کو سجائے وہ گھر کی سمت جا رہا تھا۔

بس اماں اور ستارہ سے ملتے ہی گل مینا کی طرف جاؤں گا وہ یقیناً مجھ سے ناراض ہوگی پھر سے مناؤں گا۔

وہ آپ ہی آپ مسکراتے ہوئے گھر میں داخل ہوا۔

حسبِ معمول ستارہ صحن کے اس کونے میں نظر نہیں آئی جہاں ہمیشہ شام کے اس وقت باورچی خانے کے پاس بنے مٹی کے چبوترے پر بیٹھی اپنی گڑیا سے کھیل رہی ہوتی اس کے سامنے چائے کا کٹورہ ہوتا اور وہ اماں کے ساتھ باتیں بھی کرتی ہوئی اور شرارتوں کے ساتھ ہنستی کھلکھلاتی نظر آتی مگر آج صحن میں خاموشی تھی چولہا بند تھا۔

"اماں.....اماں....."

وہ آوازیں دیتا ہوا اندر آیا تب سامنے کے کمرے سے صغراں باہر نکلی۔ غیر متوقع اور اچانک سے شہزاد کو سامنے دیکھا۔ کچھ دیر تک صغراں اسے دیکھتی رہی پھر دیوانہ وار اس کی سمت دوڑی اور اس کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"کیا ہوا اماں خیریت تو ہے ستارہ کہاں ہے؟ اماں گل مینا، ماسی سب ٹھیک ہیں ناں کیا ہوا اماں بتا تو سہی؟"

شہزاد کا دل اچھل کر حلق میں آ رہا تھا۔ صغراں کا یہ غیر متوقع طور پر استقبال کرنا۔ اس کے لیے نہایت تکلیف دہ تھا کہ وہ بری طرح گھبرا گیا تھا۔

"سب کچھ ختم ہو گیا شہزاد تو نے اتنی دیر لگا دی سب ختم کو گیا۔ صغراں پاگلوں کی طرح بول رہی تھی۔

شہزاد کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ہوا کیا ہے؟'' اس نے مٹکے سے پانی نکال کر اماں کی طرف بڑھایا۔ صغراں نے جب بات بتائی تو شہزاد شدتِ غم سے پاگل ہو گیا۔ اس کی کنپٹیاں سلگنے لگی تھیں آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

''یہ سب ہو گیا اماں۔ میں، میں وہاں پر تھا اماں میں ملکوں کا خون پی جاؤں گا۔ اس نے اتنا ظلم کیا ہے۔ ہم انسان ہیں کوئی جانور نہیں ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ ایسا کرے میں جان سے ماردوں گا تباہ کر کے رکھ دوں گا۔''

شہزاد مٹھیاں بھینچے غصے میں آپے سے باہر ہو رہا تھا۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی ملکوں کی بوٹیاں کر دے۔

''تو کیا ان کا حشر کرے گا پتر رب سائیں نے ان کو خود سزا دے ڈالی ہے۔ دیکھ تو میرا رب بھی کیسا انصاف کرتا ہے کتنی جلدی فیصلہ کر لیا میری معصوم گل مینے کی بددعا نے کیسا رنگ دکھایا اس واقعے کو دس پندرہ دن ہوئے ہوں گے ملک ایاز اور ملک اعجاز شہر جا رہے تھے کہ ایسا برا ایکسیڈنٹ ہوا کہ ملک اعجاز تو موقع پر ہی ختم ہو گیا اور ملک ایاز مردوں سے بھی بدتر اپاہج ہو کر بے ہوش ہسپتال میں پڑا ہے دیکھ لے اللہ پاک نے کیسا بدلہ دیا ہے ان ظالموں کو وہ ملکانی جو کبھی پلنگ پر بیٹھی حکومت کرتی تھی آج حویلی میں فقیرنیوں کی طرح جی رہی ہے اس کے رشتے داروں نے حویلی پر قبضہ کر لیا ہے اک ہی تو بیٹا تھا اس کا سارا غرور سارا نشہ اور ظلم خاک میں ملا گیا ہے۔ سر کا سائیں چھن گیا جوان بیٹا موت کے سامنے کھڑا ہے تو کیا سزا دے گا پتر۔''

صغراں نے کہا تو شہزاد نے ہتھیلی پر مکا مارا۔

''مگر اماں ہمارا خاندان تو اجڑ گیا ہے میری گل مینا..... اماں گل مینا کہاں چلی گئی کہاں ہو گی کس حال میں ہو گی یا اللہ یہ کیا ہو گیا؟ ستارہ..... ستارہ کہاں ہے اماں؟'' وہ ابھی تک نظر نہیں آئی۔

اچانک شہزاد کو ستارہ کا خیال آیا۔

''ادھر آ.....''

صغراں نے اشارہ کیا وہ کمرے میں داخل ہوا سامنے دری پر ستارہ خاموش لیٹی تھی چپ چاپ آنکھیں کھولے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

نہ آنکھوں میں کوئی چمک تھی نہ چہرے پر وہ تاثر جو شہزاد کو دیکھ کر ابھرتا تھا بارہ تیرہ برس کی وہ کھلکھلاتی اور ہرنی کی طرح اچھلتی کودتی ستارہ یوں چپ پڑی تھی جیسے آس پاس کی کوئی خبر نہ ہو۔

''کیا ہوا ہے اماں اسے؟ اس کی طبیعت خراب ہے کیا؟'' شہزاد تڑپ کر ستارہ کے پاس پہنچا اور اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''پتا نہیں کیا ہوا پتر اتنا بڑا دکھ دیکھ کر پہلے تو خوب روئی پھر ڈر گئی ہمیشہ میرے ساتھ چمٹی رہتی اور پھر یوں چپ ہو گئی نہ بولتی ہے نہ پہلے کی طرح بھاگتی دوڑتی ہے نہ شرارتیں اور نہ وہ پیاری پیاری باتیں کرتی ہے۔''

صغراں کہتے کہتے رو پڑی تھی۔

''کسی کو دکھایا تو نے؟''

''ہاں پتر حکیم، ڈاکٹر عامل سب کو دکھایا جمال دین بھائی اس کو لے کر سب جگہ گئے مگر سب کہتے ہیں ڈر گئی ہے خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔''

''یا اللہ..... ستارہ میری چندہ میری گڑیا دیکھ تو تیرا بھائی آیا ہے؟ تیرے لیے بہت ساری چیزیں لایا ہوں بول میری لاڈو سلام بھی نہیں کرے گی اپنے بھایا کو۔''

شہزاد ستارہ کو گود میں لے کر اسے زور زور سے ہلانے لگا۔

ستارہ بس پٹ پٹ اسے دیکھ رہی تھی۔

قسط نمبر 2

اماں.....اماں یہ سب کیا ہو گیا؟ کیسے میرا ہنستا بستا آشیانہ اجڑ گیا دیکھ.....دیکھ میں تو ویاہ کے لیے کیا کیا لایا تھا؟ اس نے بیگ کھولا۔ ستارہ کے لیے لال لہنگا، جھمکے، پراندہ، چنری چوڑیاں گل مینا کے لیے چمک دار کپڑے، عطر، مہندی اور گولڈن چوڑیاں، نیل پالش، لپ اسٹک وہ پاگلوں کی طرح ایک ایک چیز نکال کر زمین پر پھینک رہا تھا۔ شدت غم سے نڈھال ہو رہا تھا۔ صغریٰ نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

صغراں کی حالت بھی بری تھی وہ کئی دن سے یہ غم سہتی آ رہی تھی۔ آج بیٹے کو دیکھ کر پھر سے سب کچھ تازہ ہو گیا تھا۔ صغراں کی گود میں منہ چھپا کر شہزاد بچوں کی طرح بلک بلک کر رو دیا سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ سارے سپنے بکھر گئے تھے گل مینا سے ملنے کی تڑپ ہنوز برقرار تھی۔ شہزاد کی حالت پاگلوں جیسی ہو گئی تھی وہیں ہرنی جیسی بہنا خاموش لاش کی صورت سامنے پڑی تھی سامنے زمین پر شہزاد جو سامان شہر سے لایا تھا وہ بکھرا پڑا تھا ایک ایک چیز خریدتے وقت شہزاد کو گاؤں کی یاد آئی تھی۔ یہ چیز دیکھ کر ماں خوش ہو گی یہ دیکھ کر گل مینا اور ستارہ تو یہ لہنگا دیکھ کر ناچنے لگے گی فوراً اپنی سہیلیوں کو دکھانے کے لیے بھاگے گی مگر یہاں تو سب کچھ بکھر گیا تھا سب کچھ ختم ہو گیا تھا اور گل مینا کا غائب ہو جانا سب سے زیادہ تکلیف دہ اور اذیت ناک تھا وہ مر جاتی تو تسلی ہو جاتی مگر وہ کہاں ہو گی کس حال میں ہو گی؟ یہ سوال ننگی تلوار بن کر شہزاد کے سر پر لٹک رہی تھی یہی سوچ اس کو پاگل کر رہی تھی۔

اماں.....چل اماں ہم ایک پل بھی یہاں نہیں رکیں گے اس گاؤں میں یہ قاتل گاؤں ہے اماں

میری بہنا کو کھا گیا میری بہنا کو..... وہ صغراں سے دوبارہ لپٹ کر رونے لگا۔ صغراں کی خود عجیب حالت تھی شہزاد دونوں ہاتھوں سے سامان سمیٹنے لگا۔

اماں میں نے اب یہاں نہیں رکنا۔

ذرا دم تو لے لے پتر شام ڈھلنے لگی ہے ابھی کیسے جائیں گے؟ گھر سمیٹنا اتنا آسان نہیں ہے سالوں سے سجا کر رکھا ہے اس کو۔ صغراں کا لہجہ بے بسی میں ڈوبا ہوا تھا۔

تو ماسی بختاں اور اپنے ماسا کی قبر پر فاتحہ تو پڑھ لے پتر وہ انتظار میں ہوں گے۔ صغراں کی بات پر شہزاد نے زخمی نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا پھر اٹھ کر وضو کیا اور تیز تیز قدموں سے قبرستان کی طرف چل دیا۔

حسب معمول شام کا وقت جمال دین کچھ دیر حمید کی قبر پر جا کر بیٹھتا فاتحہ پڑھتا اور اس سے باتیں کرتا رہا پھر لوٹ آیا..... یہ وقت وہ روزانہ حمید کے ساتھ اس کے چھوٹے سے کچے آنگن میں بیٹھ کر چائے پیتا تھا..... پندرہ بیس منٹ بختاں، گل مینا اور حمید کے ساتھ گزارتا آج تک بھی شام کو وہ دانستہ طور پر حمید کے پاس آ جاتا تب اسے کچھ سکون ملتا اب بھی وہ آنکھیں پونچھتا ہوا قبرستان سے باہر نکل رہا تھا کہ سامنے سے شہزاد آتا ہوا نظر آیا۔

اوئے پتر شہزاد تو..... تو کب آیا؟ سامنے شہزاد کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔ بے اختیار اس کی جانب بڑھا بانہیں پھیلائیں شہزاد کے چوڑے بازوؤں میں سما کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

یہ سب کیا ہو گیا کا کا؟ میں تو سب کو ہنستا ہوا چھوڑ کر گیا تھا۔ شہزاد نے روتے ہوئے کہا۔

بس پتر..... رب کی مرضی پر اللہ نے ملکوں کو خوب سزا دی ہے..... میں نے بہت کوشش کی پتر کہ وہ لوگ یہاں سے نکل جائیں مگر رب کی مرضی نہ تھی۔ جمال دین آنکھیں صاف کرتا ہوا بولا۔ شہزاد نے رومال سے منہ پونچھا اور فاتحہ پڑھنے لگا۔

دو دن بمشکل شہزاد نے کانٹوں پر گزارے۔ وہ فوراً شہر واپس جانا چاہتا تھا کہ کیا کرتا یہاں رہ کر شہر میں شاید گل مینا نظر آ جائے۔

یہ امید تھی جانے سے پہلے وہ جمال دین سے ملنے آیا تھا۔

جمالے کاکا تو بھی ہمارے ساتھ شہر چل..... یہاں اکیلا رہ کر کیا کرے گا؟

نہ پتر میں بوڑھا وہاں جا کر کیا کروں گا؟ میرے باپ، دادا، ماں، باپ میرا ویر حمید سب یہاں دفن ہیں میں ان کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا روز شام کو میرا یار میرا انتظار کرتا ہے۔

وہ چائے نہیں پیتا میرے بنا میں اس کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ تو جا پتر، تجھے بہت سارا جینا ہے تجھے گل مینا کو ڈھونڈنا ہے رب تیری مدد کرے میں یہاں بیٹھ کر تیرے اور گل مینا کے واسطے اور اپنی ستارہ کے واسطے بہت دعا کروں گا..... اللہ پاک تم سب کو بہت بامراد کرے میں تو اپنی جند جی لیا جو تھوڑے بہت دن بچے ہیں بس اپنی مٹی کے سنگ جی لوں گا تو جا پتر اپنی ماں بہن کا خیال رکھنا اور گل مینا مل جائے تو اپنے کاکے کو ضرور خبر دینا۔

جمال دین نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر دھیمے لہجے میں کہا تو شہزاد ہونٹ کاٹ کر سر ہلانے لگا۔

اللہ پاک تیری زبان مبارک کرے کاکا۔ وہ زیر لب بڑبڑایا جاتے ہوئے کچھ دیر کے لیے حمید کے چھوٹے سے گھر کے سامنے ٹھہرا تھا کیسا اجاڑ، ویران پڑا تھا وحشت ٹپک رہی تھی کبھی یہ گھر یہ چھوٹا سا آنگن آباد تھا..... گل مینا کی ہنسی کی آواز گونجا کرتی تھی اور آج یہاں وحشت برس رہی تھی۔ دروازے پر پڑا کاٹن کا ملگجا سا پردہ اور جب وہ چھٹی پر آتا تو اس ملگجے سے پردے کے پیچھے سے گل مینا کا بے تاب چہرہ نظر آتا وہ اس وقت شہزاد کی منتظر ہوتی نجانے کیسے اسے خبر ہو جاتی کہ وہ جو کبھی بھی دروازہ کھولنے بھی نہیں آتی چاہے حمید بھی آیا ہو مگر بختاں اسے سختی سے منع کرتی کہ دروازے پر مت آنا مگر یہ گل مینا کی وارفتگی تھی اس کی دیوانگی اور شہزاد سے دل کا ایسا سچا رشتہ تھا کہ شہزاد گلی میں داخل ہوتا اور ادھر گل مینا سر پر

چنری ڈالے پردے کے پیچھے کھڑی ہوتی جیسے جیسے شہزاد کے قدم گھر کی جانب آتے جاتے ویسے ویسے گل مینا کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگتی اور عین اس وقت جب شہزاد دروازے پر آتا تو گل مینا کا بے تاب چہرہ پردے کی اوٹ سے نکل آتا۔

ہائے میری جند جان لگتا ہے بادلوں کے پیچھے سے چاند نکل آیا ہو.....گل مینے تجھے کیسے خبر ہوتی ہے کہ میں آیا ہوں۔ شہزاد بے تابی سے آگے بڑھ کر اس کے خوبصورت چہرے کو نگاہوں کے حصار میں لے کر سوال کرتا۔

دل کہتا ہے میرا..... پگلے تو نہیں جانتا یہ دل ہے ناں اسے ساری خبریں ہوتی ہیں اور تو.....تو میرے دل میں رہتا ہے مجھے کیسے خبر نہ ہوگی۔ گل مینا اپنی حسین آنکھیں پھیلا کر اتراتی۔

ہائے سچی.....ایسے نہ دیکھا کر ظالما دل بے ایمان ہونے لگتا ہے۔

شہزاد آنکھوں میں خمار لیے اس کی جانب جھکتا اور وہ بے خود ہونے لگتی۔

اوئے مینے! بس اندر آجا کواڑ سے ہٹ جا۔

تب ہی اندر سے بختاں کی آواز آتی اور وہ دونوں چونک جاتے۔

آئی اماں! گل مینا چھینپ جاتی شہزاد کے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ آجاتی وہ اچانک چونک گیا پاس سے تیزی سے بلی بھاگی تھی۔ آنکھیں جھپک کر دیکھا وہ دروازہ ویران تھا نہ وہ مسکراہٹیں تھیں نہ وہ والہانہ پن ہر چیز پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔

کہتے ہیں جب انسان اندر سے دکھی ہو تو ہر چیز دکھی دکھائی دیتی ہے ادھر تو شہزاد پر اتنی بڑی قیامت ٹوٹ پڑی تھی کہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ گاؤں جائے گا تو یہ قیامت اس کی منتظر ہو گی مختصر سامان کے ساتھ وہ اماں اور ستارہ کو لے کر شہر آ گیا ویسے بھی شہر اس نے دو کمروں کے چھوٹے سے گھر کی بات کر رکھی تھی۔ صغراں گاؤِ چھوڑتے وقت بہت اداس تھی یہیں بچپن گزرا شادی ہوئی بچے

ہوئے خاوند فوت ہوا اچھے برے دن سب اس گاؤں سے جڑے تھے اس نے سوچا بھی نہ تھا یوں ایک دن گاؤں چھوڑ کر جانا پڑے گا حالات ایسے بھی ہوں گے تقدیر یہ وقت بھی دکھائے گی ستارہ کو دیکھ دیکھ کر صغراں ویسے ہی ادھ مری ہو جاتی تھی۔

☆.....☆.....☆

شریفاں گل مینا کا خیال بالکل اپنی بیٹی کی طرح رکھتی تھی اس کی ذرا سی تکلیف پر پریشان ہو جاتی۔ وہ اداس ہوتی تو اس کو بہلانے کے لیے پرانے قصے سنانے لگتی گل مینا بھی شریفاں سے محبت کرنے لگی تھی آج کل کے مادہ پرست دور میں جہاں سگے رشتے بھی اپنے نہیں ہوتے یوں کسی غیر کو جگہ دینا عزت اور رشتہ دینا بیت بڑی بات تھی اس ہی بات کو لے کر گل مینا بشیر اور شریفاں کی بالکل ماں باپ کی طرح عزت کرتی ان کا خیال رکھتی موسم سرد ہو یا گرم حالات اچھے ہوں یا برے انسان دکھی ہو یا خوش ہر کوئی وقت کا تابعدار ہوتا ہے وقت کو کسی سے مطلب نہ واسطہ ہوتا ہے وہ تو اپنی مخصوص رفتار سے گزرتا چلا جاتا ہے وقت تھا کہ گزرتا چلا جا رہا تھا۔ ہر روز نئی امید اور آس کے ساتھ گل مینا نکلتی کے شاید کہیں کسی موڑ پر شہزاد کی جھلک نظر آ جائے مگر وہ کہیں نظر نہ آتا گل مینا اب یہاں کے ماحول میں ڈھل چکی تھی آس پاس کے لوگ بھی آتے جاتے رہتے کبھی کوئی آتا تو کبھی کوئی جاتا ان لوگوں کا کام ہی جگہ جگہ پڑاؤ ڈالنا تھا.....ایک بشیر اور شریفاں ہی تھے جو موقع سے فائدہ اٹھا کر یہیں جمے رہ گئے تھے۔

گل مینا! ایک بات بولوں؟ ایک روز پنکھے بناتے ہوئے شریفاں نے گل مینا کو مخاطب کیا۔

بول اماں..... بھلا پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ گل مینا نے کاغذ پر لئی لگاتے ہوئے نگاہ اوپر اٹھائی۔

دیکھ کڑیے تیرا بابا کہہ رہا تھا کہ ہم کب تک یوں ہی بیٹھے رہیں گے..... پتری وہ چاہتا ہے کہ تیرا نکاح پڑھا دے.....اس کے ساتھ کھلونے بیچنے کے واسطے وادی کی پرلی طرف سے ایک لڑکا آتا ہے بشیر ابتا رہا تھا بہت نیک اور شریف لڑکا ہے وہ.....اس کو تیرے واسطے پسند کر لیا ہے اور اس سے بات بھی

کر لی ہے تیرے بابا نے۔

نہیں.....اماں نہیں۔شریفاں کی بات پر گل مینا تڑپ کر بولی۔

میں شادی نہیں کروں گی اماں.....میں شہزاد کے علاوہ کسی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی بچپن سے آج تک صرف اور صرف شہزاد کے لیے سوچا ہے اس کے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائیں اور میں یہ قسمیں توڑ نہیں سکتی میں نے شادی کے لیے سوچنا بھی نہیں ساری عمر شہزاد کی تلاش میں گزار دوں گی اگر نصیب میں ہوگا تو مل جائے گا اور نہیں تو اسی کا نام لیتے لیتے مر جاؤں گی۔اس کا لہجہ گلوگیر ہوا۔

تو نادان ہے کڑیے میرا یا بشیر کا دم کب تلک تیرے ساتھ رہے گا.....کل کو ہم مر کھپ گئے حکومت نے یہاں سے اٹھا دیا تو جوان جہان خوبصورت کہاں ماری ماری پھرے گی؟ کیسے جیے گی اس دنیا میں کلی یہ بھی تو سوچ ذرا۔

اماں ایسے نہ بول.....رب سائیں تجھے اور بابا کو سلامت رکھے بس اس کا آسرا ہے مجھے..... آگے کا رب مالک ہے میں اپنی کوشش کروں گی مجھے یقین ہے اماں کہ مجھے میرا شہزاد ضرور ملے گا وہ یہیں کہیں ہوگا میں تو اس کی خوشبو دور سے جان لیتی تھی.....وہ گاؤں کی کچی سڑک پر قدم رکھتا اور میں اس کے قدموں کی دھمک اپنے دل پر محسوس کر لیتی وہ ملے گا اماں.....وہ بھی میری تلاش میں ہوگا

آج گل مینا کے لہجے میں ناامیدی یا سیت نہیں تھی بلکہ یقین تھا بھرم تھا اس کے چہرے پر آس و امید تھی۔

رب سائیں تیری مراد پوری کرے مینا۔

شریفاں نے ٹھنڈی سانس بھر کر دعا کی۔موسم بدلتے رہے وقت چلتا رہا مگر امید آس نہ ٹوٹی تھی۔سردیاں اپنے عروج پر تھیں۔شریفاں کو ہلکا بخار ہو گیا تھا اس روز بشیر نے شریفاں کو کام پر جانے سے منع کر دیا تھا کہ صبح صبح نکل کر جانے سے طبیعت زیادہ خراب ہو جائے گی سخت سردی اوپر سے صبح سے

آسمان پر کالے سیاہ بادل منڈلانے لگے تھے گل مینا نے ہی صبح چائے بنائی تھی پہلے بشیر کو ناشتہ کروایا بشیر ناشتہ کر کے سان سمیٹ کر چلا گیا تو گل مینا نے شریفاں کو چائے پاپے لا کر دیے اور ساتھ ہی بخار کی گولی جو بشیر شام کو لیتا آیا تھا وہ بھی جھلا دی ناشتے کے بعد گولی کھا کر شریفاں تھوڑی دیر سو گئی تو بخار اتر گیا تھا وہ بہتر محسوس کر رہی تھی گل مینا نے چھوٹے سے صحن میں دری بچھا دی تھی ہلکی دھوپ نکلی تو شریفاں دھوپ میں آ کر بیٹھ گئی گل مینا اس کے پاس بیٹھ کر آلو چھیلنے لگی آلو چھیلتے چھیلتے اس کو، آج شدت سے شہزاد کی یاد آ رہی تھی۔

اس کو آلو کے پراٹھے بہت پسند تھے جب بھی آتا گڑ والی چائے اور آلو کے پراٹھے ضرور بنواتا۔

ایک بات بولوں مینے! ایک بار شہزاد نے پوچھا تھا۔

بول۔ اس نے آلو چھیلتے چھیلتے نگاہ اٹھائی تھی۔

سوچ رہا ہوں شادی کے بعد آلو بیچنے لگوں۔ شہزاد کی بات گل مینا کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

مطلب؟ اس نے بڑی بڑی آنکھیں گھمائیں۔

مطلب یہ کے شادی کے بعد تیرے ہاتھ کے آلو کے پراٹھے، آلو کی بھجیا، آلو کا بھرتہ ہی تو کھاؤں گا ساری عمر۔

شہزاد کی بات پر وہ زور سے ہنس دی تھی۔

کیا ہوا گل مینا؟ شریفاں اس کو ہنستا دیکھ کر پوچھ بیٹھی اماں کی آواز پر وہ چونکی۔

کچھ نہیں اماں کچھ یاد آ گیا تھا۔ ٹھنڈی سانس لے کر ٹوکری سنبھال کر اٹھ گئی۔

یہ یادیں تو زندگی کا سہارا ہیں۔ وہ دل میں سوچنے لگی۔

دوپہر ڈھلی کے اچانک بادل گرجنے لگے ساتھ ہی بارش بھی شروع ہو گئی۔

ہائے ربا رحم کرنا۔ شریفاں نے چھت کی طرف دیکھا۔ پچھلی بارشوں میں خوب اودھم مچا تھا اس

کے بعد بشیر نے چھت پر موٹا پلاسٹک باندھ دیا تھا ٹھنڈی یخ بستہ ہوائیں بارش اور دن میں بجلی کی چمک نے ماحول میں خوف پیدا کر دیا تھا شریفاں بشیر کو لے کر ریشان تھی اتنا لمبا راستہ پیدل طے کر کے آنا تھا۔ یخ بستہ ہوائیں اور بارش میں وہ پریشان ہو رہا ہوگا۔

ہائے ربا خیر سے واپس لا دے۔ دونوں بے حد پریشان تھیں صحن میں پانی بھر چکا تھا چولہے کے پاس رکھے برتن بھی گل مینا چھوٹے سے کمرے میں لے آئی شکر ہے کمرے میں پانی نہیں آیا تھا گل مینا نے شریفاں کو پلنگ پر لٹا کر رضائی اوڑھا دی تھی کہ بخار پھر سے نہ ہو جائے۔

سہ پہر ڈھلی تو بارش رک گئی تھی موسم کھل گیا تھا مگر ٹھنڈ اور ہوائیں ہنوز ویسی ہی تھیں۔ تب ہی باہر رکشے کی آواز آئی۔

رکشے میں کون آیا ہوگا؟

گل مینا نے کہا۔

لگتا ہے ہمارے گھر کے آگے رکا ہے میں دیکھتی ہوں۔ شریفاں اٹھنے لگی۔

نہ..... نہ اماں تو مت نکل میں جاتی ہوں۔ گل مینا نے پرانی شال اچھی طرح سے لپیٹی منہ پر چادر کو سر سے لے کر اچھی طرح سے باندھا اور باہر کی طرف آئی..... رکشے سے کوئی بشیر کو سہارا دے کر اتار رہا تھا۔

ہائے کیا ہوا ابا؟ وہ بے ساختہ آگے بڑھی۔

یہ چاچا کی طبیعت خراب ہو گئی تھی شاید بخار ہو گیا ہے..... میں اس کے ساتھ ہی ہوتا ہوں دوا دلوا کر لایا ہوں اس کو ٹھنڈ لگ گئی ہے۔ اجنبی نوجوان نے سہارا دے کر اتارتے ہوئے کہا۔

ہائے اللہ..... گل مینا نے آگے بڑھ کر بشیر کو سہارا دیا۔

اب بشیر چاچا کو آرام کروانا ڈاکٹر نے آرام کا بولا ہے اور کل ڈاکٹر کے پاس لے کر بھی جانا ہے۔

نوجوان نے دواؤں کا شاپر آگے بڑھایا اور گل مینا نے تھام لیا۔

اچھا چاچا میں چلتا ہوں اپنا خیل رکھنا۔

نوجوان نے بشیرے سے ہاتھ ملایا اور دوبارہ رکشے میں جا بیٹھا۔ بشیرے کی حالت دیکھ کر گل مینا اتنی پریشان ہوگئی کہ اس سے پیسے بھی نہ پوچھے..... وہ بشیر کو لے کر اندر آئی۔

شریفاں بھی گھبرا گئی تھی بشیر کو رضائی میں لٹا کر گل مینا گرم گرم قہوہ بنا کر لے آئی۔

منع بھی کی تھا تجھے بشیرے کے آج کام پر نہ جا..... موسم جے تیور ٹھیک نہیں ہیں کیا بولا ڈاکٹر نے کیسے خراب ہوئی طبیعت؟ شریفاں نے کئی سوالات کر ڈالے۔ گرم گرم قہوہ پی کر بشیرے کی حالت کچھ سنبھلی۔

ہائے ابا میں نے تو دوا کے اور رکشے کے پیسے بھی معلوم نہیں کیے۔ اب گل مینا کو یاد آیا۔

وہ میں نے دے دیے تھے اب تو کم لگتا ہے بخار۔

گل مینا نے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

ہاں بس اچانک سے ہی سردی لگی اور بخار آ گیا قریبی ہسپتال تھا تو بیچارہ مشتاق مجھے لے گیا۔ یہ وہی لڑکا ہے جس کا ذکر میں نے کیا تھا شریفاں سے۔ بات کرتے ہوئے بشیرے نے شریفاں کی طرف دیکھ کر کہا۔

اچھا..... ڈاکٹر نے کیا بولا پھر؟

کچھ نہیں دوا دے دی ہے کل پھر بلایا ہے دن میں۔ وہ قہوے کا خالی مگ گل مینا کی طرف بڑھا کر بولا۔

کل اتنی دور کیسے جاؤ گے بابا۔ گل مینا نے کہا۔

ارے وہ رکشے والا بھی بھلا بندہ تھا مشتاق نے اس کو بول دیا ہے وہ کل دن میں آ جائے گا

اسپتال لے کر جائے گا اور واپس بھی چھوڑ دے گا۔

شکر ہے اللہ کا۔ گل مینا نے کہا۔

سچ ہے شریفاں آج کل غریبوں کے دل بہت بڑے ہیں..... دیکھو تو ذرا مشتاق سے اور رکشے والے سے بھلا میری کیا رشتے داری ہے۔

مگر دل میں ہمدردی ہے خلوص ہے اگر یہ نہ ہوتا تو پتا نہیں میرا کیا حال ہوتا آج۔

بس بشیرے اللہ سائیں بہت بڑا ہے کوئی نہ کوئی راستہ نکال دیتا ہے تو نے روٹی شوٹی کھائی؟

ہاں چھولے نان کھائے تھے پھر بخار آ گیا تھا۔ بشیرے نے کہا۔

چل پھر تو تھوڑی دیر سو جا آرام کرے گا تو بخار بھی اتر جائے گا۔

شریفاں نے کہا تو بشیر نے آنکھیں موند لیں۔

شکر ہے شریفاں کا بخار بھی بالکل ٹھیک ہو گیا تھا۔ لیکن بشیر کو رات سے پھر بہت تیز بخار ہو گیا تھا۔ شریفاں اور گل مینا مٹکے کے پانی کی پٹیاں رکھتے رہے صبح جا کر بخار کم ہوا تو وہ کچھ دیر کے لیے سویا۔

شکر ہے رکشے والا آئے گا ورنہ ہسپتال جانا بھی مشکل ہو جاتا۔ گل مینا نے کہا۔

بس دعا کرو کے اسے یاد رہے..... ایسا نہ ہو کہ سواریاں مل جائیں تو وہ بھول جائے۔ شریفاں کی بات پر گل مینا نے سر ہلایا۔ بشیر اٹھا تو اسے چائے پاپے کھلا کر شریفاں نے دوا دی۔ بخار تو کم تھا مگر کمزوری اور نقاہت بہت زیادہ ہو گئی تھی اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ دوپہر کے وقت شریفاں اور گل مینا ابھی کھانے سے فارغ ہوئے تھے کہ دروازے پر رکشے کی آواز آئی۔

اماں رکشے وا آ گیا۔ گل مینا جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ شریفاں نے دروازے پر جا کر رکشے والے کو دو منٹ رکنے کا کہا بشیر بمشکل اٹھا گل مینا نے اس کو چادر اوڑھائی سر پر اون کی ٹوپی پہنائی اور خود کو بھی اچھی طرح سے شال اور چادر کی مدد سے چھپایا اور دونوں سہارا دے کر بشیر کو لے کر باہر آ گئیں۔

رکشے والے نے بشیرے سے ہاتھ ملایا اور بیٹھنے میں مدد کی وہ ملیشاء کی شلوار قمیض سر پر موٹی اونی ٹوپی پہنے ہوئے تھا ساتھ ہی کالی چادر کو لپیٹے ہوئے رکھا تھا۔ جس سے اس کا آدھا منہ چھپا ہوا تھا۔ بشیرے کو رکشے میں بٹھا کر دونوں دو طرف بیٹھ گئیں۔

یہ میری گھر والی اور میری بیٹی ہے۔ بشیر نے نحیف آواز میں کہا تو بنا دیکھے رکشے والے نے سر ہلایا۔

بڑی مہربانی پتر تو آ گیا ساری رات اس کو بہت زوروں کا بخار تھا۔ شریفاں نے بھی اس کی پیٹھ دیکھ کر کہا وہ بنا کچھ جواب دیے صرف سر ہلا رہا تھا رکشہ ہسپتال کے دروازے پر رکا بشیر کے پیروں میں بھی شدید درد تھا اس سے اترا نہیں جا رہا تھا تب رکشے والے نے آگے بڑھ کر اس کی مدد کی ہاتھ سے اس کے پیروں کو پہلے سیدھا کیا اور کمر میں ہاتھ ڈال کر نیچے اتارا، گل مینا پیچھے ہٹ گئی۔ وہ اسی طرح سے اندر تک ڈاکٹر کے کمرے تک خود ہی لے گیا۔ شریفاں بھی اس کے ساتھ تھی۔ گل مینا جان کر پیچھے رک گئی کہ وہ اندر چھوڑ کر آئے تو وہ ڈاکٹر کے کمرے میں جائے گی۔ ڈاکٹر کے کمرے میں پہنچا کر وہ رکشے والا باہر نکلا اور تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف جانے لگا۔ شریفاں نے کہہ دیا تھا کہ وہ کچھ دیر رک کر ان کے ساتھ واپس بھی لے کر چلے..... جیسے ہی وہ باہر کی طرف جانے لگا گل مینا اندر ڈاکٹر کے کمرے کی طرف بڑھی..... دو قدم چل کر نا چاہتے ہوئے بھی گل مینا نے پلٹ کر اس کی جانب دیکھا وہ رکشے میں بیٹھنے لگا ساتھ ہی تھوڑا سا جھکا..... اس کے چہرے سے چادر ہٹی چادر کے کونے سے اس نے اپنا منہ صاف کیا اور جیسے ہی اس کا رخ گل مینا کی جانب ہوا..... گل مینا کے بڑھتے قدم ایک دم رک گئے۔ اس نے چادر کے پیچھے سے آنکھیں پھاڑ کر گل مینا کی طرف دیکھا۔ یہ..... یہ..... تو شہزاد تھا جسے ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں میں پہچان سکتی تھی۔

شہ..... شہزاد..... وہ بے ساختہ زور سے چلائی اور باہر کی سمت بھاگی اس کی آنکھیں حیرت اور خوشی سے پھٹنے لگی تھیں۔ شہزاد نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا وہ سامنے کھڑی تھی۔

آپ.....آپ نے مجھے پکارا؟ شہزاد نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

شہزاد.....تم شہزاد ہو ناں؟ وہ دوبارہ سے مخاطب ہوئی۔

ہاں.....مگر.....تم.....تم کون ہو اور تمہیں میرا نام کیسے پتا؟ شہزاد نے حیرت سے اس کے چادر میں سمٹے وجود کو دیکھا۔

شہزاد.....شہزاد..... میں گل مینا ہوں.....تمہاری گل مینا۔ شدت جذبات سے گل مینا نے چہرے سے چادر ہٹائی اور دو قدم اور قریب ہوئی۔

گل.....گل مینا.....میری گل مینا۔ شہزاد حیرت اور غیر یقینی سے گل مینا کو دیکھتا رہا اس کی آنکھوں میں حیرت خوشی اور غیر یقینی تھی۔

دونوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ خواب ہے یا حقیقت۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ گل مینا بے ساختہ اس کا بازو تھام کر بری طرح رونے لگی۔

شہزاد.....یہ تم ہو.....میرے رب نے یہ کرم کر دیا۔

شہزاد کی بھی حالت ایسی ہی تھی مگر یہ اسپتال تھا لوگ آ جا رہے تھے شہزاد نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

گل مینے .....ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ اس نے موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے کہا تب ہی شریفاں اور بشیر بھی ڈاکٹر کے کمرے سے نکل کر ڈسپنسری کی طرف آئے۔

اماں، بابا یہ شہزاد ہے..... میرا شہزاد..... یہ رکشے والا..... میرا شہزاد ہے۔ وہ بچوں کی طرح شریفاں سے لپٹ گئی۔

ہائے او میرے ربا..... سچی سچی یہ تیرا شہزاد ہے۔

شریفاں کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ بشیر بھی حیرت اور خوشی سے دیکھ رہا تھا کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یوں اچانک سے رکشے والے کی شکل میں شہزاد مل جائے گا.....اللہ کی مہربانی پر سب ہی

شکر ادا کر رہے تھے۔ شہزاد ان کو چھوڑنے آیا راستے میں مسلسل گل مینا باتیں کر رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس موقع پر کیا کرے وہ جس کے لیے اتنی قربانی دے کر آئی تھی۔ وہ یوں اچانک سے مل گیا تھا اس کی ریاضت دعائیں سب اللہ پاک نے قبول کر لی تھیں ایک بار پھر شہزاد اس کے سامنے تھا۔

اللہ کا بڑا بڑا کرم ہے کہ شہزاد پتر تو مل گیا ہم گل مینا کے لیے بہت پریشان رہتے تھے وہ کسی سے بھی ویاہ کرنے کو تیار نہ تھی اور ہم سوچتے کہ کل کو ہمیں کچھ ہو جائے یہاں سے پڑاؤ اٹھ جائے تو، تو اس کا کیا ہوگا کتنا سمجھایا کہ کسی سے شادی کر لے مگر یہ نہ مانی اچھا ہوا ناں۔ بشیر نے کہا تو شہزاد محبت سے گل مینا کو دیکھنے لگا۔

چل پتر..... تیری امانت ہے رب کا کرم ہے کہ ہم نے اپنی بیٹی کی طرح رکھا اب تو اپنی امانت لے جا..... ہم کو بھی سکون ملے۔ شریفاں نے کہا۔

صغراں ماسی اور ستارہ کیسی ہیں۔ وہ بھی یہیں پر ہیں تمہارے ساتھ؟

اچانک گل مینا نے پوچھا تو شہزاد کے چہرے کا رنگ بدل گیا اس کے چہرے پر اداسی کے سائے لہرانے لگے آنکھوں میں نمی آ گئی۔

اماں اور میری گڑیا فوت ہو گئے۔

ہائے ربا..... کیسے؟ گل مینا کو شدید دھچکا لگا تھا وہ بے اختیار رونے لگی۔

بہت لمبی لمبی باتیں ہیں گل مینا..... بتانی بھی ہیں تجھ سے پوچھنی بھی ہیں۔ شہزاد زخمی لہجے میں بولا اب وہ لوگ ایک پل کے لیے بھی الگ رہنے کو تیار نہ تھے۔

پتر ہم نے گل مینا کو بیٹی بولا ہے تو اس کو بیٹی کی طرح رخصت کریں گے..... تو جب چاہے آ کر اسے نکاح کر کے لے جانا یہ تیری امانت ہے چاہے تو آج ہی نکاح کر لے۔

بشیر جو سب کچھ دیکھ کر خود کو توانا محسوس کرنے لگا تھا اس نے شہزاد سے کہا۔

ٹھیک ہے چاچا میں کل آؤں گا.....اب جبکہ مجھے گل مینا مل گئی ہے تو اسے فوراً لے جانا چاہتا ہوں بہت ساری باتیں کرنی ہیں اس سے مجھے۔شہزاد کا لہجہ دکھی تھا۔

ہاں پتر ہم سمجھ سکتے ہیں.....گل مینا کی حالت بھی ایسی ہی ہے۔شریفاں نے گل مینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اتنے عرصے یہاں رہ کر گل مینا کو بشیر اور شریفاں سے دلی لگاؤ ہو گیا تھا اسے بھی برا لگ رہا تھا مگر دوسری جانب اس کی زندگی کا مقصد اس کا یقین اور بھروسا تھا۔جس کی آس پر وہ ایک ایک دن گزار رہی تھی۔بشیر کے دو تین دوست اور آس پاس کے لوگوں کے سامنے شہزاد اور گل مینا کا نکاح ہو گیا۔وہ جوڑا جو شہزاد نے آج تک سنبھال کر رکھا ہوا تھا وہ جوڑا پہنے گل مینا اس کے رکشے میں بیٹھ کر ایک کمرے کے چھوٹے سے گھر میں آ گئی۔

گھر آ کر نہ جانے کیوں گل مینا کا دل بری طرح بھر آیا اسے ماں باپ صغراں اور ستارہ کی شدت سے یاد آئی تھی۔اس دن کو لے کر وہ لوگ کتنے خوش تھے اور.....اور یہ دن آیا بھی کیسا کہ کوئی بھی ساتھ اور پاس نہ تھا.....نہ کوئی سکھی سہیلی نہ ماں باپ اور نہ وہی وہ گڑیا جیسی نند.....شہزاد بھی دل گرفتہ تھا اسے بھی شدت سے ماں اور ستارہ کی یاد آ رہی تھی۔

ستارہ کہتی تھی کہ بھابھو کے ساتھ مل کر یہ کروں گی، وہ کروں گی ہم لوگ شہر جا کر بہت ساری چیزیں خریدیں گے۔صغراں اور شہزاد اسے دیکھ کر مسکراتے رہتے شہزاد نے پہلے اس سے ساری باتیں سنیں اور روتے ہوئے گزشتہ تلخیوں کو یاد کر کے گل مینا نے ساری داستان سنائی کہ کس طرح وہاں سے نکلی اور کیسے یہاں تک آئی.....اس طرح شہزاد نے بھی سب تفصیل بتائی۔

شہر آ کر ستارہ کا علاج کروایا مگر پتا نہیں کیا ہوا تھا اس کو اماں کہتی تھیں شاید آسیب کا اثر ہو گیا تھا .....میری چہچہاتی چڑیا کی طرح بولتی بہنا یونہی گھٹ گھٹ کر مر گئی.....اماں کو پہلے تمہارا اور پھر ستارہ کا غم

کھا گیا..... وہ روتی رہتی کہ میں جی کے کیا کروں اللہ پاک نے کتنی آزمائشیں ڈال رکھی ہیں اور ایک رات سوتے سوتے وہ بھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ دو سال پہلے میں نے رکشہ لے لیا تھا اس آس پر کہ شاید کہیں کسی سواری کی صورت کسی اسٹاپ پر مارکیٹ میں کہیں بھی تم نظر آ جاؤ..... کبھی کبھی میرا دل بھی کرتا کہ کچھ کھا پی کر مر جاؤں لیکن ایک آس پر جی رہا تھا..... میرا دل ہر شے سے اٹھ چکا تھا۔ بس یہی سوچتا کہ گل مینا تو زندہ ہوگی..... شاید میری تلاش بھی کر رہی ہوگی اسی سوچ سے پھر سے جینے کی امنگ پیدا ہو جاتی یہ رکشہ بھی میں کرائے پر چلاتا ہوں اس گھر کا مالک فیکٹری میں میرے ساتھ تھا۔ ویسے تو اس کی شہرت اچھی نہیں تھی مگر اس نے میری بہت مدد کی اماں اور ستارہ کو لے کر آیا تو اس نے ہی یہ جگہ دی تو جب سے یہیں ہوں۔ شہزاد نے تفصیل بتائی۔

گل مینا کو بہت رونا آ رہا تھا شہزاد نے بھی کتنے دکھ اٹھائے تھے وہ تو اکیلا پڑ گیا تھا۔

چلو اب وہ سب برا خواب سمجھ کر بھول جاؤ..... رب نے ہمیں ملا دیا یہی بہت ہے اب ہم ایک دوسرے کے لیے جئیں گے۔ ایک دوسرے کا سہارا بنیں گے گل مینا میں نے تجھ کو لے کر جتنے سپنے دیکھے تھے وہ سارے پورے کروں گا۔ زندگی کو یہ خوشی جو ملی ہے ہم دونوں مل کر اس کو بھرپور طریقے سے منائیں گے۔ گل مینا کو دکھی دیکھ کر شہزاد نے محبت سے اس کے ہاتھ تھام کر کہا۔ دونوں نے ایک عزم، حوصلہ اور جذب کے ساتھ اپنی نئی زندگی کی ابتدا کی۔

گل مینا نے گھر کا جائزہ لیا یہ گھر ایک چھوٹے سے کمرے کا تھا مختصر ترین صحن، باورچی خانہ اور غسل خانہ پر مشتمل یہ گھر بہ مشکل ساٹھ گز کا ہوگا اس کے برابر میں خاصا بڑا گھر تھا جہاں پر مالک مکان سلطان رہتا تھا جس کے حوالے سے شہزاد نے تاکید کی تھی کہ وہ دروازے پر آئے تو دروازے کو کھولنا نہیں اور نہ ہی اس سے زیادہ بات کرنا..... وہ شہر میں اکیلا رہنے والا آدمی تھا اس لیے اس کی گیدرنگ بھی اچھی نہیں تھی دوسری جانب غفور چاچا کی فیملی آباد تھی۔ غفور چاچا کے دو بیٹے دوسرے شہر میں نوکری کرتے

تھے۔ غفور چاچا اور کنیز چاچی یہاں پر رہتے تھے۔ وہ بھلے لوگ تھے ہمدرد بھی تھے جو شہزاد کا بھی خیال رکھتے تھے۔

کمرے میں ایک پلنگ تھا جس پر ملگجی سی چادر بچھی تھی۔ ایک تکیہ جس پر میلا سا غلاف تھا ایک کرسی چھوٹی سی میز اور ایک لکڑی کی چھوٹی سی الماری تھی جس میں شہزاد کے کپڑے تھے۔ چھوٹے سے باورچی خانے میں ایک گیس کا انتہائی گندہ چولہا رکھا تھا۔ اسٹیل کے برتن اور مصالحوں کے ڈبے، دو چار مگ پلیٹیں اور ہانڈیاں۔ صغراں کی موت کے بعد شہزاد خود ہی کھانا پکاتا نہ صفائی کا احساس تھا نہ برتنوں کو سلیقے سے رکھنے کی ضرورت صبح چائے پی کر کبھی کبھار ایک بسکٹ کھا کر گھر سے نکلتا۔ کبھی تو ناشتہ بھی باہر سے کرتا دوپہر تک رکشہ چلاتا دوپہر میں باہر سے ہی کسی سستے سے ہوٹل سے کھانا کھا لیتا پھر سواریاں پکڑتا اس طرح رات کو بھی باہر سے کچھ کھا کر آ جاتا تھا۔ اس کے گھر آتے ہی سلطان آ جاتا حساب کتاب کر کے پیسے وصول کر لیتا تھا شہزاد تھکا ہارا گھر آتا اور سو جاتا کبھی کبھی دل کرتا تو چائے بنا لیتا گھر اجاڑ پڑا رہتا سب سے پہلے گل مینا نے گھر کو سمیٹنا شروع کیا ایک اور پلنگ کی چادر پلنگ کے نیچے رکھی تھی شاید وہ بھی میلی تھی کبھی کبھی مہینے میں ایک بار شہزاد کپڑے دھو لیتا اس لیے مہینوں چادریں نہ اٹھاتا گنتی کی دو چادریں تو تھیں صبح اٹھ کر گل مینا باورچی خانے میں آئی تو سارے ڈبے خالی پڑے تھے نہ پتی نہ دودھ اور چینی..... نہ آٹا نہ ہی گھی بھلا کیسے ناشتہ تیار کرتی۔

شہزاد اٹھو مجھے ناشتے کا سامان لا کر دو۔ گل مینا کی آواز پر شہزاد نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں وہ تو روز کی طرح کا دن سمجھ رہا تھا مگر سامنے گل مینا کو دیکھ کر پوری طرح سے آنکھیں کھول دیں تب یاد آیا۔ شہزاد کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

چھوڑ ناشتہ واشتہ آ جا تو بھی سو جا۔ شہزاد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا۔

دیکھو تو کتنا دن نکل آیا شہزاد..... رکشہ لے کر جانا نہیں ہے کیا؟ وہ شہزاد کی مضبوط بانہوں میں آ

کر کسمسائی۔

نہیں آج چھٹی ہے.....اتنا بڑا دن ہے آج.....آج بھی جاؤں کیا؟ شہزاد نے کان میں کہا تو وہ شرما گئی۔

شہزاد کے سینے سے لگ کر کتنا سکون ملا تھا۔ یہ لمس، یہ پیار، یہ وارفتگی اس کو تو وہ ترس رہی تھی۔

رکشہ اپنا تو تھا نہیں کہ وہ ہفتہ بھر آرام کرتا دو دن بعد ہی سلطان نے پیسوں کا پوچھ لیا تو تیسرے دن شہزاد رکشہ لے کر نکلا اور گل مینا نے گھر کو سنبھالا اس نے تفصیلی صفائی کی۔

باورچی خانے کو صاف کیا شہزاد کے میلے کپڑے، چادریں دھوئیں دوپہر کھانے پر شہزاد گھر آیا تو گھر چم چم چمک رہا تھا۔

سچ ہے گل مینا عورت کے بغیر گھر گھر نہیں ویرانہ لگتا ہے ویرانہ.....جب سے اماں فوت ہوئی تب سے یہ گھر بے رونق اور ویران تھا لیکن اب کتنا اچھا لگ رہا ہے پہلے گھر آتا تو وحشت ہوتی تھی۔ در و دیوار دیکھ کر خوف آتا تنہائی کا احساس ڈستا مگر اب قسم سے گھر سے جانے کا دل ہی نہیں کرتا من کرتا ہے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تیرے سامنے بیٹھ کر تجھے دیکھتا رہوں۔

شہزاد کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ ایسی جاندار، بھرپور اور خوبصورت ہنسی پتا نہیں کتنے دن بعد وہ ہنسی تھی۔ اسے خود بھی یاد نہیں تھا وہ اپنی ہنسی کی آواز تک بھول گئی تھی۔ شہزاد اسے وارفتگی سے دیکھ رہا تھا بشیر اور شریفاں سے بھی ملنے کبھی کبھی چلے جاتے گو کہ اتنے برے حالات سے گزرے لیکن اب زندگی میں ٹھہراؤ آ گیا تھا۔

جو ہو چکا تھا اس کو بھول کر دونوں آنے والے دنوں کو اچھے سے اچھا بنانے کی کوشش کر رہے تھے شہزاد جو بھی کماتا پھر گل مینا اور وہ مل کر بجٹ بنا کر چین سے سلیقے سے خرچ کرتے۔ گھر بھی صاف ستھرا رہنے لگا تھا گھر میں ضرورت کی چیزوں کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ لوگ بھی خوش اور مطمئن زندگی گزار

رہے تھے۔ وقت آگے بڑھا اور خدا نے ان کی گود میں پریوں جیسی گڑیا ڈال دی تھی۔

یہ تو بالکل پری جیسی ہے گل مینے دیکھ تو..... اللہ سائیں نے ہمیں کتنی حسین بیٹی دی ہے۔ شہزاد نے اس کو دیکھا تو ننھی بچی کا ماتھا چوم کر خوش ہوتے ہوئے بولا۔ گل مینا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

اس وقت نہ نانا نانی تھے نا دادی۔

اری پگلی اس وقت اداس مت ہو..... اللہ نے ہمارے گھر رحمت بھیجی ہے دیکھنا اب اور بھی رحمت برسے گی۔ ہمارے گھر میں خوشیاں آئیں گی۔ شہزاد نے گل مینا کو افسردہ دیکھ کر اس کے ماتھے کو چوم کر کہا تو گل مینا مسکرا دی۔

مینے ہم اپنی ننھی پری کا نام پری گل رکھیں گے۔ گل مینا کی بیٹی پری گل۔ شہزاد نے نام رکھ دیا۔

ارے واہ یہ تو بہت سوہنا نام ہے شہزاد..... پری گل۔

گل مینا خوش ہو کر بولی پری گل وہ زیر لب بڑبڑائی۔

شہزاد اور گل مینا بہت خوش تھے۔ پری گل میں دونوں کی جان تھی۔ پری گل ماں باپ کی محبتوں میں پروان چڑھنے لگی دونوں اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھتے تھے اس کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ جاتے وہ بیمار ہوتی تو ساری ساری رات جاگ کر گزارتے۔ پری گل بھی صورت شکل میں گل مینا کی طرح خوبصورت تھی۔ جب پری گل ڈھائی سال کی ہوئی تو گل مینا نے اسے اسکول میں داخل کروانا چاہا۔

ارے بھئی اتنی جلدی بھی کیا ہے..... اتی سی تو ہے میری گڑیا جب چار سال کی ہو گی تب داخلہ کرواؤں گا تب تک کوئی دوسرا مہمان بھی لے آنا تا کہ تم بھی مصروف ہو جاؤ۔ شہزاد کی شرارت پر گل مینا نے جھینپ کر اسے دھکا دیا۔

تجھے تو ہر وقت بے شرمی سوجھتی ہے۔

لے اس میں بے شرمی کی کیا بات ہے تمہارا دل نہیں کرتا کہ ہمارا ایک کا کا بھی ہو جائے میرے

جیسا۔شہزاد باز نہ آیا۔

شہزاد مہنگائی دیکھ رہے ہو.....آج کل بچے پیدا کرنے میں بھی ہزاروں روپے لگ جاتے ہیں۔ گھر کا کرایہ دوسرے خرچے اب پری کا داخلہ ہوگا تو اس کے خرچے.....میں پری کو بہت سارا پڑھاؤں گی شہزاد۔اس نے بچوں کی طرح ہاتھ اٹھا کر کہا۔

سچی گل مینا تو اماں بن گئی مگر.....ویسی ہی معصوم اور چھوٹی سی بچی لگتی ہے۔پڑھا لینا خوب سارا اللہ سائیں مدد کرے گا میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ہماری پری بہت سارا پڑھ کر میم بن جائے لیکن کا کے والی بات تو وہیں رہ گئی۔

سنجیدگی سے جملہ ادا کر کے شہزاد دوبارہ شرارت پر اترا اور آنکھ مار کر بولا۔

چلو پرے ہٹو۔گل مینا اس کو مکا دکھا کر پری کی طرف بڑھ گئی جو دودھ کی خالی بوتل پھینکنے لگی تھی شہزاد زور سے ہنس دیا۔

گرمی کی سخت ترین دوپہر تھی شہزاد سواری کو چھوڑ کر روڈ تک آ رہا تھا کہ اچانک پاس ہی ایک لمبی سی کار تھوڑا سا ہچکولے کھا کر رک گئی.....شہزاد نے نیم کے درخت کی گھنی چھاؤں دیکھ کر وہیں رکشہ روک لیا تھا۔رکشے میں سے پانی کی بوتل نکال کر منہ دھویا اور رومال سے منہ صاف کر کے رکشے میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا پھر ڈرائیور نیچے اترا اور گاڑی کا دروازہ کھولا۔گاڑی سے تقریباً تیس پینتیس سالہ خاتون اتریں لباس سے وہ خاصی امیر لگ رہی تھیں۔ساتھ ہی دو لڑکے اور ایک بچی بھی اترے۔بچے اسکول یونیفارم میں تھے۔خاتون ڈرائیور کو بری طرح جھاڑ پلا رہی تھیں

کتنی بار کہا ہے کہ گاڑی جب مجھے لے کر نکلو تو اچھی طرح چیک کر کے نکلو.....تمہاری سمجھ میں یہ بات آتی ہی نہیں بے وقوف انسان.....اب یہاں کوئی ٹیکسی بھی دور دور تک نظر نہیں آ رہی۔بچوں کا

رزلٹ ہے اور ہم تمہاری لاپرواہی کی وجہ سے یہاں بیچ روڈ پر خوار ہو رہے ہیں۔ ڈرائیور سر جھکائے خاموشی سے سن رہا تھا۔ شہزاد جو سب کچھ سن رہا تھا وہ سمجھ گیا کہ اگلے چوک کے پاس یہاں کا بہت بڑا پرائیویٹ اسکول ہے۔ یقیناً بچوں کو وہاں جانا ہے ڈرائیور بیچارہ سخت شرمندہ تھا۔

بیگم صاحبہ یہاں پر ٹیکسی ملنا تو مشکل ہے وہ کافی آگے ٹیکسی کا اڈہ ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے رکشے پر چلیں بچوں کو کہیں دیر نہ ہو جائے۔

آواز پر خاتون نے پلٹ کر غور سے شہزاد کو دیکھا صاف ستھرے کپڑے پہنا ہوا وہ رکشے والا عام رکشہ ڈرائیور سے مختلف لگا ویسے کوئی عام وقت ہوتا تو وہ کبھی بھی رکشے میں نہ بیٹھتیں مگر اس وقت مجبوری تھی بچوں کے چہرے بھی لٹک گئے تھے۔

آیئے بیگم صاحبہ۔ شہزاد دوبارہ بولا تو وہ رکشے کی طرف بڑھیں بچے بھی پیچھے ہو لیے۔

ابھی کال کر کے یہاں مکینک کو بلواؤ اور گھنٹے کے اندر گاڑی ریڈی کر کے اسکول آؤ۔ انہوں نے پلٹ کر غصے سے ڈرائیور سے کہا اور بمشکل تینوں بچوں سمیت رکشے میں بیٹھ گئیں۔

نکمے لوگ ٹائم ہونے سے پہلے پیسے چاہیے ہوتے ہیں اور کام میں ایمانداری سے کام نہیں لیتے۔ کتنی بار سمجھایا کہ ہر طرح سے گاڑی کی تسلی کر کے نکلا کرو مگر سمجھ ہی نہیں آتی۔

چھوڑیں بی بی صاحبہ..... غصہ نہ کریں۔ خوشی خوشی اسکول جائیں ان شاءاللہ بچوں نے بہت اچھے سے پاس ہونا ہے۔ بچے بیچارے بھی پریشان ہو رہے ہیں۔ شہزاد نے چھوٹی والی بچی کو دیکھ کر کہا جو بہت معصوم اور پیاری لگ رہی تھی۔ شہزاد کی بات پر خاتون نے گھور کر شہزاد کو دیکھا اور خاموش ہو گئیں۔

میری بھی ایک بیٹی ہے جی یہ چھوٹی والی گڑیا کے جیسی اس کا بھی داخلہ کرواؤں گا گھر والی کہتی ہے کہ اسے خوب پڑھاؤں گی بس اللہ سائیں مدد کرے..... ماں باپ تو بہت کچھ سوچتے ہیں جی۔ وہ بول رہا تھا اور خاتون ہوں ہاں کر رہی تھیں اسکول آ گیا گیٹ پر رکشے سے اتر کر خاتون نے پرس کھولا۔

یہ لو بھائی۔ پرس سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر شہزاد کی طرف بڑھایا۔

بھائی.....آپ نے بھائی بولا ہے مجھے؟ شہزاد نے چونک کر ان کو دیکھا۔

ایک مدت کے بعد کسی کے منہ سے اپنے لیے یہ لفظ سنا ہے بیگم صاحبہ میں.....میں بہت چھوٹا اور غریب آدمی ہوں مگر آج نہ جانے کیوں.....میں ماضی میں چلا گیا.....اس لفظ کو لے کر برا نہ مانیں آپ مگر میں آپ سے پیسے نہیں لوں گا.....میرا دل نہیں کر رہا کہ آپ سے پیسے لوں۔ بس مجھے دعا دیجیے۔

وہ ہاتھ جوڑ کر عاجزانہ انداز میں بولا۔ اس کے لہجے میں انجانے دکھ بول رہے تھے۔ خاتون نے غور سے اس عجیب و غریب شخص کو دیکھا اور پیسے واپس پرس میں رکھ لیے۔ پرس سے ہاتھ باہر نکالا تو اس میں چھوٹا سا کارڈ تھا۔

اچھا یہ..... یہ میرے شوہر کا کارڈ ہے ان کا کپڑوں کا بہت بڑا بزنس ہے یہ کارڈ رکھ لو.....اگر کبھی ضرورت ہو شاید تمہارے کام آسکے۔

جی شکریہ بیگم صاحبہ۔ شہزاد نے کارڈ لے کر جیب میں رکھ لیا اچانک وہ بے حد دکھی ہو گیا تھا کتنے برسوں بعد اس کو کسی نے بھائی کہہ کر مخاطب کیا تھا یہ لفظ سننے کو تو اس کے کان ترس گئے تھے۔ شہزاد رکشے میں آکر بیٹھا اور ماضی کے دھندلکوں میں کھوتا چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

صغراں نے صحن میں بنے چھوٹے سے باورچی خانے میں چولہے میں لکڑیاں لگا کر آگ جلائی وہ شہزاد کے لیے چائے بنا رہی تھی دس سالہ ستارہ صحن کے دوسرے کونے میں چھوٹی سی دری پر اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھ کر گڑیاں سجا رہی تھی آج اس کی گڑیا کا ویاہ تھا۔ اسے شہزاد کے ساتھ گاؤں کے چھوٹے سے بازار سے اپنک باراتی سکھیوں کے لیے میٹھی گولیاں اور لڈو لانے تھے اور شہزاد اس کو مسلسل نظر انداز کر رہا تھا۔

بھائی چلناں۔ ستارہ نے پاس آکر لاڈ سے کہا۔

اچھا پر تارہ میرے پاؤں دکھ رہے ہیں ذرا سا دبا تو دے۔ شہزاد منہ بنا کر کہتا تو ستارہ ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کے پیر دبانے لگتی تھی۔

ہم..... ذرا سا آرام آیا ایسا کر میرے سر میں تیل لگا دے سر بھی دکھ رہا ہے۔ شہزاد اسے چھیڑنے کے لیے کہتا تو وہ دوڑ کر سرسوں کے تیل کا پیالہ لے آتی۔

اچھا رہنے دے مجھے پانی پلا دے بس۔ شہزاد اس کی حرکتوں سے محظوظ ہوتا رہتا تھا۔

کاہے کو تنگ کرتا ہے شہزاد..... کتنا دوڑائے گا میری دھی رانی کو۔ صغراں جو خاموشی سے شہزاد اور ستارہ کو دیکھ رہی ہوتی تھی آخر کار بول پڑتی تھی ستارہ ایک لمحے رک کر پہلے ماں کو اور پھر شہزاد کے شرارتی چہرے کی طرف دیکھتی اور سمجھ جاتی دوڑ کر آتی اور شہزاد کے مضبوط بازوؤں پر ننھے ننھے ہاتھوں سے مکے برسانے لگتی۔

مجھے پاگل بناتا ہے ناں؟

اچھا اچھا..... میری گڑیا میری رانی معافی دے دے۔ بس ذرا چائے پی لوں پھر تجھے لے کر چلوں گا اور جو تو بولے گی لے کے دوں گا۔

شہزاد اس کے ہاتھوں کو تھام کر اسے پیار سے پچکارتے ہوئے کہتا تو وہ خوش ہو کر شہزاد سے لپٹ جاتی تھی۔

کیوں تنگ کرتا ہے رے۔ صغراں چائے کا پیالہ شہزاد کے سامنے رکھتے ہوئے پیار سے دونوں کو دیکھتی تھیں۔

اماں قسم سے جب یہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے میرے کام کرتی ہے اور غصے سے مجھے انہی ننھے ننھے ہاتھوں سے مارتی ہے تو بڑا اچھا لگتا ہے مجھے..... بہت پیار آتا ہے اپنی رانی پر۔

شہزاد محبت سے کہتا تو صغراں مسکرا دیتی پھر کیسا طوفان آیا کہ اچانک وہ بھاگتی دوڑتی گڑیا بالکل

چپ ہوگئی کیسی بیماری تھی نہ ڈاکٹر سمجھے نہ حکیم وہ بستر کی ہو کر رہ گئی تھی شہزاد تڑپ کر اسے جھنجھوڑتا اسے آوازیں دیتا۔

میری رانی میری گڑیا کچھ تو بول..... اپنے ویر سے ناراض کیوں ہوگئی ہے تو دیکھ تو تیری گڑیاں تیرے بن کتنی اداس ہیں تیری ساری سکھیاں تیرا انتظار کر رہی ہیں۔ تجھے کیوں چپ لگ گئی ہے کیا سوچتی رہتی ہے تو بولتی کیوں نہیں میرے کان تیری آواز سننے کو ترس گئے ہیں کیوں مجھے نہیں پکارتی بھائی ایک بار بھائی کہہ دے میری رانی..... کچھ تو بول۔ ایک روز جب حد سے زیادہ درد بڑھا تو شہزاد خود پر قابو نہ رکھ سکا اور ستارہ کا سر اپنے زانوں پر رکھ کر تڑپ کر اسے آوازیں دینے اور دہائیاں دینے لگا تھا۔

اللہ کے واسطے ایک بار ایک بار مجھے پکار لے۔ ستارہ اسی طرح سے آنکھیں کھولے بس یک ٹک دیکھتی رہتی تھی اور شہزاد زار و قطار روتا رہتا تھا پاس ہی صغراں بھی درد کی شدتوں سے لبریز دونوں کو دیکھ رہی ہوتی تھی۔ شہزاد کے آنسو مسلسل ستارہ کے چہرے پر گر رہے ہوتے تھے۔ اس کے منہ، ناک، ہونٹوں اور آنکھوں میں بھی اچانک ستارہ کی آنکھوں کی پتلی میں ہلکی سی جنبش ہوئی تھی۔

اماں..... اماں ستارہ سن رہی ہے۔ شہزاد شدت جذبات سے چیخا۔

اماں یہ ٹھیک ہو رہی ہے۔ اس نے میری آواز سنی ہے۔

لیکن..... دوسرے ہی لمحے اس کی پھیلی ہوئی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ شہزاد نے گھبرا کر جھک کر اس کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت تھی۔ ستارہ..... ستارہ..... ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سو چکی تھی۔

ستارہ۔ وہ اتنی زور سے چیخا تھا کہ آس پاس کے گھروں میں اس کی آواز پہنچ چکی تھی۔

سنو، صدر چلو گے؟ مردانہ آواز پر وہ خیالات سے چونکا سامنے ایک ادھیڑ عمر مرد اور عورت کھڑے تھے۔

جی۔ ہتھیلی کی پشت سے نم آنکھوں کو صاف کر کے آہستگی سے جواب دیا اور سیدھے ہو کر رکشہ اسٹارٹ کیا۔

آج اتنے عرصے بعد یہی ایک لفظ بھائی نے پھر سے پرانے زخموں کو کھرچ دیا تھا۔ وہ ایک بار پھر دکھی ہو گیا تھا۔ سواری بیٹھ گئی تو شہزاد نے اللہ کا نام لے کر رکشہ چلایا اور مطلوبہ منزل کی جانب چل پڑا آتا جاتا ٹریفک، لوگوں کا شور، ہجوم رونقیں سب کچھ اسی طرح سے تھیں مگر زندگی میں کچھ لوگ جب چلے جاتے ہیں وہ خلا نہ کسی رونق سے پورا ہو سکتا ہے نہ کسی ہنگامے سے اور شور شرابے سے۔ وہ تلخ اور اذیت ناک یادیں اس خلا کو اس کمی کو مزید تکلیف دہ بنا دیتی ہیں۔ شہزاد کا سارا دن ہی اداس گزرا۔ وہ گھر آیا تو مضمحل سا تھا تھکا تھکا اور افسردہ۔

کیا ہوا خیریت تو ہے طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟

گل مینا نے اس کو دیکھ کر پوچھا۔

ہاں ٹھیک ہوں.....بس نہ جانے کیوں آج صبح اچانک سے ستارہ کی یاد آ گئی اور سارا دن بہت اداس رہا ہیں۔ شہزاد نے نلکے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا تو گل مینا بھی اداس ہو گئی۔

بس جی انسان کیا کر سکتا ہے یہ سب اللہ کے کام ہیں اور ہم صرف صبر ہی کر سکتے ہیں۔ وہ معصوم اتنا سا وقت لے کر ہی آئی تھی اور اب اس کی یاد ساری عمر ہمیں یونہی آتی رہے گی۔

گل مینا نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔ تب ہی اندر کمرے سے پری گل نکلی اور دوڑ کر شہزاد کے پیروں سے لپٹ گئی۔

بابا میرے لیے کیا لے کر آئے ہو؟ معصومیت سے روزانہ والا سوال کیا۔ شہزاد روز آتے وقت اس کے لیے کچھ نہ کچھ لے کر آتا تھا۔

ارے میں اپنی دھی رانی کے لیے چاکلیٹ لے کر آیا ہوں۔ شہزاد کا موڈ پری کو دیکھ کر خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔ شہزاد پری گل کے ساتھ مستیاں کرنے لگا اور گل مینا چائے بنانے باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔

شہزاد نے رات کو سوتے وقت کپڑے تبدیل کیے تو گل مینا اس کے میلے کپڑے اٹھا کر غسل خانے کی طرف آ گئی۔ گھر میں مشین تو تھی نہیں اس لیے وہ شہزاد کے میلے اور موٹے کپڑوں کو رات کو اچھی طرح صابن مل کر بالٹی میں رکھ دیتی اور صبح دھو لیتی اس سے کپڑے زیادہ صاف دھلتے تھے۔ قمیض کو سیدھا کیا تو اوپر کی جیب سے کارڈ نکل کر آ گرا۔

شہزاد..... یہ کیا ہے؟ گل۔ مینا نے کارڈ اٹھا کر دیکھا اور شہزاد کے پاس آ گئی۔

یہ آج ایک سواری بٹھائی تھی صبح رکشہ پر تو وہ بیگم صاحبہ نے دیا تھا۔ کہ اگر کبھی ضرورت پڑے تو آ جانا کہہ رہی تھی کہ اس کے شوہر کا کپڑے کا کاروبار ہے..... مجھے کیا ضرورت پڑے گی بھلا میں نے کونسا نوکری کرنی ہے۔ رکھ دو کہیں پر پھینکو نہیں۔

نام لکھا ہے اس پر..... شہزاد نے پری گل سے کھیلتے ہوئے سر اٹھا کر کہا تو گل مینا نے وہ کارڈ دیوار پر بنے چھوٹے سے سیمنٹ کے سلیب پر کونے میں رکھ دیا جہاں پر اس نے پلیٹیں اور اضافی چائے کے کپ اور گلاس سجا کر رکھے تھے۔

گل مینا اور شہزاد نے پرائیویٹ مگر نہایت کم خرچے والے سکول میں پری گل کا داخلہ کروا دیا تھا۔ پری گل بہت خوشی خوشی اسکول جاتی صبح اسے شہزاد اپنے رکشے پر سکول چھوڑ جاتا اور دوپہر میں کبھی وہ قریبی سواری لاتا تو اسے لے آتا ورنہ گل مینا اسے اسکول سے واپس لے آتی اب مینا میں بھی تھوڑا سا اعتماد آ گیا تھا کہ وہ پری گل کو لے کر کبھی کبھی گھر سے باہر نکل جاتی مگر مکمل نقاب میں ہوتی چھوٹی موٹی چیزیں بھی بازار سے لے آتی کبھی کبھی پڑوس میں کنیز چاچی کے پاس بھی چلی جاتی۔ کچھ اچھا سالن پکاتی تو ان کو ضرور دے آتی۔ وقت نے اس میں کافی تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ شہزاد کی سنگت میں وہ کچھ نڈر سی ہو گئی تھی ساتھ پری گل کی معصوم اور پیاری پیاری باتوں سے بھی دن بھر مزے لیتی تھی۔ پری جب سے اسکول جانے لگی تھی تب سے تو بہت باتیں کرنے لگی تھی۔ اپنے ٹیچرز کی باتیں، بچوں کی باتیں، پڑھائی

کی باتیں اور گل مینا کچھ باتیں سمجھتی اور کچھ نہ بھی سمجھتی تو اس کی ہاں میں ہاں ملا کر اسے اس بات کا احساس نہیں ہونے دیتی کہ وہ پڑھائی کا الف ب بھی نہیں جانتی۔ گل مینا نے خرچے میں سے پیسے بچا بچا کر اچھی خاصی رقم جمع کر لی تھی چند سالوں میں ہی شہزاد نے اپنا ذاتی رکشہ خرید لیا تھا اس روز شہزاد بہت خوش تھا اور گل مینا کا بار بار شکریہ ادا کر رہا تھا کہ اس نے کتنے سلیقے سے گھر کا نظام چلایا کہ اتنے کم عرصے میں اتنی ساری رقم اکٹھا کر کے دی۔ گل مینا بھی بہت خوش تھی کہ اب کسی کی محتاجی نہ تھی اپنا کام تھا اپنی ملکیت تھی نہ ٹوٹنے پھوٹنے کا ڈر اور نہ اضافی اخراجات کی فکر نہ مخصوص پیسے مالک کو دینے کی فکر اور پریشانی ..... چاہے حالات اچھے ہوں یا برے رکشہ چلے یا نہ چلے مالک کو تو روزانہ کے حساب سے مخصوص رقم دینی ہوتی تھی۔ اب وہ اس جھنجھٹ سے پاک ہو چکا تھا۔ ان کے آس پاس کی آبادی بھی ان جیسی ہی تھی چھوٹے چھوٹے کاروبار کرنے والے اور فیکٹریوں میں نوکری کرنے والے لوگ آباد تھے حالات تھوڑے بہتر ہوئے تو سوچتی اب یہ گھر بھی چھوڑ کر کم از کم دو کمروں کا گھر کرائے پر لے لیں گے کیونکہ باقی سب ٹھیک تھا مگر سلطان کے یہاں لوگوں کا آنا جانا ان لوگوں کو اچھا نہیں لگتا تھا۔

تھوڑے سے پیسے اور جمع کر لوں شہزاد تو ہم پری گل کے سکول کی طرف مکان لے لیں گے۔ اسکول بھی قریب ہو جائے گا۔

گل مینا نے کہا تو شہزاد نے اثبات میں سر ہلایا۔ پری گل پڑھائی میں بہت اچھی تھی اپنی کلاس میں ہمیشہ اول آتی۔ اس روز بھی اس کا رزلٹ تھا اور اس نے گل مینا اور شہزاد سے ضد کی کہ آج دونوں مل کر رزلٹ لینے کے لیے چلیں۔

ہاں بھئی ضرور..... میں تو ضرور جاؤں گا اپنی بٹیا کا رزلٹ لینے..... یہ بتا جب تو اول آئے گی تو اپنے بابا سے کیا تحفہ لے گی..... شہزاد نے لاڈ سے اس کو گود میں اٹھا کر پوچھا۔

ارے شہزاد اب ننھی بچی نہیں رہی ہماری گڑیا..... اب پورے دس برس کی ہو گئی ہے یوں گودی

میں نہ اٹھایا کر اب اس کو بڑی ہوگئی ہے۔گل مینا جو پاس بیٹھی آٹا گوندھ رہی تھی بول پڑی۔

ارے کیسی باتیں کرتی ہے مینے؟ میری دھی ہے تیرے برابر بھی قد نکالے گی تب بھی میں اس کو یوں ہی گودی میں اٹھا کر لاڈ کروں گا۔شہزاد نے اس کے موٹے موٹے گال چومتے ہوئے کہا۔

بابا مجھے بولنے والی گڑیا چاہیے جو انگریزی پوئم سناتی ہے اور جس کے کانوں میں لائٹیں جلتی بجھتی ہیں۔پری گل نے فرمائش کردی۔

ٹھیک ہے بھئی کل جیسے ہی ہم تیرا نتیجہ لے کر نکلیں گے تو تیرا بابا کوئی سواری نہیں اٹھائے گا بلکہ اپنی شہزادی اور اس کی ملکہ اماں کو سیدھا بازار لے کر جائے گا اور تجھے تو گڑیا چاہیے ذرا اپنی اماں سے پوچھ لے اس کو کیا لینا ہے؟

شہزاد نے پری گل کو گود سے اتارتے ہوئے کہا۔

مجھے تو تم.....مرچی ہلدی والے مصالحوں کے ڈبے اور چھلنی دلوا دینا بہت خراب ہوگئے ہیں۔

گل مینا کی بات پر شہزاد نے سر پیٹ لیا۔

عجیب عورت ہے یہ بھی یہ تو گھر داری آٹا چاول اور مصالحوں سے باہر نکلتی ہی نہیں۔

ہاں بھئی مجھے تو اپنا گھر سجانا، سنوارنا اور خیال رکھنا ہی اچھا لگتا ہے۔اپنی لاڈلی کو دلا دینا نا جو وہ بولتی ہے۔

گل مینا نے آٹے کے تسلے کو پرے سرکاتے ہوئے کہا تو شہزاد ہنسنے لگا۔

ہاں بھئی میری شہزادی کے لیے تو دل و جان حاضر ہے۔

پری گل کا رزلٹ ہمیشہ کیطرح بہت اچھا آیا تھا۔شہزاد اور گل مینا بہت خوش تھے۔

شہزاد ان کو لے کر پری گل کی خواہش پر الہ دین پارک لے گیا۔چڑیا گھر بھی گئے۔پری گل بہت خوش تھی خوشی خوشی ادھر سے ادھر بھاگتی پھر رہی تھی۔

آج پہلی بار اس طرح سے دن گزرا تھا۔شہزاد نے ان دونوں کو چاٹ اور برگر بھی کھلائے۔ آئسکریم کھائی اور جوس بھی پیا۔آج کا دن ان لوگوں کے لئے یادگار دن تھا۔شام ڈھلے وہ لوگ تھکے ہارے گھر واپس لوٹے تھے۔

شہزاد کافی سارے پیسے خرچ ہو گئے ہوں گے نا آج تو؟ گل مینا نے پری گل کو کپڑے تبدیل کرواتے ہوئے پوچھا۔

ہاں تو کیا ہوا زندگی میں پہلی بار تو ہم لوگ اس طرح گھومے پھرے ہیں۔دیکھا نہیں ہماری پری کتنی خوش تھی آج اور میں کماتا کس لیے ہوں؟ تمہاری اور پری کی خواہشات پوری کرنے کے لیے مجھے تو افسوس ہو رہا ہے کہ آج سے پہلے ہم نے کبھی ایسی خوشی نہیں منائی۔

شہزاد نے کہا۔

ارے نہیں شہزاد.....افسوس کی بات نہ کرو.....بس ہم خوش رہیں ہمارا گھر آباد رہے ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔گل مینا نے اس کی طرف دیکھ کر محبت بھرے لہجے میں کہا۔

ارے یاد آیا۔اچانک شہزاد نے کہا تو گل مینا چونکی۔

کیوں کیا ہوا؟

تمہارے مصالحوں والے ڈبے تو رہ گئے۔

شہزاد نے چھیڑنے والے انداز میں کہا تو گل مینا کو بھی ہنسی آ گئی۔

مذاق اڑا رہے ہو۔

نہیں جان من میری ایسی مجال کہاں.....ایسا کر کل پری گل کی چھٹی ہے ناں اس کے ساتھ جا کر بازار سے ضرورت کی جو چیزیں ہیں لے آنا اگر میں دن میں آ گیا تو میں چھوڑ دوں گا ورنہ تم دونوں پیدل چلی جانا۔

کوئی بات نہیں جب تم کو ٹائم ملے تب چلیں گے اکیلے جانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ گل مینا نے کہا۔

کیوں بھئی.....اب تم بچی تو نہیں رہی ناں میں دیکھتا ہوں سچی عورتیں بیچاری کیا کچھ نہیں کرتیں بجلی کا بل بھی جمع کرنا، سودا سبزی لانا، بچوں کو اسکول لانا لے جانا، اسپتال جانا، ایک تم ہو کہ باہر جانے کے نام سے ڈرتی ہو.....ارے پگلی میں چاہتا ہوں کہ تم بھی بہادر عورت بنو باہر نکلو باہر کی دنیا دیکھو نہ جانے انسان پر کب کیسا وقت آپڑے۔

شہزاد کی بات پر گل مینا نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

یہ آج کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟ اس کے چہرے پر خفگی ظاہر ہوئی۔

ارے پگلی ناراض نہیں ہوتے.....میرا مطلب وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو.....تم تو اور عورتوں سے بہت اچھی ہو سگھڑ نیک اور محبت کرنے والی بس میرا مطلب ہے کہ ذرا سا اعتماد بھی آجائے تم میں اور کچھ نہیں۔ شہزاد سمجھ گیا کہ اس کو اس کی بات اچھی نہیں لگی۔

ہنہہ.....وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

تو پھر جانا ہے کل بازار تو پیسے دے دوں؟ شہزاد نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ارے واہ.....شاباش۔ شہزاد نے خوش ہو کر جیب سے کچھ پیسے نکال کر اس کی طرف بڑھائے اس نے مسکرا کر پیسے پکڑ لیے۔

دوسرے دن ناشتے سے فارغ ہو کر گل مینا نے ضروری کام نبٹائے اور پری گل کو لے کر بازار کی طرف چل دی۔

ضرورت کا تھوڑا بہت سامان، مصالحے کے تین چار ڈبے لے کر باہر نکلی تو سبزی کے ٹھیلے نظر آئے صبح کا وقت تھا تازہ تازہ ہری ہری سبزی دیکھ کر منہ میں پانی آگیا تو پالک ٹماٹر اور شلجم بھی لے لیے۔

اماں مجھے بڑھیا کے بال چاہیے۔ سامنے سے خوانچے والے کو آتا دیکھ کر کہا۔

اچھا بھئی لے لے..... کتنی بار کہا ہے کہ ایسی چیزیں مت لے مگر تیرے ابا نے تیری عادت بگاڑ دی ہے۔ گل مینا نے چھوٹے سے بٹوے سے دس کا نوٹ نکال کر پری گل کی طرف بڑھایا۔

گھر آ کر گل مینا نے باورچی خانے میں سلیقے سے ڈبے رکھے اور سبزی کاٹنے لگی اور اپنے کاموں میں لگ گئی آج شہزاد ابھی تک نہیں آیا تھا ورنہ دن میں ایک آدھ چکر لگا لیتا تھا..... سہ پہر ڈھلنے لگی تو گل مینا کو تشویش ہوئی..... سہ پہر ڈھلی تو شام کے سائے پھیلنے لگے، اب یہ تشویش فکر میں بدلنے لگی تھی۔ گل مینا کو عجیب عجیب سے خیالات آنے لگے۔

اللہ پاک رحم کرنا۔ نہ جانے کیوں دل بری طرح گھبرا رہا تھا الٹے سیدھے خیالات آ رہے تھے۔

ہو سکتا ہے آج دور کی سواریاں ملی ہوں؟ دماغ نے جواز پیش کیا۔

مگر دل بہت بے قرار تھا وہ اضطرابی کیفیت میں آنگن میں ٹہلنے لگی۔ پری گل دوپہر کا کھانا کھا کر دیر تلک اپنی گڑیا سے کھیلتی رہی تھی اور وہیں لپٹ کر سو گئی تھی اس لیے گھر میں مکمل خاموشی تھی..... اوپر سے گھبراہٹ اور بے چینی تھی۔ پری گل اگر جاگ رہی ہوتی تو وہ کنیز چاچی کے گھر چلی جاتی دل ہی دل میں سوچ کر وہ عصر کی نماز کی تیاری کرنے لگی۔ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر ابھی جائے نماز اٹھائی رہی تھی ساتھ پری گل کو جگا رہی تھی کہ اٹھ کر چائے پی لے..... اچانک دروازے پر دستک ہوئی غیر مانوس دستک پر گل مینا کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔

الٰہی خیر..... بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا۔ جائے نماز پلنگ پر رکھ کر نماز کے دوپٹے کو منہ پر لپیٹ کر دروازے کی جانب آئی۔

یہ شہزاد رکشے والے کا گھر ہے؟ باہر کوئی مرد تھا۔

ہاں جی..... خیر تو ہے؟ گل مینا نے دروازے کے پیچھے سے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

اس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے وہ اسپتال میں ہے۔

ہائے میں مری..... ہائے ربا کب کیسے کہاں ہے وہ؟

کون سے اسپتال میں؟ ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے..... اجنبی آدمی نے اسپتال کا نام بتایا سرکاری اسپتال میں تھا ایسے کیس تو جناح یا سول میں ہی جاتے ہیں۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ زور زور سے رونے لگی۔ نہ راستوں کا پتا تھا نہ اتنی دور اکیلی گئی تھی۔ کنیز چچی آواز سن کر آ گئی تھیں۔

پریشان نہ ہو تیرا چاچا گھر پر ہے۔ اس کے ساتھ چلی جائیو۔ کنیز چچی جے اس کو سمجھا کر تسلی دی۔

وہ ہری گل کے ساتھ ہسپتال پہنچی۔ شہزاد بے ہوش پڑا تھا سر اور پیروں میں شدید چوٹیں آئی تھیں۔ وہ رو رو کر دعائیں مانگ رہی تھی۔

اللہ پاک میرے سر کے سائیں کو سلامت رکھنا۔ ادھر سے ادھر ڈاکٹروں کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی تھی نہ کوئی ڈھنگ سے بات کر رہا تھا نہ تسلی کے دو بول کہہ رہا تھا پاگلوں کی سی حالت ہو رہی تھی۔ دو گھنٹے کے طویل اور انتہائی تکلیف دہ انتظار کے بعد ڈاکٹر نے بتایا کہ اس کی حالت خطرے سے باہر ہے مل سکتے ہیں مگر زیادہ بات نہیں کرنا۔

شہزاد..... شہزاد..... دیوانہ وار شہزاد کے بیڈ کی طرف بڑھی تھی وہ آنکھیں موندے پڑا تھا چہرے پر معمولی زخم تھے سر پر پٹ ء بندھی تھی ہاتھوں اور منہ پر گہری خراشیں تھیں البتہ پیر پر زیادہ چوٹ تھی۔

رکشے کا نقصان تو نہیں ہوا؟ شہزاد نے نقاہت بھرے لہجے میں پوچھا۔

شہزاد رکشے کو گولی مارو..... تم کیسے ہو ٹھیک ہو ناں؟ اس کے ہاتھ تھام کر گل مینا رونے لگی تھی۔

بابا..... کیا ہوا..... کیسے ہوا یہ سب تم ٹھیک ہو ناں؟

ہاں ہاں..... میں ٹھیک ہوں..... فکر نہ کر تو بڑی ہے ناں..... دعا کر بس۔ شہزاد کو بولنے میں مشکل ہو رہی تھی۔

بس بس زیادہ باتیں مت کرو اللہ جلدی سے اچھا کر دے اور جلدی سے گھر آ جاؤ۔

گل مینا نے کہا تو شہزاد نے نقاہت سے آنکھیں بند کر لیں۔

شہزاد کے دونوں پیر گھٹنوں کے نیچے سے شدید ترین متاثر ہوئے تھے کئی جگہ سے ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھیں ڈاکٹر آپریشن کا کہہ رہے تھے۔ رکشے کا الگ نقصان ہوا تھا وہ تو شہزاد کے ساتھی ڈرائیور نے رکشہ اٹھا کر اپنے پاس سنبھل کر رکھ لیا تھا کہنے کو سرکاری ہسپتال تھا مگر اس میں بھی اچھا خاصا خرچہ ہو رہا تھا۔ پھر گل مینا روزانہ آتی جاتی اس کا کرایہ شہزاد کے لیے کھانا پکانا پڑتا ایک آپریشن ہو چکا تھا ابھی دو آپریشن مزید ہونے باقی تھے۔ سر اور باقی زخم ٹھیک ہونے لگے تھے مگر شہزاد ابھی تک اٹھنے کے قابل نہ ہوا تھا۔

وہ اپنے پیروں کو لے کر بہت پریشان تھا۔ بار بار ڈاکٹر سے پوچھتا کہ میں کب چلوں گا اور ڈاکٹر کہتے آپریشن کے بعد بس دعا کرو اور دعا کرو لفظ کو لے کر وہ سوچوں میں پڑ جاتا یہی حال گل مینا کا بھی تھا۔ ہسپتال میں ایک دو بار سلطان بھی آیا تھا اور شہزاد کو پیسوں کی آفر کی تھی۔

نہ بھائی سلطان بس دعا کرو کہ اللہ پاک رحم کرے۔

شہزاد نے ناامیدی سے کہا تھا۔

فکر نہ کرو بھائی شہزاد..... کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو مجھ سے بلا جھجک بول دینا۔ پڑوسیوں کا بڑا حق ہوتا ہے اور تم تو اتنے سالوں سے میرے کرائے دار بھی ہو۔

شکریہ بھائی سلطان۔ شہزاد نے تشکرانہ لہجے میں کہا تھا۔ گل مینا دن بھر شہزاد کے پاس ہوتی۔ اس کو تسلیاں دیتی ادھر ادھر کی باتیں کرتی۔ شہزاد خرچے کو لے کر پریشان ہوتا تب اس کو تسلی دیتی۔

میں نے بہت کچھ جمع کر کے رکھا ہے تم پریشان نہ ہو..... بس جلدی سے اچھے ہو کر گھر آ جاؤ۔ اور شہزاد ٹھنڈی سانس لے کر چپ ہو جاتا۔

گل مینا کے لیے سب کچھ مینج کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا..... وہ ایک دن سکینہ کے گھر گئی سکینہ کو ساری باتیں بتا کر کچھ رقم ادھار مانگی۔ سکینہ خود بھی بہت پریشان ہو گئی تھی اس نے اپنے شوہر سے کہہ کر

کچھ پیسے دے دیے تھے مگر وہ خود بھی کون سا اتنے پیسے والی تھی کہ بھاری رقم دیتی لیکن سکینہ نے ہمت دلائی تھی گل مینا بہت پریشان تھی ساری بھاگ دوڑ امیدیں آس سب کچھ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا کہ جب تیسرے اور آخری آپریشن کے بعد ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ شہزاد کے پیروں میں زخم کی وجہ سے مزید آپریشن ناممکن ہے اور اس کے پیر اب اس قابل نہیں کہ مزید کھڑا رہ سکے۔

کیا..... کیا کہہ رہے ہو ڈاکٹر صاحب یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میں نے ہر چیز آپ کو لا کر دی ہم نے اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں کی..... دوا، غذا ہر چیز کی پابندی کی پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے اب ایسی کیسی چوٹیں آئیں دنیا جہاں کے لاکھوں مریضوں کے آپریشن کرتے ہو سب ٹھیک ہو جاتے ہیں مگر میرے شہزاد کو میرے شہزاد کو اپاہج کر دیا۔

گل مینا ڈاکٹر کا بازو ہلا کر پاگلوں کی طرح چلائی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ چھ فٹ کا تر و تازہ لحیم شحیم اور شیر جیسا شہزاد کیسے اپاہج ہوسکتا ہے وہ کیسے معذور ہوسکتا ہے۔

اے بی بی یہ سب اللہ کے کام ہیں ہم کیا کر سکتے ہیں ہزاروں لوگ اس طرح سے ناکام آپریشن کی وجہ سے معذور ہو جاتے ہیں۔

یہ پہلا کیس نہیں ہے اللہ کے فیصلوں کو قبول کرو اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ بجائے یہ کہ یہاں واویلا کرو جا کر اپنے مریض کو سنبھالو اسے تم سے زیادہ اس بات کا دکھ ہوگا۔ ڈاکٹر جو عمر رسیدہ تھا اور گل مینا کو ڈانٹنے یا جھڑکنے کے بجائے نرمی سے سمجھا رہا تھا اور گل مینا آنکھیں پھاڑے وارڈ کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں شہزاد اس کا منتظر تھا کیسے جائے گی اس کے سامنے کیسے بتائے گی کہ وہ کبھی نہیں چل پائے گا۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے بیٹا میرے ابا کہ ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے بہت کم کیس ایسے ہوتے ہیں کہ اس طرح کے ایکسیڈنٹ میں یوں معذوری ہو جائے مگر..... بس اللہ کا نظام ہے یہ وہ جسے چاہے دے دے جس سے چاہے لے لے یہ سب آزمائش ہے کہ وہ دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی آزماتا

ہے کہ میرا بندہ میرے دیئے ہوئے خزانے کو میری دی ہوئی نعمتوں کو کس طرح سے خرچ کرتا ہے..... اس کا صحیح فائدہ اٹھاتا ہے کہ نہیں ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور لے کے بھی یوں آزماتا ہے کہ یہ بندہ کس حد تک مجھ پر بھروسہ کرتا ہے..... اس آزمائش پر پورا اترتا ہے کہ نہیں اور اللہ کا نیک بندہ وہی ہے جو اللہ پاک کی نیک عطا کو اس کا کرم سمجھ کر قبول کرے اس کی ذات پر مکمل بھروسہ کرے اور شکر ادا کرے اس سے بہتری کی دعا مانگے اس کے سامنے توبہ کرے اس لیے تم بھی اس حقیقت کو دل سے مان لو بیٹی اللہ پاک تمہاری پریشانیاں دور کرے۔"

بہت دیر سے دور بیٹھا ہوا ایک ادھیڑ عمر آدمی گل مینا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی زور آتا اور گل مینا کو یونہی حیران پریشان بھاگتا دوڑتا دیکھتا رہا تھا آج گل مینا کی حالت دیکھ کر اس کے قریب آ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ملائمت سے کہا اس کو اس اکیلی عورت سے ہمدردی ہو رہی تھی۔

گل مینا نے سر اٹھا کر اجنبی مہربان شخص کو دیکھا، سچ ہی تو کہہ رہا تھا وہ..... تب ہمت اور حوصلے سے گل مینا نے چادر کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور شہزاد کے وارڈ کی طرف بڑھ گئی۔

یا اللہ، یہ کیسی آزمائش تھی۔ شہزاد کمرے میں پلنگ کا حصہ بن کر رہ گیا تھا۔ وہ بالکل چپ ہو کر رہ گیا تھا۔ کبھی وہ رونے لگتا، کبھی اپنے آپ ہنسنے لگتا، پاگلوں جیسی حالت ہو گئی تھی۔ پری گل بالکل چپ ہو گئی تھی اپنے باپ کو یوں کونے میں پڑا دیکھ کر وہ سہم جاتی، گل مینا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زندگی کو کیسے اور کس طرح سے گزارے، حالات نے پلٹا کھایا تھا، یہ تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا وقت بھی آئے گا۔ وہ ہر ممکن شہزاد کا خیال رکھتی، اس کو بہلانے کی کوشش کرتی اس کے سامنے نہ خرچے کی بات کرتی ناں کوئی اور ایسی بات کہ جس سے وہ پریشان ہو..... سکینہ اور اس کا شوہر بھی دو تین بار آئے تھے اور تھوڑی بہت مدد کر کے چلے گئے تھے۔ گل مینا نے پری کو اسکول سے اٹھوا لیا تھا۔ یہاں خرچا چلانا مشکل تھا تو کہاں سے اس کی پڑھائی کا خرچہ اٹھاتی۔ رکشہ گھر کے صحن میں ٹوٹی پھوٹی حالت میں کھڑا تھا۔

''پری گل اسکول کیوں نہیں جا رہی؟'' شہزاد نے ایک دن صبح سوال کیا۔

''وہ.....وہ اس کی چھٹیاں ہیں۔'' الفاظ گل مینا کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

''چھٹیاں.....ابھی کون سی چھٹیاں پڑ گئیں؟ کتنے دن کی چھٹیاں ہیں آخر.....مہینہ ہو گیا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ گھر پر ہے۔'' شہزاد کی بات پر وہ گڑبڑائی۔ شہزاد مسلسل گھر پر رہتا تھا اس سے کب تک یہ بات چھپائی جا سکتی تھی۔

''میں نے اس کو اٹھوا لیا ہے اسکول سے'' نظر میں چرا کر بولی۔

''آہ.....شہزاد نے اپنی ہتھیلی پر پوری قوت سے مکہ مارا۔ ''میری بچی.....میں اس کا ایک خواب بھی پورا کرنے کے قابل نہ رہا، ابھی تو اس نے پڑھائی شروع کی تھی، میں کسی قابل نہ رہا.....میں اپاہج ہو گیا؟'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ کر چلانے لگا۔

''شہزاد.....شہزاد.....اللہ کا واسطہ ہے ہوش کرو.....ایسا مت کرو، تم ایسا کرو گے تو ہمارا کیا ہوگا؟ پری گل بھی پریشان ہو جائے گی۔'' گل مینا اس کے ہاتھوں کو پکڑتے ہوئے اس سے لپٹ کر بری طرح سے رونے لگی۔

''کیا کروں مینے، کیا کروں میں؟'' وہ بے بسی سے سوال کر رہا تھا گل مینے کیا کہتی بس اس کو سینے سے لگا کر رو رہی تھی۔ اسی شام سلطان کو بلوا کر شہزاد نے رکشے کو بیچنے کے لیے کہا۔ ''اس میں کیا رکھا ہے شہزاد..... ہر طرف سے تو ٹوٹا ہوا ہے یہ۔'' صحن میں کھڑے رکشے کو اچھی طرح سے دیکھتے ہوئے سلطان نے ناک چڑھا کر کہا۔

''ارے یار، جیسا بھی ہے، جتنے میں بھی یہ کھوکھا جائے اسے نکلوا دو.....میرے لیے تو بے کار ہی ہے ناں۔'' شہزاد کا لہجہ دکھی ہوا۔

''اچھا، دیکھتا ہوں کوئی گاہک ملے تو لیتا آؤں گا۔'' گل مینا حسرت سے رکشے کی ٹوٹی پھوٹی

باڈی کو دیکھ رہی تھی، کتنی مشکلوں سے پیسے جمع کر کے اس نے یہ رکشہ دلوایا تھا۔ نیا چم چم کرتا رکشہ دیکھ کر دونوں میاں بیوی کتنے خوش تھے لیکن ابھی کل ہی کی بات لگتی تھی، اتنی جلدی..... اتنی جلدی..... وہ رکشہ اس حالت میں آ گیا تھا۔

دو تین دن کے اندر رکشہ اونے پونے بک گیا۔ سلطان نہایت چالاک آدمی تھا اس نے ہی موقع سے فائدہ اٹھا کر رکشہ خرید لیا تھا۔ جس وقت رکشے کی فروخت کے بعد کچھ نوٹ شہزاد کی ہتھیلی پر آئے تو شہزاد رو پڑا، کتنے ارمانوں سے وہ رکشے کو سجا کر رکھتا تھا۔ اس میں سب سے پہلے آیتیں لگائیں، پھر موتیوں اور دھاگوں سے بنے پھولوں سے سجایا تھا۔ پلاسٹک کے پھولوں کی چاروں طرف بیل لگائی تھی روز صبح ایک گھنٹہ رکشے کی صفائی کرتا اور کبھی کبھی گل مینا کو چھیڑتا۔

''گل مینے یہ تیری سوکن ہے دل کرتا ہے اس کو بھی خوب سجاؤں، سنواروں اور دل بھر کر پیار کروں۔'' اور گل مینا اس کی بات پر ہنس دیتی تھی۔

''اگر ایسی بات ہے تو سن لو شہزاد آگ لگا دوں گی تیری اس دلہن کو آئی سمجھ۔''

''اوئے اوئے اتنے بھرم۔'' شہزاد زور سے ہنس دیتا۔

''دیکھ گل مینے تیری سوکن کو بیچ دیا ہے میں نے۔'' شہزاد نے زخمی نظروں سے گل مینا کو دیکھا۔ گل مینا تڑپ کر آگے بڑھی۔

''نہیں شہزاد..... ایسے نہ بولو وہ..... وہ تو مذاق کی بات تھی، دیکھو تو تقدیر نے بھی کیسا مذاق کیا ہے ہمارے ساتھ۔'' وہ اپنے پیروں کو حسرت سے دیکھ کر کہتا۔

بیٹھے بیٹھے کھانے سے تو قارون کے خزانے بھی ختم ہو جاتے ہیں بھلا چند ہزار کب تک گھر کے اخراجات پورے کر پاتے، کھانا پینا، گھر کا کرایہ، شہزاد کی دوائیں، دنیا بھر کے اخراجات تھے، گل مینا بڑی مشکلوں سے یہ سب سنبھال کر پاتی، شہزاد اب بالکل چپ ہو گیا تھا، بیساکھی کے سہارے ضرورت کے

لیے اٹھتا ورنہ وہی جھلنگا چارپائی پر پڑا رہتا، الٹی سیدھی سوچوں کا شکار رہنے لگا تھا۔ گھر میں عجیب اداسی رہنے لگی تھی۔ کبھی اس گھر میں قہقہے گونجا کرتے تھے آج اداسی اور ویرانی کا راج تھا، پری گل سہمی سہمی سی رہنے لگی تھی۔ آخر کار گھر میں کھانے کے لالے پڑ گئے تھے۔ شہزاد اتنا ناامید ہو گیا تھا کہ وہ ہلنا بھی نہیں چاہتا تھا..... گل مینا اس کو جتنا زندگی کی طرف لانے کی کوشش کرتی وہ اتنا ہی ناامید ہوتا جا رہا تھا۔ جب غصہ آ جاتا تو چیز میں اٹھا کر پھینکنا شروع کر دیتا گل مینا کو برا بھلا کہتا اور گل مینا آنسو پونچھتی ہوئی سامنے سے ہٹ جاتی۔

''شہزاد ایک بات بولوں اگر تم کو برا نہ لگے تو۔'' ایک دن شہزاد کو ناشتہ کروا کر گل مینا نے پوچھا۔

''کیا؟'' شہزاد نے نگاہ اٹھائی۔

"شہزاد سکینہ کہہ رہی تھی کہ اس کے بچوں کے اسکول میں کام کرنے کے لیے عورت کی ضرورت ہے، اس نے ہیڈ ماسٹرنی سے بات کی ہے اگر تم اجازت دو تو وہاں چلی جاؤں۔'' اس کی بات ختم ہوئی تو شہزاد نے غصے سے اس کو گھور کر دیکھا۔

''اب تو گھر سے باہر جائے گی، کما کر لائے گی؟ تو مجھے پالے گی، کھلائے گی تو..... ظاہر کرنا چاہتی ہے ناں کہ میں ناکارہ ہو گیا ہوں..... میں اپاہج بن کر بوجھ بن گیا ہوں، میں لاچار ہو گیا ہوں؟''

''نہیں نہیں شہزاد ایسی بات نہیں، یہ تو آزمائش ہے اللہ کی، اس نے ہم پر ڈال دی ہے..... دیکھو ٹھنڈے دل سے سوچو جو پیسے ہیں وہ دھیرے دھیرے ختم ہو رہے ہیں، گھر کا کرایہ اور کچھ نہ کچھ کھانا تو ضروری ہے ناں، ہم بھوکے تو نہیں رہ سکتے۔'' گل مینا نے اس کے پاس آ کر سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''مر جا بھوکی تو بھی مر جا اور مجھے بھی مر جانے دے..... میرا مر جانا ہی بہتر ہے خواہ مخواہ کا بوجھ بن کر پڑا ہوں میں..... زندہ لاش بن کر رہ گیا ہوں، اللہ پاک مجھے موت بھی نہیں دیتا کہ اس عذاب والی زندگی سے نجات مل جائے..... مر جانے دے مجھے..... مر جانے دے۔'' وہ ہذیانی انداز میں دیوار پر سر

مارنے لگا۔گل مینا نے آگے بڑھ کر اس کو سنبھالا۔

''شہزاد..... پاگل ہو گئے ہو تم۔ یہ کیا کر رہے ہو؟ ہم بھوکے رہ سکتے ہیں معصوم پری گل نہیں رہ سکتی.....اللہ کے واسطے ایسا نہ کرو شہزاد، تمہارا یوں میرے سامنے بیٹھے رہنا ہی میرے لیے بہت ہے..... اللہ نہ کرے کہ تمہیں موت آئے شہزاد.....اللہ کے واسطے ہوش کرو تم خود ہی کہتے تھے ناں کہ عورتیں دنیا جہاں میں گھومتی ہیں، بازاروں میں جاتی ہیں، بل جمع کرواتی ہیں تم چاہتے تھے ناں کہ میں بھی باہر نکلوں.....مجھ میں بھی اعتماد آ جائے تو.....تو اب رب نے ہم پر آزمائش ڈالی ہے تو ہمیں اس آزمائش کا مقابلہ کرنا ہے، مجھے ہمت بھی آ گئی ہے شہزاد لیکن اللہ رسول کا واسطہ ہے تمہیں آئندہ ایسا کچھ مت بولنا کہ میری بنتی ہوئی ہمت ٹوٹ جائے.....شہزاد تمہارا وجود ہی میرے لیے بہت بڑی ہمت ہے۔ میرا بہت بڑا سہارا ہے۔ ہزاروں عورتیں کام کرتی ہیں، اپنے گھر والے کا ساتھ دیتی ہیں، اب تک تم نے سب کچھ کیا اب اگر ایسا وقت آیا ہے تو میرا بھی تو فرض بنتا ہے ناں؟'' گل مینا نے شہزاد کو سینے سے لگا کر نرم لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی۔ شہزاد نے نم نم آنکھوں سے اس کو دیکھا۔

''میں کیا کروں گل مینے، میں اتنا بے بس کیوں ہو گیا؟'' مٹھیاں بھینچ کر شکستہ لہجے میں وہ گویا ہوا، گل مینے نے اس کے ماتھے سے بالوں کو پیچھے کیا۔

''شہزاد لاکھوں لوگ ہیں ایسے بے بس تم اکیلے نہیں ہو..... یوں ہر وقت اللہ سے گلہ نہ کیا کرو۔'' پتا نہیں کہاں سے اللہ پاک نے وہ کمزور، ڈرپوک اور معصوم گل مینا میں اتنی طاقت، اتنی ہمت دے دی تھی کہ وہ نہ صرف ہمت سے اسے سمجھاتی بلکہ حوصلے سے آگے کے لیے بھی پلاننگ کر رہی تھی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ صبح صبح گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر شہزاد اور پری گل کو ناشتہ کروا کر اسکول چلی جایا کرے گی اور دوپہر میں آ کر دوسرے کام نپٹا لیا کرے گی۔ جاتے ہوئے کنیز چاچی سے کہہ دوں گی کہ دن میں ایک آدھ چکر لگا کر دیکھ لیں ویسے پری گل تو رہے گی گھر پر، حالات جب ہوں تو ہمت بھی آ جاتی

ہے اور خود بخود دماغ میں ترکیبیں بھی آتی ہیں۔ وسیلے بھی بن جاتے ہیں یوں سکینہ کا بازار میں ملنا اس سے میل ملاقات اور پھر اس کے اپنے آمدنی کا ذریعہ۔ دوسرے دن صبح صبح وہ کام نبٹا کر پیدل اسکول گئی، اسکول کی مالکن خدا ترس خاتون تھیں اچھی خاصی عمر رسیدہ تھیں انہوں نے گل مینا کے حالات سنے تو فورا ہی کام پر رکھ لیا اور تنخواہ بھی معقول دینے کا ارادہ کر لیا، بلکہ یہ بھی آفر کر دی کہ اگر وہ چاہے تو اپنی بیٹی کو بھی یہاں داخل کروا سکتی ہے، گل مینا نے ہاتھ اٹھا کر میڈم ہما کو دعائیں دیں۔ اللہ پاک ایک در بند کرتا ہے تو دوسرا کھول بھی دیتا ہے، پہلے شہزاد واویلا کرتا، روتا دھوتا تھا لیکن جب سے گل مینا اسکول جانے لگی تھی وہ بالکل چپ ہو کر رہ گیا تھا اور شہزاد کی زبردستی پر گل مینا نے پری گل کو بھی داخلہ دلوا دیا تھا۔ حالانکہ گل مینا چاہتی تھی کہ پری گل گھر میں شہزاد کے پاس رہے مگر شہزاد نے بہت زبردستی کر کے اس کو بھی گل مینا کے ساتھ بھیجنا شروع کر دیا تھا۔ گل مینا کا سارا دھیان شہزاد کی طرف رہتا کہ وہ گھر میں اکیلا ہوگا مگر شہزاد نے مطمئن کر دیا تھا کہ اسے ضرورت نہیں ہے وہ کون سا بیمار ہے۔

زندگی عجیب و غریب راستے پر چل پڑی تھی۔ گل مینا اسکول سے آتے آتے سودا سبزی وغیرہ لے آتی، آتے ہی وہ پہلے روٹیاں پکاتی، رات کا سالن ہوتا تینوں مل کر کھانا کھاتے، گل مینا کچھ دیر آرام کرتی پھر شام کو اٹھ کر صفائی وغیرہ کر کے ہانڈی بنا لیتی، وہ روزانہ رات کو ہانڈی پکا لیتی اور دوسرے دن دوپہر کو وہی کھا لیتے تھے۔

☆.....☆.....☆

سکینہ کے شوہر توصیف نے مشورہ دیا تھا کہ وہ مدد کر دے گا اگر شہزاد گھر میں ہی کوئی چھوٹی موٹی بچوں کے کھانے کی چیزوں کی دکان کھول لے تو اس کا دل بھی بہلا رہے گا اور کچھ آمدنی بھی ہو جائے گی۔ گل مینا نے شہزاد سے بات کی تو شہزاد نے صاف منع کر دیا تھا۔

"شہزاد دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو معذور ہو کر بھی روزی کماتے ہیں، گھر چلاتے ہیں تم نے اس

روگ کو دل سے لگا لیا ہے کہ خود کو بالکل ناکارہ سمجھنے لگے ہو، ہمت ہی کھو دی تم نے، توصیف بھائی ٹھیک کہتے ہیں وہ کہتے ہیں میں سامان گھر پر پہنچا دیا کروں گا تم کو صرف کرسی پر بیٹھنا ہوگا۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو، مجھے کھلا کر احسان جتا رہی ہو ناں؟ تمہاری باتوں سے لگتا ہے تم مجھ سے بیزار ہو گئی ہو..... طعنہ مار رہی ہو، مجھے احساس دلا رہی ہو کہ میں بے کار ہو گیا ہوں، میں اپاہج اور ناکارہ انسان ہوں۔" شہزاد غصے سے چیخ کر بولا۔

"نہیں شہزاد اللہ کی قسم! میرا ایسا مطلب نہیں تھا، میرا مطلب تھا کہ تم گھر میں بور ہو جاتے ہو تو تم مصروف ہو جاؤ گے اور تمہارا دل بھی لگا رہے گا۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"ہاں..... میں یہاں دل لگا لوں اور تو..... تو..... کہیں اور دل لگا لے۔" شہزاد کی بات پر گل مینا نے جھٹکے سے سر اٹھا کر آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"مطلب..... مطلب کیا ہے شہزاد؟"

"کوئی مطلب نہیں ہے..... بس چپ چاپ تجھے جو کرنا ہے کر اگر مجھے روٹی پانی دے سکتی ہے تو دے ورنہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔" شہزاد ہاتھ اٹھا کر تلخ لہجے میں بولا۔ "شہزاد، تجھے بتانا پڑے گا..... تیرا مطلب کیا ہے؟ تیرے خیال میں میں باہر دل لگانے کے لیے جاتی ہوں۔" وہ ایک جملہ گل مینا کے دل پر جا کر لگا تھا۔

"ظاہر ہے تو اب بھی اتنی حسین ہے اور لوگوں سے ملتی ہے تو لوگ کیا تجھے دیکھتے نہیں ہوں گے؟" شہزاد کے لہجے میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔

"اف اللہ کے واسطے شہزاد..... یہ فضول باتیں اپنے دل میں مت لا..... میں نے آج تک منہ سے حجاب نہیں ہٹایا، میں خود کو صرف اور صرف تیری امانت سمجھتی ہوں اور مجھے پتا ہے کہ اسلام میں عورت کے لیے کیا حکم ہے، میں تو کبھی بھی گھر سے باہر ہی نہیں نکلتی اگر میرے سامنے ننھی پری گل نہ ہوتی.....

اللہ اور رسول کا واسطہ ہے تجھے، فالتو رہ رہ کر اپنے ذہن میں فالتو سوچوں کو مت پالو مجھے میری پری کی قسم ہے میں مرجاؤں گی مگر خود پر کسی کی میلی نظر نہیں پڑنے دوں گی۔'' گل مینا کو رونا آ گیا تھا۔ شہزاد نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر خود بھی رونے لگا..... گل مینا نے آگے بڑھ کر اس کو گلے سے لگا لیا۔

''شہزاد..... شہزاد میری جند جان ہے، تیرے واسطے ہی میں نے زندگی میں اتنے ستم اٹھائے، ایک امید اور آس پر تیرا انتظار کیا اور تیرے قدموں میں ہی مرنا چاہوں گی شہزاد آئندہ ایسی بات کی تو موت سے پہلے مرجاؤں گی..... مجھے پری کی قسم۔'' گل مینا کی بات پر شہزاد نے سر اٹھایا، اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ دکھ اور بیچارگی تھی۔ گل مینا کو سینے سے بھینچ کر وہ پھر سے رونے لگا۔ لگتا تھا کہ وہ اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا ہے۔ اپنا وجود ناکارہ اور بے کار لگتا تھا۔ احساس کمتری اور احساس محرومی اس کے اندر روز بروز بڑھ رہی تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ شہزاد ضدی ہوتا جا رہا تھا۔ گل مینا گھر سنسار، بیمار شوہر اور پری گل کو سنبھالتے سنبھالتے ادھ موئی ہوئی جا رہی تھی۔ ایک سکینہ تھی جو کبھی کبھار آ جاتی تو دل بہل جاتا یا پھر کنیز چاچی مگر کنیز چاچی بھی اب بوڑھی ہو گئی تھیں۔

اس روز حسب معمول فجر کے وقت گل مینا جاگی، نماز سے فارغ ہو کر باورچی خانے میں آئی۔ چائے کا پانی چولہے پر رکھا۔ تھوڑی دیر بعد پری گل کو جگانا پھر اسکول کی تیاری کرنی تھی، اس وقت شہزاد بھی اٹھ جاتا، وہ اٹھ کر ادھر ادھر دیکھتا، اس کی کھانسی اور کنکھارنے کی آواز پر گل مینا اس کے لیے گرم گرم چائے کا کپ بنا لاتی اور وہ کلی کر کے چائے پی لیتا پھر جب پری گل اٹھ جاتی تب تینوں ساتھ ناشتہ کرتے۔ چائے کا پانی اور دودھ چولہے پر رکھ کر گل مینا آٹا گوندھنے لگی۔ آج پہلی تاریخ تھی۔ آج اس کو تنخواہ ملنے والی تھی۔ آٹا، دال سب ختم ہو گیا تھا۔ سارے ڈبے خالی پڑے منہ چڑا رہے تھے۔ وہ ذہن میں سودے سلف کو ترتیب دینے لگی کہ آج آتے آتے اسے کون سی چیزیں لانی ہوں گی۔ باقی کل اتوار تھا تو

دن میں جا کر لا سکتی تھی۔ چائے پک چکی تھی، ابھی تک شہزاد کے کھنکھارنے کی آواز نہیں آئی تھی تب وہ خود ہی چائے کا کپ لے کر کمرے میں آئی کہ ہو سکتا ہے شہزاد اٹھ چکا ہو مگر شہزاد کو سوتا پا کر تشویش ہوئی ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوا تھا وہ تو ہمیشہ سے فجر میں اٹھنے کا عادی تھا..... یہ عادت برسوں پرانی تھی، وہ قریب گئی۔

''شہزاد..... شہزاد..... اٹھ کر چائے پی لو۔'' ایک ہاتھ میں چائے کا کپ تھا دوسرا ہاتھ شہزاد کے ماتھے پر رکھ کر اسے اٹھانا چاہا مگر ماتھا برف کی مانند سرد تھا۔ گل مینا بری طرح گھبرائی۔ جلدی سے چائے کا کپ میز پر رکھ کر دونوں ہاتھوں سے شہزاد کا منہ پکڑا۔

شہزاد..... شہزاد..... شہزاد..... اٹھو شہزاد.....'' وہ شہزاد کو زور زور سے ہلانے لگی مگر شہزاد کے وجود میں کوئی جنبش، کوئی حرکت نہ ہوئی تھی۔

''یا اللہ رحم کرنا۔'' وہ بڑبڑائی۔ ''شہزاد آنکھیں کھولو..... کیا ہوا..... تم اٹھ کیوں نہیں رہے شہزاد۔'' وہ پاگلوں کی طرح شہزاد کے بے جان وجود کو جھنجوڑ رہی تھی، چیخ رہی تھی، چلا رہی تھی۔ اس کی چیخوں کی آواز آس پاس کے گھروں تک پہنچ گئی تھی۔ صبح صبح اٹھنے والے لوگ اس کی آواز پر چونکے تھے..... پری گل اٹھ گئی تھی اور پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ''اماں..... اماں کیا ہوا اماں؟'' وہ نیند سے ابھی اٹھی تھی۔ یوں ماں کو چیختا اور بے تحاشا روتا دیکھ کر گھبرا کر خود بھی زور زور سے رونے لگی۔

شہزاد نہ جانے رات کے کون سے پہر زندگی سے ناطہ توڑ بیٹھا تھا۔ ناامیدی، بے بسی اور بیچارگی معذوری اور مسلسل سوچوں نے اس کے دماغ پر بھرپور اثر کیا تھا..... کب تک وہ دل و دماغ کی جنگ کا مقابلہ کرتا آخر کار ہار بیٹھا تھا..... اسکول تک خبر پہنچ چکی تھی، محلے والوں نے مل کر تدفین کا انتظام کر دیا تھا۔ سکینہ آئی تو وہ سکینہ کے گلے لگ کر ہوش و حواس کھونے لگی۔

''سکینہ..... سکینہ شہزاد چلا گیا..... بزدل، ڈرپوک، نکلا خود تو چلا گیا مجھے کس کے سہارے چھوڑ گیا؟ سکینہ کیسے جی پاؤں گی میں، وہ تو مجھے بھی مار گیا۔'' سکینہ خود بھی زار و قطار رو رہی تھی۔ پری گل

مسلسل اس کے پہلو سے چمٹی ہراساں بیٹھی تھی۔

''شہزاد..... شہزاد..... اللہ کا واسطہ شہزاد..... یوں مجھے تنہا کر کے مت جاؤ..... میں..... کیسے رہوں گی..... کیسے زندگی گزاروں گی؟ بے شک مجھے ڈانٹو، مارو..... مجھے کوسنے دو مگر یوں چھوڑ کر مت جاؤ..... نہیں..... نہیں..... میرے شہزاد کو چھوڑ دو..... چھوڑ دو اسے کہاں لے کر جا رہے ہو، یہ چل نہیں سکتا، اس کو میرے سہارے کی ضرورت ہے، یہ کیسے رہ پائے گا اکیلا، اس کو میری عادت ہو گئی ہے، اس کو کون سنبھالے گا، کون دوائیں دے گا، اس کو کہاں لے جا رہے ہو..... چھوڑو، چھوڑو، نہیں جانے دوں گی، بڑی مشکلوں سے تو یہ ملا تھا اور آج تم لوگ پھر اسے مجھ سے دور لے جا رہے ہو..... چھوڑ دو، اللہ کے واسطے۔'' جنازہ اٹھنے لگا تو گل مینا پاگلوں کی طرح جسد خاکی سے لپٹ گئی سکینہ اس کو سنبھال رہی تھی۔

''ہوش کر گل مینا، ہوش کر، ایسا نہیں کرتے، خود کو سنبھال، دیکھ تو شہزاد بھائی کو تیرے رونے سے دکھ ہوگا..... انہیں جاتے جاتے دکھی نہ کر..... دعا کر اللہ پاک شہزاد بھائی کے لیے آسانی پیدا کرے، تو ایسا کرے گی تو پری گل کا کیا حال ہوگا۔''

''پری گل..... پری گل'' وہ روتے ہوئے چونکی، آنکھیں پھیلا کر سکینہ کی طرف دیکھا، سکینہ سے لپٹی پری گل پر نظر ڈالی، دیوانہ وار اس کی سمت بڑھی پری گل کو سینے سے بھینچ لیا اور اس سے پہلے کہ سکینہ اس کو سنبھالتی وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر چکی تھی۔

یہ کیسی تلخ سچائی تھی کہ جس کو ذہن قبول کرنے سے انکاری تھا۔ شہزاد جیسا بھی تھا، اس کا کونے میں پڑا رہنا ہی تحفظ کا احساس تھا۔ وہ دن بھر باہر بھی ہوتی تو گھر لوٹنے پر یہ احساس ہوتا کہ اس کے سر پر چادر موجود ہے، شہزاد کے چلے جانے سے جو خلا پیدا ہوا تھا وہ کسی صورت پورا نہ ہو پا رہا تھا۔ ہوتا بھی کیسے؟ شہزاد کا پلنگ، اس کی خالی دوا کی بوتلیں، اس کے کپڑے، تولیہ، اس کا چشمہ، ایک ایک چیز میں اس کی یادیں بسی ہوئی تھیں۔ بارہ تیرہ سالہ زندگی کا اختتام ہو گیا تھا۔ اتنی ہی زندگی اور اتنے سے ساتھ کے

لیے دونوں بچپن سے سپنے دیکھتے آئے تھے اور یہ وقت..... یہ ساتھ پر لگا کر گزر گیا تھا۔ آج پھر گل مینا تنہا تھی، آج اس کے ساتھ بارہ سالہ پری گل بھی تھی۔ زندگی کا نہ جانے کتنا سفر باقی تھا اور اس سفر کو گزارنے کی کوئی منصوبہ بندی نہ تھی۔ میڈم ہما نے اس کی سیلری کے ساتھ اسٹاف سے بھی جمع کر کے اور کچھ رقم اپنی طرف سے بھی دے دی تھی۔ وہ جانتی تھیں کہ ابھی گل مینا کا گھر سے نکلنا ناممکن تھا، عدت کے دن جو پورے کرنے تھے۔ سکینہ نے اس عرصے میں ہر طرح سے مدد کی، اس کا خیال رکھا، سودا سلف بھی لاتی، وہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی کہ اللہ پاک نے سکینہ سے ملوا دیا تھا اگر وہ نہ ملتی تو کون یوں مددگار رہوتا۔ سکینہ نے کہہ دیا تھا کہ عدت کے ختم ہوتے ہی وہ اس کے گھر کے پاس ایک کمرے کا گھر لے کر شفٹ ہو جائے۔ یہاں اکیلی رہنا مشکل ہوگا اور گل مینا نے اس کی اس بات سے اتفاق بھی کر لیا تھا۔

زندگی عجیب و غریب ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح دن بھر گھر میں ادھر سے ادھر گھوما کرتی، قرآن پاک پڑھ پڑھ کر شہزاد کے لیے دعائیں کرتی پاگل سی ہو جاتی کوئی کام نہ ہوتا، بس گزری ہوئی یادوں میں الجھتی رہتی، کبھی روتی، کبھی ہنستی اور پری گل کے لیے سوچتی رہتی کہ اگر مجھے کچھ ہو جاتا ہے تو میری بیٹی کا کیا ہوگا۔

''اللہ پاک میرے حال پر رحم کرنا۔'' آنکھیں بھیگ جاتیں، عدت ختم ہونے والی تھی ادھر سکینہ کو اپنی نند کی شادی کے سلسلے میں حیدر آباد جانا تھا، وہ جاتے ہوئے کہہ گئی تھی کہ آنے کے بعد تیرے لیے گھر کی بات کروں گی۔ توصیف ابھی یہیں پر تھا۔

سکینہ کے جانے کے بعد ایک دو بار توصیف آیا تھا بجلی کا بل جمع کرانا تھا، گل مینا کی کوشش ہوتی کہ وہ دروازے پر نہ جائے اور دوسرا یہ کہ کرایہ، بل وغیرہ وقت پر ادا کر دے تا کہ سلطان کو بھی کوئی شکایت نہ ہو، اس روز پری گل کو بخار تھا، توصیف گھر کے لیے سودا سلف لایا تو مجبوراً گل مینا کو دروازے پر آنا پڑا گو کہ اس نے خود کو حجاب کیا اور پھر دروازے پر گئی۔ توصیف نے سلام کیا سودا پکڑوایا اور واپس

ہو گیا مگر غلط ذہن اور غلط سوچ والے لوگوں کی کمی نہیں ہے، شام تک پری گل کا بخار کم ہو گیا تھا، دوا کھا کر وہ بہتر ہو گئی تھی۔ آج بہت دن بعد پری گل نے گڑیا نکالی تھی اور گل مینا سے کہا تھا کہ کپڑے سی کر دو۔

''اچھا.....'' گل مینا جو خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی اس کی بات پر سوئی دھاگہ اور کپڑوں کی کترنیں لے کر بیٹھ گئی اور اس کی گڑیا کے کپڑے سلائی کرنے لگی۔ شام ہو گئی تھی، پری گل نے چائے کی فرمائش بھی کر دی تو گل مینا سوئی رکھ کر کچن میں آ گئی۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

''اس وقت کون ہو گا بھلا..... کرایہ تو وہ دے چکی تھی؟ پری گل دروازے پر آئی دروازے پر سلطان تھا۔

''جی چاچا۔'' پری گل نے پوچھا۔

''اپنی ماں کو بلاؤ۔'' سلطان نے کہا۔

''ماں نہیں آتی آپ بولیں کیا ہوا؟'' پری گل نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

''ارے بھئی کیوں نہیں آتی، کیا تمہاری اماں کو ہم پسند نہیں یا پسندیدہ لوگوں کے لیے دروازے پر آتی ہے۔'' وہ اتنی زور سے بولا کہ گل مینا اس کی آواز پر چونکی اور دروازے کے پیچھے گئی۔

''کیا ہوا بھائی؟''

''دیکھو جی..... تمہارے گھر ایک آدمی آتا ہے..... میں نے بہت بار دیکھا ہے، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے، وہ کیوں آتا ہے؟'' سلطان نے بدتمیزی سے کہا۔

''وہ میرا بھائی ہے، میرے گھر کا سودا سلف لاتا ہے، اس کی بیوی ابھی نہیں ہے ورنہ وہ بیوی کے ساتھ آتا ہے، اس میں کیا اعتراض ہے آپ کو؟''

"اعتراض..... اعتراض کیوں نہ ہو گا جی..... یہ گھر میرا ہے، یہ شریفوں کا محلّہ ہے تم اکیلی رہتی ہو، یوں کسی کا آنا جانا میں برداشت نہیں کر سکتا۔''

ہو گیا مگر غلط ذہن اور غلط سوچ والے لوگوں کی کمی نہیں ہے، شام تک پری گل کا بخار کم ہو گیا تھا، دوا کھا کر وہ بہتر ہو گئی تھی۔ آج بہت دن بعد پری گل نے گڑیا نکالی تھی اور گل مینا سے کہا تھا کہ کپڑے سی کر دو۔

''اچھا.....'' گل مینا جو خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی اس کی بات پر سوئی دھاگہ اور کپڑوں کی کترنیں لے کر بیٹھ گئی اور اس کی گڑیا کے کپڑے سلائی کرنے لگی۔ شام ہو گئی تھی، پری گل نے چائے کی فرمائش بھی کر دی تو گل مینا سوئی رکھ کر کچن میں آ گئی۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

''اس وقت کون ہو گا بھلا..... کرایہ تو وہ دے چکی تھی؟ پری گل دروازے پر آئی دروازے پر سلطان تھا۔

''جی چاچا۔'' پری گل نے پوچھا۔

''اپنی ماں کو بلاؤ۔'' سلطان نے کہا۔

''ماں نہیں آتی آپ بولیں کیا ہوا؟'' پری گل نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

''ارے بھئی کیوں نہیں آتی، کیا تمہاری اماں کو ہم پسند نہیں یا پسندیدہ لوگوں کے لیے دروازے پر آتی ہے۔'' وہ اتنی زور سے بولا کہ گل مینا اس کی آواز پر چونکی اور دروازے کے پیچھے گئی۔

''کیا ہوا بھائی؟''

''دیکھو جی..... تمہارے گھر ایک آدمی آتا ہے..... میں نے بہت بار دیکھا ہے، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے، وہ کیوں آتا ہے؟'' سلطان نے بدتمیزی سے کہا۔

''وہ میرا بھائی ہے، میرے گھر کا سودا سلف لاتا ہے، اس کی بیوی ابھی نہیں ہے ورنہ وہ بیوی کے ساتھ آتا ہے، اس میں کیا اعتراض ہے آپ کو؟''

"اعتراض..... اعتراض کیوں نہ ہو گا جی..... یہ گھر میرا ہے، یہ شریفوں کا محلّہ ہے تم اکیلی رہتی ہو، یوں کسی کا آنا جانا میں برداشت نہیں کر سکتا۔''

''بھائی ایسی کوئی بات نہیں، میں اکیلی ہوں، وہ میرا بھائی ہے وہ میرے کام نہیں کرے گا تو کون کرے گا؟''

''بھائی ہے تو اندر کیوں نہیں آتا؟'' سلطان کے سوال پر وہ گڑبڑائی۔

''دیکھو جی..... میں صاف بات کرتا ہوں اگر اس سے کوئی چکر وکر ہے تو شرافت سے نکاح پڑھوالو..... میں اپنے گھر میں کوئی گند برداشت نہیں کرسکتا بہت بار دیکھ چکا ہوں میں اب آئندہ ایسا نہ ہو۔''

''میں کیا کروں؟ تھوڑے دن کی بات ہے میری عدت ہے میں تم سے بات کر رہی ہوں، یہ بھی غلط ہے مگر..... اللہ کا خوف کرو بھائی۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اگر تم چاہو تو میں نکاح کرسکتا ہوں تم سے۔'' وہ اصل مقصد پر آیا..... بھی چند دن پہلے کی بات تھی کہ پری گل سو رہی تھی صبح صبح گل مینا نے کپڑے دھوئے اور وہ صحن میں بندھی رسی پر کپڑے پھیلا رہی تھی اس بات سے قطعی نا آشنا تھی کہ سلطان جو گھر کے پچھواڑے چھت پر تھا اس کی خبیث نظروں کی زد میں تھی۔ گل مینا جو گزشتہ بارہ تیرہ سال سے اس کے گھر میں کرائے دار کی حیثیت سے رہ رہی تھی اور آج تک اس کی ایک جھلک بھی نہ دکھائی دی تھی، آج وہ مکمل طور پر سامنے تھی، کالی پھول دار قمیص، سفید شلوار اور دوپٹا کمر کے گرد کسے لمبے لمبے سیاہ بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹے پسینے میں شرابور سرخ و سفید رنگت، سلطان دیکھتا رہ گیا، اتنی خوب صورت عورت اس کے پڑوس میں تھی اور وہ بے خبر تھا..... تنہا اور بے آسرا عورت تب ہی وہ آج بہانے سے آیا تھا۔

''کچھ اللہ کا خوف کرو..... شرم آنی چاہیے آپ کو، ابھی میرے شوہر کو مرے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں، میں عدت میں ہوں اور آپ..... آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں۔'' اس کی آواز رندھ گئی۔

''دیکھو ابھی یہ بات صرف میں نے کی، کل کو سارے محلے والے یہ بات کہہ سکتے ہیں۔ میں نے تو ہمدردی والی بات کی ہے سوچ سمجھ کر جواب دینا بھی ٹائم ہے تمہارے پاس۔'' سلطان چلا گیا اور گل مینا

دروازہ بند کر کے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''ہا اللہ..... یہ کیسی آزمائش ہے، مجھے کن کن آزمائشوں سے گزرنا ہوگا؟'' رات بھر گل مینا کو نیند نہیں آئی..... وہ کیا کرے سمجھ سے باہر تھا ابھی تو توصیف بھی حیدر آباد جانے والا تھا اس لیے کچھ دن تک تو اس کو آنا نہیں تھا مگر سلطان کی بات پر گل مینا بہت پریشان تھی۔ دو دن گزر گئے، گل مینا الجھن کا شکار تھی۔ سلطان کی فطرت اچھی نہیں تھی اس بات کا عندیہ تو

شہزاد نے بھی دیا تھا۔

''یا اللہ اگر وہ زبردستی کرے گا تو؟'' اس کا دل دہل گیا۔ ''اس کے دوست بھی سارے ایسے ہی تھے نشئی اور غنڈے اگر خدانا خواستہ..... اف۔'' خوف سے اس کو جھرجھری آئی، دو دن بعد پھر سلطان دروازے پر تھا۔

''کیا سوچا تم نے، عدت تو ختم ہوگئی ہے تمہاری؟''

''سلطان..... شرم کرو کچھ، میں مجبور ہوں، بے سہارا ہوں، مجھے یوں پریشان نہ کرو، تھوڑے دنوں کی بات ہے، میری بہن آجائے گی تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔'' وہ گڑگڑائی۔

''سوچ لے اچھی طرح سے..... ابھی تم جوان ہو، یوں بیٹی کو لے کر کہاں ماری ماری پھرو گی۔ یہ گھر تمہارا ہو سکتا ہے تم مالکن بن سکتی ہو، میں جائز طریقے سے بات کر رہا ہوں ورنہ.....'' وہ مونچھوں کو تاؤ دے کر خباثت سے بولا۔ گل مینا سر سے پیر تک لرز گئی اور جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔

''سنو..... میں ایک ہفتے کے لیے شہر سے باہر جا رہا ہوں آ کر بات کروں گا۔'' وہ جاتے ہوئے کہہ گیا۔

''یا اللہ کس سے کہوں کس سے بات کروں؟'' وہ تو اتنے مہینوں بعد پری گل کی خاطر نارمل ہونے کی کوشش کر رہی تھی ایک بار پھر پریشانیوں میں گھر گئی تھی۔ سلطان کا لہجہ، اس کی بات سن کر دل

ڈھل گیا تھا..... کہاں جائے، کیسے اپنی عزت کی حفاظت کرے، کہاں پناہ ملے گی؟ یہ ساری دنیا ہی بھوکی ہے..... مجبور اور بے بس لوگوں کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنے والی، یہ زہریلے لوگ، غلیظ اور ناپاک سوچ رکھنے والے درندے جو عورت کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں جو کسی مجبور عورت کے جسم سے چادر تو کھینچ سکتے ہیں مگر کسی برہنہ سر عورت کے سر پر تحفظ کی چادر اوڑھاتے ان کی جان نکلتی ہے۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا کہ اسے لگا جیسے دروازے پر دستک ہو رہی ہے، وہ بھی نیند سے بیدار ہوئی تھی لگا جیسے خواب دیکھ رہی ہو مگر ہلکی سی دستک دوبارہ ہوئی تھی۔ گل مینا نے تھوڑا سا سر اٹھا کر پری گل کو دیکھا وہ گہری نیند میں تھی تیسری بار دستک ہوئی تو خوف و دہشت سے گل مینا کانپنے لگی، اسے لگا جیسے وہ پتھر کی ہو گئی ہو۔ اگر ہلی بھی تو اف..... خوف سے آنکھیں پھٹنے لگی تھیں، دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا، اچھے خاصے موسم میں پورا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا تھا، وہ ایسے لیٹی تھی جیسے کہ جسم میں جان ہی نہ ہو، ایک دم ساکت صرف آنکھیں پوری کھلی ہوئی تھیں، دل دہشت کے مارے اچھل کر حلق میں آ رہا تھا، ایک ہاتھ سینے پر رکھے دوسرا ہاتھ پری گل پر رکھے وہ اس وقت دل ہی دل میں آیت الکرسی کا ورد کر رہی تھی۔

''یا اللہ پاک میری عزت تیرے ہاتھ ہے میرے مولا..... میری حفاظت فرما۔'' ساتھ ہی ساتھ دعائیں جاری تھیں آنکھوں سے آنسو رواں تھے، پل پل گزرتی رات گویا قیامت کی طرح تھی۔ رفتہ رفتہ دستک میں کمی آتی گئی اور پھر اسے لگا جیسے کوئی چھت پر سے دوڑتا ہوا گیا ہو۔

''یا اللہ پاک..... رحم، رحم کرنا میرے مولا۔'' وہ صبح ہونے کا شدت سے انتظار کر رہی تھی، یہ قیامت کی رات گزر گئی، ساری رات ایک پل کو بھی آنکھ نہ جھپکی تھی، صبح ہوئی تو اس نے سوچ لیا کہ اب ایک دن بھی یہاں نہیں رہے گی..... رات کو بال بال اللہ نے عزت بچائی تھی نہ جانے کون تھا..... ایک تھا یا پھر سلطان اور اس کے دوست..... خدانا خواستہ کچھ بھی کر سکتے ہیں، مجھے بے ہوش بھی کر سکتے ہیں، میری بچی، پری گل بھی بڑی ہو رہی تھی، خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

مرد کا ساتھ عورت کے لیے تحفظ مان، بھروسہ ہوتا ہے۔ مرد بوڑھا ہو یا جوان، تندرست ہو یا بیمار اگر اس کا وجود عورت کے سر پر سلامت رہے تو یہی آسرا بہت ہوتا ہے۔ کسی کی بری نظر اس عورت کی طرف نہیں اٹھتی، جس کے سر پر سائبان کی صورت اس کا شوہر موجود ہو، ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ یتیم اور بیوہ عورتوں کو ہر کوئی لوٹ کا مال سمجھ لیتا ہے، گل مینا حیرت زدہ تھی کہ سلطان کو اچانک ہی یہ بات کیسے سوجھی مگر جو بھی تھا..... اب گل مینا کو نہ صرف اپنا بلکہ پری گل کا بھی خیال تھا۔

''اگر خدانا خواستہ رات کو کوئی گھر میں کود جاتا؟'' خوف سے جھرجھری لی۔

''یا اللہ کیا کروں، کہاں جاؤں؟'' زندگی کس موڑ پر آ گئی تھی چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا کوئی راستہ سجھائی نہ دے رہا تھا..... کوئی ہمدرد کوئی چارہ گر کوئی بھی تو ایسا نہ تھا کہ جس کے کاندھے پر سر رکھ کر دو آنسو بہا سکے، جس کے سائے میں آ کر ساری تلخیاں بھول جائے، پری گل نہ ہوتی تو شاید اس رات کے بعد وہ خودکشی کر لیتی، جس کے لیے اسے جینا تھا، زمانے کے نشیب و فراز سے گزرنا تھا، حالات کا مقابلہ کرنا تھا..... لگتا تھا جیسے دماغ ماؤف ہو گیا ہو، سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں مفقود ہو چکی تھیں۔

''سلطان تو شہر سے باہر گیا ہوا تھا پھر..... یہ..... یہ کون تھا؟'' وہ انہی سوچوں کا شکار تھی تب اچانک ہی بیٹھے بیٹھے اس کو یاد آیا کہ ایک دن شہزاد نے کسی میم کا ذکر کیا تھا اور اس کا کارڈ بھی لایا تھا کہ میڈم نے کہا تھا کہ کبھی ضرورت پڑے تو آ جانا، وہ امیر خاتون تھیں، کارڈ کا خیال آتے ہی وہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کر کارڈ تلاش کرنے لگی، کچن کے ڈبوں کے پاس بستر والے صندوق پر، میز کی پلاسٹک کے نیچے، کپڑوں والی الماری میں دیوانوں کی طرح ایک ایک چیز دیکھ لی..... پری گل حیرت سے دیکھ رہی تھی۔''

اماں کیا دیکھ رہی ہو؟'' آخر وہ پوچھ بیٹھی۔

''ایک چھوٹا سا سفید کارڈ تھا..... تمہارے بابا نے دیا تھا وہی ڈھونڈ رہی ہوں۔'' دماغ پر زور دے کر پاگل ہو رہی تھی۔

''ہائے اللہ کہیں صفائی میں جھاڑو میں نہ نکال دیا ہو.....''

سوچ کر پریشان ہوئی۔

''نہیں.....نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔'' خود سوال کرتی اور خود ہی جواب دیتی پاگلوں کی طرح تلاش کرتے کرتے دوپہر ہوگئی تھی۔ تب اچانک یاد آیا کہ وہ تو برتنوں کے سلیپ پر کاغذ کے نیچے رکھا تھا، امید کی کرن چمکی تو تیزی سے اٹھ کر سلیپ کی طرف لپکی، کونے میں اخبار کے نیچے پیالوں کے پاس وہ ننھا سا کارڈ رکھا تھا۔

''ہائے اللہ بہت بہت شکر ہے تیرا۔'' امید کی ہلکی سی کرن تھی کہ شاید یہاں سے کوئی آسرا بن جائے، کارڈ مٹھی میں دبا کر چادر لپیٹ کر گھر کی چابی اٹھائی۔

''کیا ہوا اماں؟'' پری گل اماں کی عجیب وغریب حرکتوں کو دیکھ رہی تھی۔

''پری گل تم تھوڑی ہی دیر کے لیے کنیز چاچی کے یہاں چلی جاؤ.....میں ابھی آتی ہوں؟'' پری گل کا ہاتھ تھام کر اسے کھڑا کیا۔

''اماں کہاں جارہی ہو؟ مجھے بھی لے کر چلو۔'' پری گل نے ضدی لہجے میں کہا۔

''نہیں پری گل پتا نہیں مجھے کتنا چلنا پڑے تم تھک جاؤ گی۔ دعا کرو کہ میں جس کام کے لیے جارہی ہوں وہ پورا ہوجائے۔ گھبرانا نہیں، نہ گھر سے باہر نکلنا۔'' وہ تاکید کر کے گھر کو تالا لگا کر پری گل کو پڑوس میں چھوڑ کر اللہ پر مکمل بھروسہ کر کے خود کو اللہ کے سپرد کر کے گھر سے چل پڑی اور بے تحاشہ چلتے چلتے، ادھر ادھر سے پوچھتے پچھاتے آخر کار وہ مطلوبہ منزل تک پہنچ گئی تھی۔

اپنی بات مکمل کر کے گل مینا نے سر اٹھایا تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، گزشتہ ماہ وسال اس کے ذہن کے پردے سے یوں چمٹے ہوئے تھے جیسے کل ہی کے واقعات ہوں، زندگی کے نشیب وفراز ہنسی، آنسو، دکھ اور صدمات سے بھری ہوئی زندگی کھلی کتاب کی طرح کھول کر زرنگار بیگم کے سامنے رکھ

دی تھی، ایک ایک لفظ میں سچائی، اذیت اور کرب تھا۔ زرنگار بیگم کی آنکھیں بھی اس کے دکھ پر نم ہوگئی تھیں، انہوں نے تاسف سے اس عورت کو دیکھا جو اتنی سی عمر میں زندگی کی کتنی سختیاں جھیل کر، زندگی کے تلخ حقائق کا سامنا کر کے، پل پل جیتے مرتے، ایک ایک دن کتنے کرب میں گزارے..... اتنی زندگی میں خوشی کے چند سال نصیب ہوئے ورنہ تو آزمائش، پریشانیوں اور مصیبتوں میں گھری زندگی گزار کر وہ یہاں تک آئی تھی۔ پہلے ہی زرنگار کو اس سے ہمدردی تھی مگر آج..... آج جب انہوں نے اس کی زندگی کی کہانی سنی تو ہمدردی دوچند ہوگئی تھی۔ ان کو اس معصوم اور مظلوم عورت پر بے حد ترس آ رہا تھا۔

یہاں آ کر گل مینا کو تحفظ کا احساس ہو رہا تھا۔ رات کو گل مینا بستر پر لیٹتی تو سوچتی شہزاد تو نے، ہمارے لیے کم از کم یہ آسرا تو چھوڑ دیا تھا کہ اللہ کا کرم ہوا کہ تجھے زرنگار بیگم صاحبہ ملیں اور ہم ماں بیٹی کو سر چھپانے کا آسرا مل گیا، اس کی آنکھیں نم ہو جاتیں..... شہزاد کی یاد آ جاتی تو بہت سی اچھی بری یادیں بھی ساتھ چلی آتیں اور نیند اس سے روٹھ جاتی۔

شام کا وقت تھا، بچوں کے ٹیوٹر آنے والے تھے۔ گل مینا نے چائے تیار کی تو پری چائے لے کر لان میں آ گئی، وہیں پر سب لوگ بیٹھے تھے۔ چائے میز پر رکھ کر وہ وہیں کیاریوں کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی، جہاں اب گل مینا پودوں کو پانی دے رہی تھی۔ ٹیبل پر کتابیں پھیلی ہوئی تھیں، مختار، زوار اور نگین پڑھ رہے تھے۔ زوار نے پڑھتے ہوئے کتاب سے نظر

ہٹائی اور پری گل کو دیکھا پری گل بڑی حسرت سے پھیلی کتابوں کو دیکھ رہی تھی۔

''مما پری گل کی عمر کیا ہوگی؟'' اچانک زوار نے سوال کیا تو زرنگار چونکی۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ ہے کہ اس کی عمر بھی تو پڑھائی کرنے والی ہے ناں مما..... وہ روزانہ ہم لوگوں کو پڑھتے ہوئے دیکھتی ہے، کل میں نے اس کو اخبار بھی پڑھتے دیکھا شاید وہ پڑھنا

چاہتی ہو اس کا ایڈمیشن بھی کروا دیں۔"

"اوہ زوار تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟ وہ لوگ پڑھائی وڑھائی کو کیا جانیں، اخبار میں تصویر دیکھ رہی ہو گی وہ..... اتنی سی تو ہے اس کو کون سا پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بننا ہے وہ نوکر ہیں ان کو نوکر ہی رہنے دو۔" مختار شاہ کو بھائی کی یہ بات بالکل اچھی نہیں لگی تب ہی جھٹ سے بولا۔

"یہ کیا بات کہی بھائی آپ نے؟ کیا غریب لوگ پڑھ لکھ نہیں سکتے؟ پتا نہیں کتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ایسے ہیں جن کے باپ ریڑھیاں لگاتے ہیں، مزدوری کرتے ہیں، وہ خود محنت کش ہیں۔" زوار نے پلٹ کر کہا اس کو مختار شاہ کا اس طرح کہنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"افوہ، چپ کرو تم لوگ کس بحث میں پڑ گئے ہو بس خاموشی سے پڑھائی کرو۔" زرنگار بیگم نے سرزنش کی لیکن ان کو بھی احساس ہوا تھا کہ پری گل جو نگین کی ہم عمر ہے اس کو واقعی ایڈمیشن دلوانا چاہیے۔

"گل مینا یہاں آؤ۔" انہوں نے آواز دی تو گل مینا ہاتھ جھاڑتی ہوئی پاس آ گئی۔

"پری گل نے کچھ پڑھا ہے، مطلب اسکول گئی ہے کیا؟"

"جی بیگم صاحبہ، پری گل کا داخلہ کروایا تھا میں نے، اس کے بابا کو خواہش تھی کہ میری بیٹی بہت سارا پڑھے، بہت اچھا پڑھتی تھی جی تین امتحانات میں اول آئی تھی۔" گل مینا نے فخر سے بتایا۔

"اچھا واہ بھئی۔" زرنگار مسکرائیں۔ اتنے میں ٹیوٹر آ گئے تو زرنگار اٹھ کر اندر کی طرف چلی گئیں۔ زرنگار نے اسی روز دلاور شاہ سے پری گل کی پڑھائی کے حوالے سے بات کی۔ "ہنہ..... اس طرف تو کبھی دھیان گیا ہی نہیں..... ٹھیک ہے کروا دو اس کا داخلہ کسی عام سے اسکول میں۔" دلاور شاہ نے سر ہلا کر کہا تو زرنگار نے سوچا کہ گھر کے قریب ہی چھوٹا سا پرائیویٹ اسکول ہے وہاں داخل کروا دیں گی۔ پری گل کے ایڈمیشن کو لے کر مختار نے بہت ہنگامہ کیا۔

"کیا ضرورت ہے اتنی مہربانی کی، بس گھر میں رکھ لیا، تنخواہ دیتے ہیں، کھانا پینا، رہنا سب کچھ تو

ہے پھر ضروری ہے کہ تعلیم بھی حاصل کی جائے۔'' جبکہ زوار اور نگین اس بات سے خوش تھے، ان کو معصوم پری گل بہت اچھی لگتی تھی جو بس دور دور سے دیکھ کر مسکراتی رہتی، نگین کے کام دوڑ دوڑ کر کرتی اور پھر اپنی اماں کے پہلو سے لگ جاتی، زرنگار بیگم نگین کے کپڑے جوتے وغیرہ دیتی تو وہ بہت خوش ہو جاتی، اسکول میں داخلہ لیا تو بہت خوش تھی اس کو پڑھنے کا بہت شوق تھا، وہ دل لگا کر پڑھتی تھی۔

زرنگار کی ایک بڑی بہن سحر نگار بھی تھیں جو شادی کے فوراً بعد ہی شہر میں آ بسی تھیں اس لیے وہ شہر کے ادب و آداب سے اچھی طرح واقف تھیں جبکہ زرنگار نے بھی بہت جلدی خود کو شہری ماحول میں ڈھال لیا تھا۔ اب ان کے رہن سہن، پہننے اوڑھنے اور بات چیت سے اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا کہ ایک عمر گاؤں میں گزاری ہے۔ بچوں کو تو ویسے بھی کافی سوجھ بوجھ تھی، سحر نگار کی ایک بیٹی تھی زرتاشہ انتہائی مغرور اور بدتمیز تھی وہ، زوار کی ہم عمر تھی اس کو اپنے باپ کی دولت کا بہت غرور تھا، صورت شکل عام سی تھی، کافی دن بعد سحر نگار آئی تھیں، گھر میں صبح سے ہی غیر معمولی چہل پہل تھی۔ صبح صبح زرنگار بیگم نے گل مینا کو آج کا مینو بتا دیا تھا۔ زرنگار کو اپنی بھانجی بہت عزیز تھی اور ایک ہی بہن تھیں تو ان کے آنے پر خاصا اہتمام ہوتا تھا۔

''کوئی آ رہا ہے کیا آج؟'' گل مینا نے پوچھا۔

''ہاں میری بڑی بہن آ رہی ہے اور کچھ دن یہی رہیں گی۔'' زرنگار بیگم نے کہا۔

''جی اچھا۔'' گل مینا نے سر جھکا کر جھاڑو لگاتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

''زرنگار یہ کچن میں کون عورت کام کر رہی ہے؟'' سحر نگار نے گہری تنقیدی نظریں مینا پر ڈالتے ہوئے بہن سے سوال کیا۔

''یہ میڈ ہے آپا..... گھر کے سارے کام کر لیتی ہے، اس کے آنے سے بڑی سہولت ہو گئی ہے

مجھے۔'' زرنگار بیگم نے مینا پر اچٹتی سی نگاہ ڈال کر بہن کی طرف دیکھا۔

''ارے زرنگار..... کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئیں، اتنی بے فکری اور اطمینان سے کہہ رہی ہو مجھے تو تمہارے اطمینان پر حیرت ہو رہی ہے قسم سے۔'' سحر نگار آنکھیں پھیلا کر قدرے تیکھے انداز میں بہن سے مخاطب ہوئیں۔

''کیا ہو گیا آپا، خیریت تو ہے، آپ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں؟'' زرنگار بہن کے رویے سے پریشان ہوئیں۔

''کتنی بے وقوف ہو تم زرنگار، شہر میں رہتی ہو مگر یہاں کے داؤ پیچ اور فتنوں سے بے خبر ہو..... اتنی خوب صورت جوان اور صحت مند نوکرانی رکھ کر کیوں اپنے ہاتھوں سے برائی کو دعوت دے رہی ہو..... ایسی عورت کو دیکھ کر تو کوئی مرد بھی پھسل سکتا ہے پھر دلاور بھی تو مرد ہی ہے ناں؟''

''توبہ کرو آپا..... یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟ بہت سیدھی سادی اور معصوم ہے بیچاری، دکھی اور پریشان حال ہے، اپنے کام سے کام رکھنے والی، وہ تو مجھ سے بھی غیر ضروری بات نہیں کرتی۔'' زرنگار کو بہن کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔

''ایسے سیدھے معصوم اور بھولے بھالے لوگ جب ہاتھ دکھاتے ہیں ناں تو بڑے بڑے سورماؤں کے طوطے اڑا کر رکھ دیتے ہیں..... یوں ہر کسی پر بھروسہ مت کیا کرو..... شہر میں رہتی ہو تو یہاں کے داؤ پیچ اور ہیرا پھیری سے بھی واقف رہو، ترس کھانے سے بہتر ہے چند روپوں سے مدد کرو اور چلتا کرو..... ویسے بھی ایسے لوگ بڑے ڈرامے باز ہوتے ہیں۔'' سحر نگار اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی رہیں۔

''آپا خوامخواہ آپ یوں پریشان مت ہوں، وہ ویسے بھی دلاور شاہ کے سامنے نہیں آتی اور ہمیشہ خود کو چادر میں چھپائے رکھتی ہے، اتنا تو اندازہ ہو ہی جاتا ہے عورت کی نقل و حرکت سے اسے کام سے ہی مطلب ہوتا ہے بس۔'' زرنگار بدستور اپنی بات پر اڑی ہوئی تھیں۔

"تم نہیں بدلو گی زرنگار..... بچپن سے ہی تم ایسی ہی ہو سیدھی سادی اور سب پر بھروسہ کرنے والی تب ہی تو دلاور شاہ سے شادی بھی کر لی سب کچھ جانتے ہوئے بھی، اب بھی ویسی ہی ہو نہ بچوں پر سختی کرتی ہو نہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہے۔"

"ارے آپا آپ کہاں پرانے باتیں لے کر بیٹھ گئیں ..... اب ان باتوں کو نکالنے کا کیا مقصد ہے؟ جو بھی ہوا سو ہوا الحمدللہ آج میں دلاور کے ساتھ بہت خوش ہوں۔" زرنگار نے جلدی سے بہن کی بات کاٹ کر انہیں مزید کچھ کہنے سے روکا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ دلاور شاہ کے بارے میں ان کے بچوں کو کچھ پتہ چلے کہ جوانی میں ان کے ساتھ کیا کیا ہوا۔

"زرنگار سب باتیں اپنی جگہ مگر میں پھر بھی یہی کہوں گی کہ تم اس پر نظر رکھا کرو..... شہر میں اس قسم کے بے شمار واقعات ہوتے رہتے ہیں اور ویسے بھی تم دن میں گھر پر اکیلی ہوتی ہوں اس لئے دل ڈرتا ہے بس تم ذرا خیال رکھا کرو۔"

"کھانا لگا دیں بیگم صاحب؟" آواز پر دونوں کی توجہ اس جانب مرکوز ہوئی۔

"ہاں لگا دو۔" زرنگار نے جواب دیا، سحر نگار نے سر سے پیر تک پری گل کو دیکھا ان کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"یہ کون ہے؟" پری گل کے جانے کے بعد سوال کیا۔

"یہ پری گل ہے، گل مینا کی بیٹی۔"

"اوہ..... پری گل..... واہ بھئی کیا نام رکھے ہیں تمہاری نوکرانیوں نے بھی چن چن کر۔" سحر نگار تمسخرانہ قہقہہ لگا کر اٹھتے ہوئے بولیں۔

زرنگار بیگم نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، دونوں بہنیں کھانے کی ٹیبل کی طرف بڑھ گئیں، ننھی پری گل ماں کے ساتھ مل کر جلدی جلدی ٹیبل پر چیزیں رکھ رہی تھی۔

''خالہ ..... یہ لڑکی کون ہے؟'' زرتاشہ نے پری گل کو دیکھ کر سوال کیا۔

''یہ ہماری نئی میڈ کی بیٹی ہے۔'' زرنگار نے کہا۔

''یہ کہاں سے آئی ہے؟'' زرتاشہ کے بے ساختہ سوال پر سب کو ہنسی آئی۔

''پتا نہیں کہاں سے آئی ہے؟ ہماری مما کو نہ جانے کہاں کی دریافت ہے جو مستقل ہمارے یہاں رہنے لگی ہیں اپنی والدہ کے ہمراہ ..... ویسے بھی ہماری مما زیادہ ہی خدا ترس ہیں۔'' مختار شاہ کے لہجے میں طنز تھا۔

''چلو بھئی کھانا اسٹارٹ کرو ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' زرنگار نے سب کی توجہ کھانے کی جانب دلوائی تو سب کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ زرتاشہ کی فطرت میں خودسری شامل تھی مزاج حاکمانہ تھا۔

''اے لڑکی ادھر آؤ۔'' زرتاشہ نے پری گل کو اشارے سے اپنی طرف بلایا۔

''پری گل نام ہے اس کا۔'' زوار نے پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے سر اٹھا کر زرتاشہ کی طرف دیکھا۔ پری گل آہستگی سے چلتی ہوئی زرتاشہ کے قریب آ گئی۔

''اوہ ..... پری گل۔'' زرتاشہ نے تمسخر سے اسے سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے لفظ پری پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''پر ..... کہاں ہیں تمہارے ..... ذرا گھوم کر دکھاؤ تو سہی۔'' پری گل اسے معصومیت سے دیکھ رہی تھی۔ سچ مچ گھومنے لگی۔

''ہاہاہاہا۔'' سب لوگ محظوظ ہو رہے تھے۔

''زری بیٹا بری بات کھانا اسٹارٹ کرو۔'' زرنگار نے ایک بار پھر کھانے کی طرف توجہ دلائی۔

''اوکے خالہ۔'' زرتاشہ کاندھے اچکا کر بولی۔

''یہ لو یہ گلاس اچھی طرح دھو کر لاؤ۔'' زرتاشہ نے سامنے رکھا دھلا دھلایا گلاس پری کی جانب

بڑھایا پری جھٹ سے گلاس دھو کر لے آئی۔

''گل مینا سالن کی ایک اور ڈش ٹیبل پر رکھ دو اور تم دونوں بھی کھانا کھالو۔'' زرنگار نے گل مینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب، یہ لوگ بھی ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے؟'' سحر نگار نے ترچھی نظروں سے بہن کی طرف دیکھا۔

''نہیں آپا ..... یہ دونوں کچن میں کھاتی ہیں مجھے اچھا نہیں لگتا یہ لوگ بچا کھچا کھانا کھائیں اس لئے کہتی ہوں کہ ساتھ ہی کھالیا کرو۔''

''ہاں بھئی ہماری اماں جان ہے ناں، ان کو مدر ٹریسا اپنا جانشین بنا کر گئی ہیں بڑی ہمدردی رکھتی ہیں سب کے لیے یہ دل میں۔'' مختار شاہ مزاحیہ انداز میں بولا تو زرنگار نے اسے گھور کر دیکھا جبکہ باقی لوگوں کے چہروں پر ہنسی آ گئی تھی۔

مختار شاہ کندھے اچکا کر پلیٹ پر جھک گیا تھا۔

''تمہاری ماں تو بچپن سے ہی ایسی ہے، سیدھی اور بیوقوف ہے اسے اپنے اختیارات کا صحیح استعمال آج تک نہیں آیا، گل مینا یہیں رہو جب تک ہمارا کھانا نہیں ہو جاتا یہ کون سا طریقہ ہے کہ کسی چیز کی ضرورت پڑے تو تم خود اٹھ کر جاؤں لینے کے لیے۔'' سحر نگار نے کچھ سخت لہجے میں کہا۔

''یہی بات میں مما سے ہزار بار کہہ چکا ہوں مگر مما میری سنتی کب ہیں؟'' مختار شاہ کو خالا کی شہ ملی تو وہ بھی شیر ہوا۔

''چھوڑیں خالہ، اب یہ اتنا بڑا ایشو بھی نہیں ہے، ویسے بھی ٹیبل پر ہر چیز وافر مقدار میں موجود ہوتی ہے۔'' اسے خالہ کی مسلسل شوشے چھوڑنے والی عادت سخت ناپسند تھی۔

''ارے بھیا میں تو صرف اصول اور طریقہ بتا رہی ہوں، باقی تم لوگوں کا گھر ہے، تمہاری مرضی

جیسے اور جس طرح سے رہو، مگر کسی کے سامنے ایسا کرو گے تو برا محسوس کرے گا، انسان کو زندگی ہمیشہ اصولوں پر گزارنی چاہیے، جو بات بہتر سمجھی وہ کہہ دی، آگے تم جانو تمہارا گھر جانے۔'' سحر نگار کو زوار کی مداخلت پسند نہیں آئی تھی۔

''جی آپا، آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں، آئندہ خیال رکھوں گی۔'' زرنگار نے بہن کا بگڑتا ہوا موڈ دیکھا تو جلدی سے کہا، ان کو بہن کی ناراضگی منظور نہ تھی سحر نگار منہ بنا کر پلیٹ کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

کھانے کے بعد گل مینہ قہوہ بنا کر لے آئی، زرنگار سحر نگار کے ساتھ بیڈروم کی طرف چلی گئی، بچے اپنے اپنے کمروں کی طرف اور گل مینا اور پری گل نے کچن سمیٹ کر برتن دھوئے، سلیقے سے برتنوں کو شیلف میں رکھ کر دونوں اپنے کواٹر میں چلی آئیں، یہ دو گھنٹے دونوں اپنے کواٹر میں گزارتی تھی جس میں گل مینا کچھ دیر آرام کر لیتی اور پری گل پڑھائی کر لیتی تھی۔

☆.....☆.....☆

شام کی چائے سب لوگ لان میں پیتے تھے، اس وقت تک دلاور شاہ بھی آ جاتے تھے، حسب معمول پانچ بجے گل مینا چائے بنا کر لے آئی، مختار شاہ اور زوار شاہ نے تھوڑے فاصلے پر کیرم بورڈ لگا لیا تھا نگین اور زرتاشہ قریب ہی بیٹھی تھیں، نگین اس وقت انگلش کی بک کھولے کچھ یاد کر رہی تھی۔

''نگین، زرتاشہ آ جاؤ کیرم کھیلتے ہیں۔'' مختار شاہ نے بورڈ کے درمیان کالی اور سفید گوٹوں کو جما کر آواز لگائی۔

''نہیں بھائی میرا کل ٹیسٹ ہے میں نہیں کھیل رہی۔'' نگین نے صاف انکار کر دیا۔

''ارے یار کم ان، ایک دو گیم کھیلتے ہیں یار ..... پھر پڑھ لینا۔'' زوار شاہ نے کہا۔

''نہیں بھائی میرا بالکل موڈ نہیں ہے۔'' نگین نے جواب دیا۔

''اوہ یار پھر گیم کیسے کھیلیں گے؟ چار پلیئر ہوں گے تو پارٹنرز کا کھیل سکیں گے ناں، ویسے تو تڑپتی

ہے کھیلنے کو مگر اب پڑھائی یاد آ رہی ہے اس کو ایک دن میں ٹاپ بھی تو کرنا ہے ناں۔ اتنے دنوں بعد زرتاشہ آئی ہے اور محترمہ کے نخرے عروج پر ہیں۔'' مختار شاہ کو غصہ آ گیا۔

''پری کو لے لو ناں۔'' نگین نے کچھ فاصلے پر گھاس پر بیٹھی پری کی طرف اشارہ کیا۔

''وہاٹ ..... نگین اس کے ساتھ؟ وہ بھلا کھیل پائے گی گیم، بھلا اسے کیا سمجھ ہو گی کیرم کی؟'' زرتاشہ نے طنز سے پری کی طرف دیکھا، پری جز بز ہو گئی۔

''اوہو، تم کیوں ٹینشن لے رہی ہو یار تمہارا پارٹنر تو میں ہوں ناں آ جاؤ فٹافٹ۔'' مختار شاہ نے تسلی دی تو زرتاشہ عجیب سا منہ بنا کر مختار شاہ کی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''پری یہاں آؤ میرے سامنے بیٹھو، ہم کیرم کھیل رہے ہیں۔''

زوار شاہ نے کہا تو پری ہچکچاتے ہوئے آگے آئی۔

زرتاشہ نے منہ بنا کر طنزیہ مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔ پری زوار کے سامنے بیٹھ گئی، وہیں کچھ فاصلے پر زرنگار سحر نگار اور دلاور شاہ بیٹھے چائے پی رہے تھے، ساتھ مختلف مختلف موضوعات پر گفتگو بھی چل رہی تھی۔ گل مینا چائے کے برتن سمیٹ کر اندر چلی گئی تھی۔ ویسے بھی اس کی زیادہ کوشش ہوتی کہ جب دلاور شاہ گھر ہو تو وہ زیادہ وقت کچن میں گزارے۔

جب گیم اسٹارٹ ہوا تو زرتاشہ کو سو فیصد یقین تھا کہ وہ اور مختار شاہ ہی جیتیں گے مگر جب پری کے ہاتھ میں اسٹرائیکر آیا تو اسے احساس ہوا کہ اس کی سوچ غلط تھی، اسے ذرہ برابر بھی اندازہ نہیں تھا کہ پری کا کھیل اتنا شاندار ہو گا.....

اسٹرائیکر پکڑنے کا مخصوص انداز، اس پر کمال ہوشیاری سے کوائن کی ججمنٹ کرتے یوئے وہ اتنی عمدگی سے کھیل رہی تھی کہ مختار شاہ کے ساتھ ساتھ زرتاشہ کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ زوار شاہ کے چہرے پر دھیمی دھیمی مسکراہٹ تھی۔ پہلا ہی بورڈ جب بارہ کا مارا تو زرتاشہ کا چہرہ غصے سے لال بھبوکا

ہو گیا۔ دوسرا بورڈ بھی نو پوائنٹ کا مارا۔

''مختار شاہ کیا ہو گیا ہے تمہیں، اتنے برے کھلاڑی تو نہ تھے تم ..... مجھے تو لگ رہا ہے جان بوجھ کر خراب کھیل کھیل رہے ہو تم۔'' زرتاشہ نے غصہ مختار شاہ پر نکالا۔

''تم کونسا اچھا کھیل رہی ہو..... تم بھی تو بے کار کھیل رہی ہو، گوٹی کدھر ہے اور تمہارا نشانہ کدھر ہے۔'' مختار شاہ بھی جھنجلایا۔ زوار کی بات الگ تھی مگر زرتاشہ کو دو کوڑی کی نوکرانی سے ہارنا ہرگز منظور نہ تھا، اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ نوکرانی اتنا اچھا کھیل سکتی ہے، جیتنا تو درکنار بلکہ ہار بھی ایسی تاریخی ملنے والی تھی کہ زرتاشہ نے جھنجھلا کر بورڈ ہی الٹ دیا۔

''نہیں کھیلنا مجھے بکواس کھیل۔'' وہ تنتناتی ہوئی اٹھ کر پیر پٹختی سحر نگار کے پہلو میں جا کر بیٹھ گئی۔

''ارے..... اسے کیا ہوا، کیوں ناراض ہو گئی میری بچی ..... موڈ کیوں اتنا خراب ہو گیا؟'' زرنگار نے آگے بڑھ کر اس کو چمکارا۔

''کچھ خاص نہیں مما، متوقع شاندار اور جاندار ہار کا ری ایکشن ہے۔'' زوار بھی پیچھے چلا آیا تھا۔ پری گل ڈر کے مارے اندر اماں کی طرف بھاگ گئی تھی۔

''چپ کرو تم زوار۔'' زرتاشہ زوار پر چلائی۔

''ارے گڑیا، اس طرح ری ایکٹ نہیں کرتے کھیل میں تو اس طرح ہی ہوتا ہے، ایک ہارتا ہے پھر ہی تو دوسرا جیت جاتا ہے۔ اسپورٹ کا اصول تو یہی ہے کہ اپنا جیت پر جتنی خوشیاں مناتا ہے اسی طرح ہار کو بھی خوش دلی سے قبول کرے اور اپنی اس خامی کو تلاش کرے جو ہار کا سبب بنے۔'' دلاور شاہ نے نرم لہجے میں سمجھایا۔

''خالو، پتا نہیں آج مختار کو کیا ہو گیا تھا جو اتنا بورنگ، اتنا لوزر تو کبھی بھی نہ تھا یہ۔'' اب سارا غصہ مختار پر نکالا۔

''چلو یار چھوڑو بھی۔ اپنا موڈ خراب مت کرو۔ گولی مارو کیرم بورڈ کو، اندر جا کر اچھی سی مووی دیکھتے ہیں۔'' مختار شاہ کو اس کی ناراضگی بالکل بھی گوارا نہ تھی۔ وہ منہ بنا کر مختار شاہ کے ساتھ اندر چل دی اور زوار ہنس دیا۔

''اللہ پاک اس لڑکی کا غصہ ختم کر دے..... ذرا ذرا سی بات پر اتنی ہائپر ہو جاتی ہے، مجھے تو ڈر لگنے لگتا ہے۔'' سحر نگار نے اس جاتا دیکھ کر کہا۔

''ارے بچی ہے ابھی، وقت کے ساتھ ٹھیک ہو جائے گی آپا۔ دراصل اکیلی ہے نا، تو لاڈ اٹھوانے کی عادت ہو گئی ہے، ویسے بھی آپ کو اس کی فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے، ہم ہیں ناں فکر کرنے والے۔'' زرنگار نے مسکراتے ہوئے ذو معنی بات کہی تو دلاور شاہ مسکرا دیے۔

''ہاں بھئی اللہ پاک سلامت رکھے تم سب کو۔'' سحر نگار مسکرائیں۔ (آمین ثم آمین)۔ زرنگار با آواز بلند بولیں۔

''قسم سے مختار مجھے ہارنے کا افسوس نہیں مگر یہ سوچ کر میرا خون کھول رہا ہے کہ ایک معمولی نوکرانی اتنا اچھا کھیلی، اس کے سامنے ہم لوگ اف اتنے ٹھس اور ناکارہ، اپنی بے عزتی محسوس کر رہی ہوں یار۔'' زرتاشہ بدستور جھنجلاہٹ کا شکار تھی۔

اس نے زندگی میں کبھی ہارنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ سب سے آگے رہنا چاہتی تھی، آج ایک ادنیٰ اور معمولی لڑکی سے ہارنا اس کی برداشت سے باہر تھا۔

''افوہ زرتاشہ تم اتنا ہائپر کیوں ہو رہی ہو یار..... وہ کیا اس کی حیثیت کیا؟ تمہاری اس کی کیا برابری، مارو گولی اس کو، اس کے ساتھ خود کو کیوں میچ کر رہی ہو تم۔'' مختار شاہ اس کی جھنجلاہٹ پر پریشان ہوا۔ تب ہی اس کو بہلانے کے لیے سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔ اس کا دھیان بٹانے کے لیے اس کی پسندیدہ مووی لگائی۔ ڈھیر ساری چاکلیٹس اس کے آگے رکھ دیں۔ زرتاشہ کے موڈ کو نارمل کرنے میں مختار کو ایک

گھنٹہ لگا لیکن زرتاشہ خوامخواہ معصوم پری گل سے چڑنے گئی تھی۔

اور تو اور سحر نگار بھی نہ جانے کیوں گل مینا پر گہری نظر رکھتیں، اس کا چلنا پھرنا، کام کرنا ہر چیز کا تنقیدی انداز میں جائزہ لیتیں، قدم قدم پر زرنگار کو اونچ نیچ سے آگاہ کرتیں۔

''تم بے وقوف ہو، تم تو پاگل ہو، اتنی معصومیت اور اتنا اعتماد بھی ٹھیک نہیں ہے۔ نظر رکھا کرو اس پر، تمہاری انگوٹھی ڈریسنگ ٹیبل پر کیوں پڑی تھی؟ تمہارا پرس سامنے کیوں رکھا ہے؟'' وہ بہن کو بچوں کی طرح ٹریٹ کرتیں اور زرنگار سر ہلا ہلا کر بہن کے خدشات کا جواب دیتیں تو کبھی ان کی بات کی تائید کر کے ان کو مطمئن کر دیتیں، کچھ دن رہ کر سحر نگار اور زرتاشہ واپس چلے گئے مگر جاتے ہوئے زرنگار کو سمجھانا نہیں بھولی تھیں۔ نگین اور زوار کی دیکھا دیکھی پری گل نے مختار شاہ کو بھائی کہہ دیا تو مختار شاہ کو اس کا بھائی کہنا برا لگا تھا۔

''میں تمہارا بھائی نہیں ہوں آئی سمجھ۔'' اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

''جی.....'' پری گل اس کے جارحانہ انداز پر ڈر گئی تھی۔ یونہی وقت کا پہیہ چلتا رہا، دن ہفتوں، ماہ اور سال میں بدلتے چلے گئے۔ کل کے بچے آج جوان ہو چکے تھے۔ مختار نے گریجویشن کر لیا تھا، زوار نے انٹر، پری گل اور نگین میٹرک میں تھیں۔ پری گل ویسے تو پندرہ سال کی تھی مگر قد کاٹھ سے بیس سال کی لگتی تھی۔ خوب صورت نین نقش، سفید رنگت اور دراز قد والی پری گل وقت کے ساتھ ساتھ مزید حسین ہوئی تھی۔ جبکہ نگین کی عام سی شکل وصورت اور گندمی رنگت تھی، نگین کبھی کبھی پری گل سے حسد محسوس کرتی، وقت کے ساتھ ساتھ دلاور شاہ نے اپنے کاروبار کو مزید وسیع کر لیا تھا، مختار شاہ پڑھائی سے فارغ ہوئے تو دلاور شاہ نے ان کو اپنے ساتھ کاروبار میں شریک کر لیا، ویسے بھی وقتاً فوقتاً وہ مختار شاہ اور زوار شاہ کو کاروباری امور سے آگاہ کرتے رہتے۔ ان کو بھی بزنس میں دلچسپی تھی اور ادھر زرنگار بیگم کو اس بات کی جلدی تھی کہ کب مختار شاہ کاروبار میں شریک ہوں اور وہ زرتاشہ کو بہو بنا کر گھر لے آئیں۔

زرتاشہ بھی ابھی کم عمر ہی تھی اس نے انٹر پاس کیا تھا لیکن زرنگار بہن کی خواہش کو دیکھتے ہوئے جلد شادی کرنے پر رضامند ہوگئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

پری گل جب سے بڑی ہوئی تھی وہ زیادہ تر اپنے کوارٹر میں ہی رہتی تھی۔ کوئی کام ہوتا تو آتی جھٹ پٹ کام نبٹا کر واپس کوارٹر میں چلی جاتی، اسے پڑھائی کے ساتھ ساتھ سلائی، کڑھائی کا بھی بہت شوق تھا، سو زرنگار سے اجازت لے کر گل مینا نے پری کو سلائی کا کورس بھی کروا دیا تھا، اس کا شوق اور دلچسپی ہی تھی کہ وہ وقت سے پہلے ہی سب کچھ سیکھ گئی تھی اور بڑی نفاست اور مہارت سے کٹنگ اور سلائی کرتی۔ گل مینا کی طبیعت کچھ خراب تھی نگین کی سہیلیاں ملنے آئیں تو پری چائے وغیرہ لے کر آئی۔

''نگین یہ کون ہیں، کیا تمہاری ہونے والی بھابھی ہیں؟'' پری گل چائے کی ٹرالی لے کر آئی تو نگین کی ایک سہیلی سمجھی کہ وہ زرتاشہ ہے۔

''ارے نہیں..... نہیں، یہ تو ہماری میڈ کی بیٹی ہے یار..... یہ بھی میڈ ہی ہے، اپنی ماں کے ساتھ ہمارے ہاں ہی رہتی ہے سرونٹ کوارٹر میں، اکیلی تھیں تو مما نے ان کو رکھ لیا تھا۔''

نگین نے جلدی سے وضاحت دی۔

''اچھا مگر دیکھنے میں تو اچھی لگتی ہے۔'' سہیلی نے نفاست سے سلے صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس پری کو بغور دیکھتے ہوئے قدرے رازداری سے کہا۔

''دیکھو تو کتنا اچھا ڈیزائن کیا ہے سوٹ یقیناً تمہارا ہی ہوگا۔'' دوسری سہیلی نے شرٹ کی ڈیزائننگ دیکھتے ہوئے دھیمے سے کہا۔

''نہیں یہ اس کا اپنا سوٹ ہے۔'' نگین نے اس پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ واقعی اچھا ڈیزائن کیا ہوا تھا۔

''تم نے شرٹ کس سے سلوائی ہے؟'' ایک سہیلی نے آخر کار پوچھ لیا۔

''نہیں جی، میں نے خود ہی سلائی کی ہے۔'' چائے کپ میں نکالتے ہوئے پری گل نے دھیرے سے کہا۔

''واؤ، بہت زبردست اسٹیچنگ کی ہے تم نے تو نگین دیکھو تو ذرا..... ایسا ہی ملتا جلتا ڈیزائن میں نے ٹیلر کو بتایا تھا مگر اس بدتمیز آدمی نے ستیاناس کر دیا میرے اتنے مہنگے سوٹ کا..... اسے دیکھو کتنی صفائی سے اسٹیچ کیا ہے اس نے۔'' نائلہ نے ستائشی نظریں پری پر ڈالتے ہوئے نگین کی توجہ پھر سے پری کے سوٹ کی جانب دلائی۔ نگین نے آج شاید پہلی بار پری گل کو اس طرح سے دیکھا تھا۔ واقعی اچھی اور مہارت سے اسٹیچنگ کی گئی تھی۔

''جی بی بی، میں نے سلائی سیکھی تھی تین ماہ کا کورس کیا ہے۔'' نگین نے بتایا۔

''گڈ یار۔'' نائلہ نے کہا۔

''نگین مختار بھائی کی شادی پر تمہارا مسئلہ تو حل ہو جائے گا، گھر میں اتنی اچھی ٹیلر موجود ہے، ڈیزائن دے کر سلوا لینا۔ ٹیلرز کے ہاں کے چکروں سے بھی بچ جاؤ گی۔'' نائلہ نے کہا تو نگین نے اثبات میں سر ہلایا۔

گھر میں مختار شاہ کی شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ دونوں پارٹیاں ہی پیسے والی تھیں۔ سحر نگار کے شوہر کا بھی اپنا بزنس تھا اور اکلوتی بیٹی زرتاشہ تھی۔ سو وہاں کی تیاریاں بھی خوب زور و شور سے شروع ہو چکی تھیں۔ زرتاشہ کی پسند بھی سب سے الگ تھی۔ اس کی پسند کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بات کا خیال رکھا جا رہا تھا تو سسرال میں بھی ایک ایک چیز اس کی پسند اور مرضی کے مطابق خریدی جا رہی تھی۔ بری کے جوڑوں سے لے کر، جیولری، شوز، شادی، ولیمے کے بھاری جوڑے، چوڑیاں گولڈ کے سیٹ، ہر چیز میں اس کی پسند شامل تھی۔ نگین کی اپنی تیاری بھی عروج پر تھی۔ بھائی کی شادی تھی تو دوسری طرف اس کی بہترین دوست بھاوج بن کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گھر آنے والی تھی۔ ویسے بھی جب بھائی کی شادی

ہو اور بہن چھوٹی ہو تو اس کے نخرے دیکھنے والے ہوتے ہیں۔ وہ تیاری میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتی ہیں یہی حال نگین کا بھی تھا۔ وہ دل کھول کر شاپنگ کر رہی تھی۔ کبھی کبھی پری حسرت سے زرتاشہ کی بری کا سامان دیکھتی، ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی حسین کامدار بھاری جوڑے، چمکتی دمکتی حسین اور جدید فیشن کی جیولری، لمبی لمبی ہیل والی خوب صورت نازک نگینوں اور موتیوں سے سجی سینڈلز، بیش قیمت پرس، جس چیز پر نظر پڑتی آنکھیں چمک جاتیں، یا اللہ تو نے انسان تو سارے ایک جیسے بنائے ہیں، وہی ناک، کان، آنکھیں ہاتھ، پیر لیکن، قسمتیں، نصیب سب کے الگ الگ بنائے ہیں۔ کسی کے نصیب میں عیش، آرام، سکون ہی سکون ہے تو کوئی دیکھ پریشانی، غربت کی چکی میں پستے پستے، دو وقت کی روٹی کی خاطر کیسے کیسے جتن کرتا ہے، کتنے عذاب جھیلتا ہے۔ کوئی ساری زندگی صرف بھاگتا ہی رہتا ہے خوشیوں کے پیچھے سکون کی خاطر، اچھے دنوں کی آس میں زندگی کا تکلیف دہ سفر طے کرتے کرتے، وہ تھک ہار کر اپنے آخری سفر پر روانہ ہو جاتا ہے، یہی دنیا ہے اور یہی دنیا کے کاروبار۔

''وہاٹ میں..... میں اپنے کپڑے اس نوکرانی سے سلواؤں گی؟'' تمہیں پتا ہے ناں میں اپنے ٹیلر کے علاوہ کسی اور سے نہیں سلواتی، اسے کیا سمجھ ہے اچھی اور جدید سلائی اور فیشن کے بارے میں؟ میرے جہیز کے کپڑے..... پتا بھی ہیں کتنے قیمتی ہیں، میں کیسے رسک لوں؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' نگین نے زرتاشہ کو پری کی سلائی کے بارے میں بتایا تو زرتاشہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔

''اوکے..... اوکے یار، تمہاری مرضی، تم جس سے بھی سلواؤ، یوں ہائپر ہونے کی ضرورت نہیں، تمہاری مرضی سے ہی سارے کام ہوں گے۔''

''اور نگین تمہیں کیا ضرورت ہے فضول اور بے تکے مشورے دینے کی..... پتا بھی ہے زرتاشہ کتنی چوزی ہے اس معاملے میں اس کی چوائس سب سے الگ ہے۔ اپنے مشورے اپنے پاس ہی رکھو تم۔'' مختار شاہ پہلے قدرے نرمی سے زرتاشہ سے اور پھر تیز لہجے میں نگین سے مخاطب ہوا۔

''چلیں بھائی ایسی بھی کوئی ٹینشن والی بات نہیں، بھابھی کو نہیں سلوانا نہ سلوائیں یہ کوئی اتنا بڑا ایشو نہیں ہے۔'' زوار کو مختار کا لہجہ اچھا نہیں لگا تھا۔ نگین جز بز ہوئی۔ زرتاشہ کو پری گل سے اللہ واسطے کا بیر ہو گیا تھا۔

''کم آن زری، چلو ہم لوگ شاپنگ کرنے چلتے ہیں۔'' زرتاشہ کا بگڑا ہوا موڈ دیکھ کر مختار نے جلدی سے آفر کی تاکہ وہ ٹھیک ہو جائے۔ مختار شاہ کی آفر پر سب لوگ شاپنگ کرنے چلے گئے۔ پری گل نے بکھرے ہوئے گھر کو سمیٹا، گھر میں شادی کی تیاریاں اور عین وقت پر گل مینا کی طبیعت بھی خراب ہو گئی تھی، گھر کے کاموں کی ساری ذمے داری پری گل پر پڑ گئی تھی۔ سارا دن گھن چکر بنی رہتی۔ گھر کے کام، کچن کی ذمے داری کے ساتھ ساتھ شادی کے کاموں میں بھی کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا، کم از کم بکھری چیزوں کو سمیٹ سمیٹ کر رکھنے میں ہی آدھا دن گزر جاتا، زرتاشہ کے کپڑے بھی ٹیلر کے پاس سے آ رہے تھے۔ نگین کی سہیلیاں آ جاتی تو کپڑوں کی پیکنگ وغیرہ ہو جاتی۔ ساتھ ہی کبھی کھانے اور کبھی چائے، کولڈ ڈرنک کا دور چلتا، پری گل بھاگ بھاگ کر احکامات بجالاتی، ایک پیر کچن میں ہوتا تو دوسرا باہر..... جیسے جیسے شادی کا دن قریب آ رہا تھا تیاریوں میں اتنی ہی تیزی آ رہی تھی۔ ویسے بھی جس گھر میں شادی ہوتی ہے، دلہا دلہن کی تیاری تو اپنی جگہ مگر گھر والوں کی تیاریاں تو آخری دن تک چلتی رہتی ہیں یہی حال نگین کا تھا۔ زرنگار نے اپنی تیاریوں میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ دلاور شاہ بھی دل کھول کر پیسہ خرچ کر رہے تھے۔ بیٹے کی شادی تھی اس لیے وہ کوئی کمی نہیں چھوڑنا چاہتے، ادھر نگین اور زرنگار کوئی بات منہ سے نکالتے ادھر وہ بات پوری ہو جاتی۔ دھیرے دھیرے شادی کے حوالے سے کام نمٹائے جا رہے تھے۔ شادی ولیمے کے بہترین جوڑے زرتاشہ کی پسند کے عین مطابق تیار ہو کر آ چکے تھے۔ ہال کی بکنگ، کھانے کے آرڈر اور دیگر انتظامات دلاور شاہ اور زوار شاہ کی ذمے داری تھی۔ مختار شاہ ویسے بھی فطرتاً لاابالی تھے۔ کسی قسم کی ذمے داری قبول نہیں کرنا چاہتے تھے۔ نہ ان میں اتنی قابلیت تھی جبکہ زوار چھوٹے

ہونے کے باوجود نہایت ذمے دار اور منتظم تھے۔ ہر کام بڑے سلیقے اور ذمے داری سے نبھانے کی عادت تھی۔ عقل مندی اور دانش مندی سے سوجھ بوجھ کے ساتھ کام کرتے.....ولاور شاہ، زوار شاہ سے خاصے مطمئن بھی تھے ان کو اندازہ تھا کہ زوار شاہ کاروباری امور میں بھی مختار شاہ سے زیادہ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ دونوں مل کر کاروبار سنبھال سکتے ہیں۔

شادی کی رسومات انتہائی شاندار طریقے سے شروع ہو چکی تھیں۔ دلاور ولا کو دلہن کی طرح سجا دیا گیا تھا۔ رنگین جھالروں سے جگمگ جگمگ چھوتی روشنی ماحول کو متحرک کر رہی تھی۔ لان کے درختوں اور ننھے پودوں پر بھی چھوٹی چھوٹی جلتی بجھتی لائٹیں لگا کر سارے لان کو بقعہ نور بنا دیا گیا تھا۔ موتیا اور گلاب کے پھولوں سے سجاوٹ کی گئی تھی۔ آج مایوں مہندی کی رسم گھر کے لان میں ہی کی گئی تھی۔ شام سے ہی لان کو سجا دیا گیا تھا۔ موتیا اور گلاب کی مہک سے لان کی خوب صورتی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ مہندی کے تھال سجانے کی ذمے داری پری گل کی تھی۔ وہ بڑے بڑے پیتل کے تھالوں میں مہندی جمائے اس پر افشاں، ستاروں اور نگینوں سے نقش و نگار بنا رہی تھی۔ تھال میں چھوٹی چھوٹی موم بتیاں لگا کر آخری بار تھال کا جائزہ لیا، بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ موم بتیوں کو ماچس دکھائی ساری موم بتیاں جگمگانے لگیں۔ باہر لان میں زرتاشہ آ چکی تھی۔ مختار شاہ کے دوستوں نے فائرنگ کر کے تقریب کا آغاز کیا۔ آج زرتاشہ نے اورنج لہنگا چولی جس پر گرین گوٹے اور سلمٰی ستاروں کا کام تھا وہ پہنے ہوئے تھی۔ لمبے بالوں میں ریشمی پراندا ڈالے گرین اور ریڈ سلک کی فل گوٹے والی چنری سر پہ پہنے موتیا اور گلاب کے پھولوں کے زیور میں اچھی لگ رہی تھی۔ جبکہ نگین نے اسی طرح کا بلو اور پرپل ڈریس پہنا تھا۔ زرنگار نے پری گل کو سادہ سا بلو سلک کا سوٹ بنوا دیا تھا جس پر ہلکا سا کام تھا اس پر جارجٹ کا پرنٹڈ دوپٹا سر پر اوڑھے وہ موم بتیاں سیٹ کر رہی تھی کہ زوار مہندی کے تھال لینے اندر آیا.....مہندی کے تھال کے پیچھے موم بتیوں کی لو میں دمکتا سرخ و سفید میک اپ سے بے نیاز دوپٹے کے ہالے میں پری گل کا چہرہ چاندنی رات

میں آسمان پر چمکتے اس چاند کی مانند محسوس ہوا جس کی روشنی سے آنکھیں چندھیاں جاتیں، زوار شاہ ایک لمحے کو ٹھٹکا.....اس کی آنکھوں کا مرکز دوپٹے کے ہالے میں چمکتے چہرہ پر تھا۔ پری دنیا و مافیہا سے بے خبر سر جھکائے موم بتی ٹھیک کر رہی تھی اور زوار یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا.....آج پہلی بار زوار نے یوں آنکھ بھر کر پری کو دیکھا تھا .....کبھی کبھی ساری زندگی ایک لمحے میں قید ہو کر رہ جاتی ہے، لمبا اور طویل سفر ایک لمحے پر محیط ہو جاتا ہے، نہ چاہتے ہوئے، لاکھ خود کو بچاتے ہوئے بھی انسان ایک لمحے میں قید ہو کر رہ جاتا ہے، وقت تھم جاتا ہے اور لمحے بے بس ہو جاتے ہیں۔ شاید یہی وہ لمحہ تھا، یہی وہ گھڑی تھی کہ زوار شاہ کے مضبوط قدم ایک لمحے کے لیے ڈگمگائے تھے.....دل بہت زور سے دھڑکا، نظروں نے بغاوت کی.....دماغ مچلنے لگا، نہ چاہتے ہوئے بھی زوار نے کیمرے میں وہ لمحہ قید کر لیا۔ پری موبائل کی روشنی سے چونکی۔

''دیکھیں۔۔۔زوار بھیا اچھا لگ رہا ہے ناں تھال؟'' وہ سمجھی زوار نے تھال کی تصویر لی ہے۔

''آں.....ہاں.....بہت اچھا، بہت خوب صورت۔'' وہ بے ساختہ بولا تو پری مسکرا دی۔ اف زوار شاہ نے سر جھٹکا۔

''وہ مما کہہ رہی ہیں تھال لے کر باہر آ جاؤ۔'' جلدی سے کہہ کر وہ تیزی سے واپسی کے لیے پلٹا۔

''اچھا جی۔'' پری نے دوپٹا دوبارہ سے سر پر ٹھیک کیا اور مہندی کا تھال لیے باہر کی طرف آ گئی۔

گو کہ مہندی کے فنکشن میں زیادہ لوگ نہیں تھے، رشتے دار خاص تھے نہیں.....سحر نگار کے سسرال کے چند افراد تھے، باقی دونوں جانب سے دوست احباب اور کاروباری حضرات تھے جو کہ دلاور شاہ کے حوالے سے آئے تھے۔ ان لوگوں نے شرکت کی، زرتاشہ اچھی لگ رہی تھی۔ مختار شاہ نے دھانی کرتا اور وائٹ پاجامے پر چیزی گلے میں ڈال رکھی تھی۔ فنکشن نے عروج پکڑا.....رسم کے بعد ہلا گلا اور طوفان بدتمیزی کا دور چل رہا تھا.....دلہا دلہن کے ساتھ دوست اور نگین اور اس کی سہیلیاں بھی لڈی ڈال رہی تھیں جبکہ نو

جوان لڑکے بھنگڑے ڈال رہے تھے۔ عجیب طوفان بدتمیزی مچا ہوا تھا۔ دلاور شاہ کے ساتھ ساتھ زرنگار سحر نگار اور ان کے شوہر خادم حسین بھی عمروں کا لحاظ کیے بغیر اس شور شرابے کا حصہ بن گئے تھے۔ گل مینا سوفٹ ڈرنک اور دیگر لوازمات مہمانوں میں وقتاً فوقتاً پیش کر رہی تھیں۔ پری گل کچھ دیر کے لیے نسبتاً کونے کی کرسی پر بیٹھی ..... ابھی کھانا لگنے کا کوئی امکان نہ تھا، کوئی بھی اس ہنگامہ خیزی کو ختم کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ کچھ لوگ اپنے اپنے کیمروں میں یہ تماشے قید کر رہے تھے۔ پری گل ایسے ماحول اور شور وغل میں خود کو مس فٹ محسوس کر رہی تھی۔ دل کر رہا تھا کہ کوارٹر میں چلی جائے مگر کسی کو کام نہ پڑ جائے یہ سوچ کر مجبوراً کونے کی کرسی پر ٹک گئی تھی۔

''ارے تم..... یہاں پر اکیلی کیوں بیٹھی ہو..... اتنا مزا آ رہا ہے وہاں تم بھی آ جاؤ، انجوائے کرو یار میں تمہیں دور سے دیکھ رہا تھا اس لیے تمہیں بلانے آ گیا..... تم ..... تم مختار کی کزن ہو کیا؟ پہلے دکھائی نہیں دیں کبھی۔'' اس قدر بے تکلفی سے مخاطب کیے جانے پر وہ چونکی اور مخاطب کی جانب دیکھا، سامنے کھڑے بڑی بڑی مونچھوں والے دراز قد اور شکل سے قدرے عیاش لگنے والے نوجوان کو دیکھ کر گھبرائی ..... بیش قیمت کپڑوں، بہترین گھڑی اور اس کے وجود سے اٹھتی غیر ملکی پرفیوم کی مہک سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ امیر خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ پری گل گھبرا کر کھڑی ہوئی..... وہ کتنی بے تکلفی سے مخاطب تھا۔

''جی نہیں ..... میں ڈانس نہیں کرتی..... ایکسکیوز می۔'' اس نے اٹھ کر گل مینا کی جانب جانے کا ارادہ کر کے ایک قدم آگے بڑھایا۔

''اوہ کم آن یار، میری ڈانس پارٹنر بنو گی؟'' نوجوان نے آگے بڑھ کر اس کی نرم و ملائم کلائی اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لے لی، پری گل سر سے پیر تک کانپ گئی۔ اس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی، اجنبی مرد کے ہاتھوں میں اس کا برف جیسا ہاتھ مچل رہا تھا ..... گرفت خاصی مضبوط تھی۔

''یہ تو بتا دو تمہارا نام کیا ہے..... حسینہ، چندا؟ تمہارے حسن کے عین مطابق۔'' وہ پری گل کی

جوان لڑکے بھنگڑے ڈال رہے تھے۔ عجیب طوفان بدتمیزی مچا ہوا تھا۔ دلاور شاہ کے ساتھ ساتھ زرنگار سحر نگار اور ان کے شوہر خادم حسین بھی عمروں کا لحاظ کیے بغیر اس شور شرابے کا حصہ بن گئے تھے۔ گل مینا سوفٹ ڈرنک اور دیگر لوازمات مہمانوں میں وقتاً فوقتاً پیش کر رہی تھیں۔ پری گل کچھ دیر کے لیے نسبتاً کونے کی کرسی پر بیٹھی ..... ابھی کھانا لگنے کا کوئی امکان نہ تھا، کوئی بھی اس ہنگامہ خیزی کو ختم کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ کچھ لوگ اپنے اپنے کیمروں میں یہ تماشے قید کر رہے تھے۔ پری گل ایسے ماحول اور شور وغل میں خود کو مس فٹ محسوس کر رہی تھی۔ دل کر رہا تھا کہ کوارٹر میں چلی جائے مگر کسی کو کام نہ پڑ جائے یہ سوچ کر مجبوراً کونے کی کرسی پر ٹک گئی تھی۔

''ارے تم..... یہاں پر اکیلی کیوں بیٹھی ہو..... اتنا مزا آ رہا ہے وہاں تم بھی آ جاؤ، انجوائے کرو یار میں تمہیں دور سے دیکھ رہا تھا اس لیے تمہیں بلانے آ گیا..... تم ..... تم مختار کی کزن ہو کیا؟ پہلے دکھائی نہیں دیں کبھی۔'' اس قدر بے تکلفی سے مخاطب کیے جانے پر وہ چونکی اور مخاطب کی جانب دیکھا، سامنے کھڑے بڑی بڑی مونچھوں والے دراز قد اور شکل سے قدرے عیاش لگنے والے نوجوان کو دیکھ کر گھبرائی ..... بیش قیمت کپڑوں، بہترین گھڑی اور اس کے وجود سے اٹھتی غیر ملکی پرفیوم کی مہک سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ امیر خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ پری گل گھبرا کر کھڑی ہوئی..... وہ کتنی بے تکلفی سے مخاطب تھا۔

''جی نہیں ..... میں ڈانس نہیں کرتی..... ایکسکیوز می۔'' اس نے اٹھ کر گل مینا کی جانب جانے کا ارادہ کر کے ایک قدم آگے بڑھایا۔

''اوہ کم آن یار، میری ڈانس پارٹنر بنو گی؟'' نوجوان نے آگے بڑھ کر اس کی نرم و ملائم کلائی اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لے لی، پری گل سر سے پیر تک کانپ گئی۔ اس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی، اجنبی مرد کے ہاتھوں میں اس کا برف جیسا ہاتھ مچل رہا تھا ..... گرفت خاصی مضبوط تھی۔

''یہ تو بتا دو تمہارا نام کیا ہے..... حسینہ، چندا؟ تمہارے حسن کے عین مطابق۔'' وہ پری گل کی

بدحواسی پر مسکرایا، وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ سب مگن تھے۔

''ہاتھ چھوڑو میرا۔'' وہ تھوڑے تیز لہجے میں بولی..... شاید نوجوان کی نظر سحر نگار پر پڑ گئی تب ہی گرفت ڈھیلی کی اسی لمحے پری نے پوری قوت سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی اور بے ساختہ پری کا ہاتھ نوجوان کے منہ پر جا لگا۔

''اوہو..... سوری'' وہ گھبرا گئی۔

''یہاں کیا کر رہی ہو تم؟ بجائے کام کرنے کے یہ کیا ہو رہا ہے یہاں پر..... جاؤ زرنگار تمہیں بلا رہی ہے۔'' سحر نگاہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا انہوں نے تو کچھ اور دیکھا بھی نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ غفران سے باتیں کر رہی ہے۔

''آنٹی جی، یہ اکیلی بیٹھی تھیں تو میں خود ہی آیا تھا اس کو ڈانس پارٹی میں لے جانے کے لیے۔'' غفران نے جلدی سے کہا۔

''ڈانس.....؟'' سحر نگار نے طنزیہ قہقہہ لگایا۔ ''بیٹا یہ میڈ ہے اس گھر کی۔''

''اوہو..... غفران نے ہونٹ سکیڑ کر ناک چڑھا کر پری گل کی طرف دیکھا، پری گل تیزی سے زرنگار کی طرف بھاگ رہی تھی۔

''چلو کھانا لگ رہا ہے۔'' سحر نگار نے کہا تو غفران ان کی جانب متوجہ ہوا۔ اس دو فٹ کی لڑکی نے غفران کی بری طرح سے بے عزتی کر دی تھی۔ غفران سر ہلاتا ہوا مختار شاہ کی طرف بڑھ گیا۔ اسٹیج پر زرتاشہ بیٹھی تھی اس وقت سب لوگوں کی توجہ کھانے کی جانب تھی اور زرتاشہ بھی کھانے کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ کھانا لگ جاتا تو مختار شاہ اور وہ ساتھ کھانا کھاتے۔

''آ جاؤ غفران..... انجوائے کر رہے ہو ناں فنکشن کو؟'' اپنی جانب آتا دیکھ کر زرتاشہ نے غفران کو صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

''وہاٹ.....تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا غفران؟ اتنی گھٹیا اور عام سی لڑکی پر فریفتہ ہو گئے ہو، اتنا گھٹیا معیار ہے تمہارا.....وہ دوڑی کی لڑکی کی طرف دیکھنے کی بھی ضرورت کیا تھی تم کو.....وہ اس قابل نہیں۔'' غفران نے آہستہ سے جانے کیا کہا کہ زرتاشہ تو ہتے سے اکھڑ گئی تھی۔ اچھی خاصی کلاس لے لی، زرتاشہ کو پری پر بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا کہ اس نے غفران سے سیدھے منہ بات نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ بدتمیزی کا مظاہرہ کیا، اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ میرے کزن سے ایسا بی ہیو کرے، زرتاشہ نے اس بات کو خوب اچھالا اور رات کو پری سب کے درمیان نظریں جھکائے سہمی کھڑی تھی۔

''شرم نہیں آئی تم کو.....آخر تم نے کیا سوچ کر غفران سے بدتمیزی کی؟ زرتاشہ کا کزن کروڑ پتی انسان ہے، تمہاری حیثیت ہی کیا ہے کہ یوں روڈلی بی ہیو کرو۔'' مختار آپے سے باہر ہو رہا تھا۔

''میں.....میں.....نے.....تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا جی۔''

پری گل خوف زدہ لہجے میں منمنائی۔

''بکواس بند کرو اپنی، تم بہت پارسا ہو..... سچی بات کرنے والی پتا نہیں کیوں مما نے میں مصیبت پال رکھی ہے گھر میں کتنی بار کہا ہے کہ کسی بھی ادارے میں بھیج دیں، بیسیوں ادارے ہیں جہاں ایسے لوگ رہتے ہیں مگر پتا نہیں مما کو کیا انسیت ہے اس سے۔'' مختار نے نفرت سے پری کو دیکھتے ہوئے کہا اور جملے کے اختتام پر ماں پر گہری نظر ڈالی۔ غصہ تو زرنگار بیگم کو بھی آ رہا تھا۔

''ارے بھائی اتنا ہائپر ہونے کی کیا ضرورت ہے اگر غفران نے اسے کزن سمجھ کر بات کر لی اور پری نے اپنی حیثیت کو جانتے ہوئے معذرت کر لی تو اس میں زرتاشہ کو بھی اتنا سیریس ہونے کی ضرورت نہیں.....بات کو ختم کر دیں اب۔'' واحد زوار شاہ تھا جس نے پری کی حمایت میں آواز اٹھائی تھی۔

''مما.....پلیز اس سے کہیں کہ آج کے بعد اس کو شادی کے فنکشن میں شریک ہونے کی کوئی ضرورت نہیں یہ گھر پر رہے گی بس۔'' مختار نے زوار کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے فیصلہ سنا دیا۔

پری گل اپنی رویے کی معافی مانگ رہی تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، گل مینا نے بھی اسے آڑے ہاتھ لیا تھا۔ دو دن بعد بارات تھی اور مختار کا موڈ اس لیے بہت زیادہ خراب تھا کہ زرتاشہ کا موڈ پری کے رویے سے آف ہو گیا تھا۔ مختار کا بس چلتا تو پری کو گولی سے اڑا دیا جس نے رنگ میں بھنگ ڈال دیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ فیصلہ بھی ہو گیا تھا کہ کوئی بھی معمولی سا رشتہ دیکھ کر پری گل کو پہلی فرصت میں رخصت کر دیا جائے کیونکہ پری کی خوب صورتی اس کے لیے وبال بن چکی تھی۔ گل مینا خود بہت پریشان تھی جوان بیٹی کے ساتھ کہاں خوار ہوتی پھرتی۔ دنیا تو ویسے بھی انسانوں سے زیادہ بھیڑیوں سے آباد ہے۔ جہاں پر خوب صورتی اور جوانی لڑکی کے لیے اس وقت عذاب بن جاتی ہے جب اس کے سر پر باپ کا سایہ نہ ہو یا بھائی کا، ماں کا ساتھ نہ ہو ایسے میں لڑکی کا زندہ رہنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ہر جانب گھات لگائے بیٹھے شیطان صفت لوگ موقع کی تلاش میں رہتے کہ کب موقع ملے اور کب وہ اپنا شکار پھانس لیں۔ یہی حال گل مینا اور پری گل کا بھی تھا۔ یہاں پر کم از کم عزتیں تو محفوظ تھیں۔ رہنے کو چھت تھی، پری کا کالج میں آخری سال تھا۔ گل مینا نے سوچ رکھا تھا جیسے تیسے یہ سال مکمل ہو جائے پری گل کو کسی غریب مگر شریف لڑکے سے کوئی ٹھیلے والے، کوئی ریڑھی لگانے والا، مزدور کوئی بھی جو عزت سے رکھ سکے اس کے ساتھ پری گل کی شادی کر کے خود ایدھی سینٹر چلی جائے گی۔

بارات کی تیاریاں خوب زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ گل مینا تو بارات کے ساتھ جانے والی تھی مگر کسی بھی حادثے کے پیش نظر پری کا داخلہ منع تھا سو اسے گھر پر رہ کر بارات کی واپسی کا انتظار کرنا تھا۔ ویسے بھی پری گل کو کون سا شوق تھا ایسے فنکشنز میں جانے کا، جہاں جا کر اپنی کم مائیگی کا احساس دو چند ہو جاتا تھا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوتا، اسے کہاں ادب و آداب آتے تھے سو دو گھر میں ہی خوش تھی۔

مختار تیار ہوا تو علاقہ فائرنگ، پٹاخوں اور پھلجڑیوں کی آواز سے گونجنے لگا۔ مختار کے دوستوں نے مل کر خوب طوفان بدتمیزی مچا رکھا تھا۔ ناچ گانا، اچھل کود اور ہنگامے کے ساتھ بارات روانہ ہوئی۔ پری گل

کمرے کی کھڑکی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ کتنی عجیب بات تھی کہ دولت کے نشے میں انسان کتنا اندھا ہو جاتا ہے کہ اسے صحیح غلط کا فرق بھی سمجھ نہیں آتا۔ یوں محرم، نامحرم اکھٹے مل کر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے لڈیاں ڈال رہے تھے، ڈانس کر رہے تھے کسی نیک کام کی شروعات اللہ پاک کے بابرکت نام سے ہونی چاہیے، دو رکعت نماز ادا کر کے رب کے حضور شکرانے بھیج کر اللہ کے سپرد کر کے اور آنے والے دنوں کی خوشیوں، مسرت، محبت اور سکون کے لیے دعائیں مانگ کر اللہ پاک پر کامل یقین اور بھروسے کے ساتھ ابتدا کرنے سے اللہ پاک کام میں برکت، کشادگی اور سکون عطا فرماتا ہے، دلوں میں محبت، خلوص اور ایک دوسرے سے باہمی ہم آہنگی کے راستے بحال کرتا ہے۔

بارات جا چکی تھی۔ پری گھر میں اکیلی رہ گئی تھی۔ مین دروازے پر چوکیدار تھا ورنہ اتنے بڑے گھر میں پری اکیلی اپنے کوارٹر میں تھی۔ اسے ڈر بھی محسوس ہو رہا تھا مگر مالکان کا جو آرڈر تھا وہ ہر حال میں ماننا تھا۔ سو وہ بھی بارات کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ وقت گزاری کے لیے پرانی کتاب اٹھالی تب ہی اس کا سیل بجنے لگا۔ نمبر انجانا تھا مگر کسی گھر والے کا بھی ہو سکتا تھا شاید کوئی ہدایت، کوئی اہم بات بھی ہو سکتی تھی اس لیے نا چاہتے ہوئے بھی کال ریسیو کی۔

''السلام علیکم!'' عادتاً کہا۔

''وعلیکم السلام کیسی ہو حسینہ چار سو بیس؟'' دوسری جانب چہکتی، مردانہ آواز پر وہ چونکی۔

''آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟'' اس نے سنبھل کر سوال کیا۔

''اوہ جان من تم سے ہی تو بات کرنی ہے اور کس سے بات کریں گے۔'' انداز عامیانہ تھا، پری گل کے اوسان خطا ہو رہے تھے، اس نے گھبرا کر جلدی سے کال کاٹ دی..... ''یہ..... یہ کون..... کون ہو سکتا ہے؟ اتنا گھٹیا انداز۔'' وہ بری طرح ڈر گئی تھی۔ بیل دوبارہ بجی نمبر دوسرا تھا، پری بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔

''یا اللہ کیا کروں؟'' بیل مسلسل بج رہی تھی۔ ''اگر تو کوئی گھر والا ہوگا تو؟ یا اللہ رحم کرنا۔'' پری نے کانپتے ہاتھوں سے موبائل تھاما۔

''پری گل..... پری گل ہی نام ہے ناں تمہارا اور تم..... اس وقت اکیلی بھی ہو..... کیوں نہ میں آ جاؤں کمپنی دینے، بہت ٹائم ہے ہمارے پاس..... اچھا تو میں آ رہا ہوں..... ہاہاہاہا..... غفران آ رہا ہے۔'' کال بند ہوگئی، پری گل تھر تھر کانپنے لگی۔

''یا اللہ اگر وہ سچ مچ آ گیا تو؟ یا اللہ پاک میری مدد فرما میرے مالک۔'' تھر تھر کانپتے ہوئے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری، اس کی موٹی موٹی آنکھوں سے آنسو نکل آئے..... یہ۔ کیسی مصیبت آن پڑی تھی، کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ باقاعدہ رونے لگی تھی۔

''یا اللہ سب لوگ جلد واپس آ جائیں۔'' کچھ بھی نہیں سوجھا تو وضو کر کے جائے نماز بچھا کر بیٹھ گئی اور اپنی عزت کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگنے لگی۔ دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا اسے اپنے موبائل سے خوف آ رہا تھا..... خوف اور دہشت سے برا حال تھا، گھڑی کی ٹک ٹک سے بھی چونک کر ادھر ادھر دیکھتی، کاش اماں بھی نہیں جاتیں، برے وقت میں اللہ کے بعد ماں کی ہی یاد آتی ہے۔ پری بھی اللہ پاک سے دعائیں مانگ رہی تھی، ماں کو یاد کر رہی تھی، وقت جیسے تھم گیا تھا۔ ایک ایک لمحہ ایک ایک صدی پر محیط لگ رہا تھا۔ یہ کیسی سزا تھی؟ رات کے دو بجے باہر شور بلند ہوا..... بارات واپس آ گئی تھی۔ ایک بار پھر اندھا دھند فائرنگ شروع ہوگئی تھی۔ مطلب تھا کہ دلہن کو لے کر آ گئے۔

''یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' پری کی جان میں جان آئی۔ دل کا بے تحاشہ دھڑکنا قدرے کم ہوا تو ہمت کر کے پہلے کھڑکی سے جائزہ لیا، بے شمار گاڑیوں کے درمیان سجی سجائی گاڑی آ کر رکی تھی۔ مووی کیمروں کی روشنی سے پہلے سے روشن ماحول مزید روشن ہو گیا تھا، گاڑی کا دروازہ کھلا پہلے مختار اور پھر مختار کے سہارے سے زرتاشہ بھاری بیش قیمت شرارہ سنبھالتی گاڑی کے دروازے سے باہر نکلی۔ مختار نے پوری طرح بانہوں کا سہارا دے کر اسے اترنے میں مدد دی دیگر گاڑیوں سے نگین، زرنگار بیگم اور مختار کے

دوست بھی اترے..... مختار کی دوسری جانب زوار تھا، زرنگار بیگم نے پہلے سے کھڑے چار سیاہ بکروں کو دلہا دلہن کے قریب لا کر صدقے کی رسم ادا کروائی، پری کی نگاہ زوار کے پیچھے گئی جب اس کی نگاہوں میں خوف سمٹ آیا، غفران گاڑی سے اترا اور نگاہ ادھر ادھر دوڑائی جیسے کسی کو تلاش کر رہا ہو۔ پری کی جان نکل گئی، اس کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگیں، غفران سے بے تحاشہ خوف آ رہا تھا۔ ایک ایک کر کے گھر والے اندر آ رہے تھے۔ پری کو خیال آیا کہ اگر وہ کمرے سے باہر نہ نکلی تو یقیناً زرنگار بیگم ناراض ہوں گی اس لیے بادل ناخواستہ سر پر دوپٹا اچھی طرح لپیٹ کر وہ ڈرتے ہوئے اپنے کمرے سے باہر نکلی، ڈرائنگ روم میں گھر والے جمع تھے اور دلہن کی رسومات ادا کی جا رہی تھیں۔

''پری گل فرج سے کھیر کا باؤل نکال کر لاؤ۔'' اس پر نظر پڑی تو زرنگار بیگم نے کہا۔

''جی اچھا۔'' وہ دوڑ کر فرج سے کھیر کا بڑا سا پیالہ نکال لائی۔ مختار اور زرتاشہ کو صوفے پر بٹھا دیا گیا تھا۔ مختار کے دو تین دوست پیچھے کھڑے تھے۔ زوار بھی تھا۔ نگین بھی پاس ہی کھڑی تھی۔ غفران کچھ فاصلے پر کھڑا گہری نظروں سے پری کو دیکھ رہا تھا۔ پری ایک طرف سمٹ کر کھڑی تھی۔

''یہ سب کیا ہے؟'' زرتاشہ نے زعفران، بادام پستوں سے سجا ہوا چاندی کے ورق لگے کھیر کے پیالے کو دیکھ کر ناک چڑھائی۔

''یہ..... یہ رسم ہے..... زری بیٹا..... کھیر کھلانے کی..... دلہا اور دلہن ایک دوسرے کو کھیر کھلاتے ہیں۔'' زرنگار بیگم نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''اوہ نہیں..... بالکل بھی نہیں..... پہلے ہی بہت تھک چکی ہوں..... موی کیمرے اور روشنیوں سے مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے، میں یہ نہیں کھا سکتی وومٹ ہو جائے گی مجھے۔ الجھن ہو رہی ہے، پلیز مختار روم میں چلیں..... بس۔'' زرتاشہ نے منہ بنا کر صاف انکار کرتے ہوئے مختار کی طرف دیکھ کر کہا..... اس کے لہجے میں بے زاری اور اکتاہٹ نمایاں تھی۔

''ارے ارے..... نہیں بھئی..... ابھی تو روم میں جانے سے پہلے بھی رسم کرنی ہے مجھے..... بھیا

کی جیب خالی کروا کر روم میں جانے دوں گی میں۔'' نگین نے شوخ لہجے میں کہا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ زرتاشہ اس قدر بیزار ہو رہی ہے۔

''افوہ..... یہ لو بھئی۔'' زرتاشہ نے ہاتھ میں پکڑا اپنا کلچ نگین کی طرف اچھال دیا۔ ''یہ پکڑ وسارے پیسے رکھ لو مگر پلیز یہ فضول سی رسومات میں مجھے مت گھسیٹو، بہت تھک چکی ہوں۔ اب آرام کرنا ہے مجھے۔'' زرتاشہ نے نہایت بدتمیزی سے کہتے ہوئے کلچ نگین کی جانب اچھالا تھا نگین کے ساتھ ساتھ زرنگار بیگم حیرت سے منہ کھولے اس نئی نویلی دلہن کو دیکھ رہی تھیں۔ زوار کو بھی زرتاشہ کی یہ حرکت اچھی نہیں لگی تب ہی وہ خاموشی سے بنا کچھ کہے اٹھ کر باہر کی طرف نکل گیا۔

''اوکے آنٹی میں چلتا ہوں..... میں سمجھ رہا تھا آج ہلہ گلہ ہوگا تب ہی آ گیا تھا۔'' غفران نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا اور کن انکھیوں سے پری کو دیکھتے ہوئے زرنگار بیگم سے اجازت چاہی۔

''اوکے بائے۔'' سب سے پہلے زرتاشہ بولی مختار اس کا ہاتھ تھام کر روم کی جانب بڑھ گیا نگین اور زرنگار بیگم ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔

''پری میرے لیے اچھی سی چائے بنا کر لے آؤ۔'' زرنگار بیگم کا سر درد کرنے لگا تھا۔

''جی اچھا۔'' پری کچن کی طرف بڑھ گئی۔ گل مینا لاؤنج میں رکھا سامان سمیٹنے لگی۔ زوار تھوڑی دیر بعد اندر آیا تو پری چائے تیار کر چکی تھی۔ وہ بھی لاؤنج میں ماما کے پاس بیٹھ گیا۔ نگین بھی چینج کر کے آ گئی۔ مختار اور زرتاشہ اندر کمرے میں تھے۔ چائے ختم ہوئی تو پری چائے کے برتن سمیٹ کر کچن کی جانب بڑھی۔

''پری.....'' تب ہی مختار کمرے سے نکلا۔

''جی بھیا۔'' آواز پر پری تیزی سے پلٹی۔

''زری تمہیں بلا رہی ہے۔'' مختار نے کہا۔ پری ٹرے کچن میں رکھ کر جلدی سے مختار کے روم کی جانب دوڑی۔

''اے لڑکی گرم پانی لے کر آؤ اس میں نمک شامل کر دینا میرے پیروں پر ڈالنا ہے۔'' زرتاشہ کا

انداز بہت ہتک آمیز تھا۔

''جی بہتر۔'' پری اسی تیزی سے واپسی پلٹی۔

''کیا ہوا بیٹی؟'' زرنگار بیگم بھی آ گئی تھیں۔

''پیروں میں تکلیف ہو رہی ہے خالہ جی..... گرم پانی کا مساج کروں گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔'' زرتاشہ نے زیورات اتارتے ہوئے کہا۔

''اوہ تھکن ہو گئی ہے تمہیں بہت زیادہ۔ چلو ٹھیک ہے مساج کر کے آرام کرو تم۔'' زرنگار بیگم نے کہا اور کمرے سے باہر جانے لگیں۔ اسی وقت پری گرم پانی اور ٹب لے کر کمرے میں آئی۔ زرتاشہ نے شرارہ گھٹنوں تک اوپر اٹھایا اور سرک کر بیڈ کے کونے تک آ گئی۔

''ٹب یہاں رکھو میرے پیروں کے نیچے اور آہستہ آہستہ پانی ڈال کر میرے پیروں کا ہلکے ہلکے مساج کرو۔''

''جی اچھا۔'' پری اس کے پیروں کے پاس بیٹھ گئی اور نرم نرم ہاتھوں سے ہلکے ہلکے مساج کرنے لگی۔ مساج کر کے نرم تولیے سے اچھی طرح پیروں کو صاف کیا اٹھا کر پیروں کو بیڈ پر رکھا، پری کی آنکھیں نم تھیں، زرتاشہ کا انداز شاہانہ تھا۔ اس کے چہرے پر تفاخر تھا۔ پری کے لیے اس کی آنکھوں میں ہتک تھی۔

''ڈریسنگ ٹیبل سے نیل کلر ریموور لے کر آؤ اور میرے پیروں کی نیل کلر صاف کرو۔'' پری ٹب لے کر اٹھنے لگی تو زرتاشہ نے نخوت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی اچھا..... ٹب واش روم میں رکھ کر وہ ریموور لے آئی اور نیل کلر صاف کرنے لگی، مختار سامنے صوفے پر بیٹھا والہانہ انداز میں زرتاشہ کو دیکھ رہا تھا، ساتھ ساتھ بے چین بھی تھا، زرتاشہ مطمئن انداز میں پری سے کام کروا رہی تھی اور اسے وقت کا احساس نہیں تھا۔ پری گل خود بھی اس ماحول میں خود کو عجیب سا محسوس کر رہی تھی مگر پری گل کے ساتھ ساتھ مختار بھی مجبور تھا۔ مبادا نئی نویلی دلہن ناراض نہ ہو جائے۔ پری گل ان کے روم سے باہر آئی تب رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے، گل مینا بھی سو چکی

تھی۔ جبکہ گھر کے باقی افراد بھی اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ اتنی دیر تک جھک جھک کر مساج کرنے سے پری کی کمر بھی دکھنے لگی تھی۔ ایک نظر کچن پر ڈال کر لائٹس آف کر کے وہ اپنے روم میں آ گئی..... گل مینا جی سارا دن بے حد مصروف رہتی تھی اس لیے تھک کر اب گہری نیند سو رہی تھی۔ پری گل بھی اپنے بستر پر لیٹ گئی..... تب ہی اس کا موبائل بجنے لگا۔

"کیا حسن دیا ہے مولا نے تمہیں، ایمان سے شادی پر اتنی لڑکیاں دیکھیں مگر جو بات تم میں ہے وہ..... وہ کسی میں نہیں، ایک ایک چیز اللہ پاک نے فرصت سے بنائی ہے یارا..... صرف اور صرف تمہیں دیکھنے آیا تھا، تم شادی پر آئی نہیں تھیں مزا آ رہا ہے ناں مجھے تڑپا کر..... سوچ لو..... سوچ لو اگر میں، میں خود آ جاتا تم سے ملنے تو..... تو کتنا مزا آ جاتا تمہیں..... ہاہاہاہا..... آؤ گا تو ضرور صرف اور صرف تم سے ملنے..... ہاہاہاہاہا....."

"اف۔" گھبرا کر جلدی سے موبائل آف کر دیا، پلٹ کر گل مینا کو دیکھا وہ گہری نیند میں تھی۔

"یا اللہ..... وہ سر سے پیر تک پسینے میں نہا گئی، خوف سے اس کے چہرے کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ "یہ..... یہ کیا..... کہہ رہا تھا وہ..... اللہ یہ کیسی مصیبت سر پر آ پڑی ہے، کاش میں مہندی میں نہیں جاتی۔ یہ شخص، کیوں میرے پیچھے پڑ گیا ہے؟ کس سے کہوں کس کو بتاؤں، کس سے مدد مانگوں..... کون..... کون میری کی بات کو سچ سمجھے گا؟ کون یقین کرے گا اور اس کا سیل نمبر؟ اس خبیث تک کیسے پہنچا؟ کس سے فریاد کروں سوائے رب کے۔" نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی، وسوسے اور اندیشے ساری رات اسے ڈراتے اور ستاتے رہے، ہر آہٹ پر وہ چونک جاتی، گھبرا کر گل مینا سے لپٹ کر آنکھیں موند لیں، ماں کے سینے سے لگی تو نہ جانے کب نیند کی دیوی بھی مہربان ہو گئی تھی۔ صبح پری کی آنکھ کھلی تو گل مینا بھی اٹھ چکی تھی۔ دونوں ماں بیٹی ہاتھ منہ دھو کر کچن کی طرف آ گئے..... مینو تو پہلے سے طے شدہ تھا آج زرتاشہ کے گھر سے بھی ناشتہ آنے والا تھا۔ کچھ ان لوگوں نے بنانا تھا۔ پری گل لان میں آ گئی تا کہ تازہ پھولوں کو جمع کر کے گلدستہ بنائے صبح کی تازہ اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے لان میں کھلے پھولوں کے معطر

جھونکے ماحول بہت خوب صورت محسوس ہو رہا تھا۔ لمبی لمبی سانسیں لے کر خوشبو اپنے اندر اتاری اور پھر گلاب کے پودوں کی جانب بڑھی۔

زوار نیند سے بیدار ہوا تو حسب معمول اٹھ کر سب سے پہلے لان کی جانب کھلتی کھڑکی کا پردو سرکایا..... صبح اٹھنے کے بعد سے پہلے وہ یہی کام کرتا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی لان کا ہرا بھرا منظر..... تازہ اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے اپنے اندر وہ توانائی محسوس کرتا تھا۔ پردہ سرکایا تو پھولوں کے درمیان پری گل، پنک اور گرین کمبینیشن والے شلوار سوٹ میں دوپٹا سر پر پھیلائے۔ تازہ اور کھلی کھلی سی زوار کی نگاہ اس پر پڑی تو کچھ دیر وہ پری کو تکتا رہا، بے ساختہ اور بے دھیانی میں ایسا دوسری بار ہوا تھا کہ زوار نے اتنے غور سے پری کو دیکھا تھا..... پری کو دیکھ کر زوار کا دل کچھ عجیب انداز میں دھڑکا تھا، وہ بھی تو ایک لڑکی تھی..... چھوٹی چھوٹی خواہشات دلوں میں رکھنے والی لڑکیوں کی طرح..... اس کے سینے میں بھی گوشت پوست کا ویسا ہی دل ہوگا جو ایک بے فکر اور لاابالی لڑکی کے سینے میں ہوگا، خواہشات کرتا، مرضی چلاتا اور آسائشات میں پلنے والا، اپنی خواہشات کی تکمیل پانے والا..... خوش باش، بے فکر اور آزاد دل لیکن یہ لڑکی کچھ اللہ کی طرف سے آزمائشوں میں گھری ہوئی تھی..... آج کل گھر والوں کے عتاب کا شکار ڈری سہمی اور سب کی باتیں لعن طعن برداشت کر رہی تھی..... زوار کو پری پر ترس آ رہا تھا مگر وہ کر بھی کیا سکتا تھا..... حالات ہی کچھ اس طرح کے چل رہے تھے کہ وہ خود کو بھی بے بس ہی سمجھ رہا تھا۔ ٹھنڈی سانس بھر کر زوار پلٹا اور دھیرے دھیرے چلتا ہوا بیڈ کی طرف آیا اور دوبارہ لیٹ گیا۔

http://kitaabghar.com

قسط نمبر 3

مختار کی آنکھ کھلی تو گھڑی پر نظر پڑی، ساتھ ہی پہلو میں لیٹی دنیا جہاں سے بے خبر گہری نیند میں ڈوبی زرتاشہ کو دیکھا۔ آپ ہی آپ مسکرایا اور اٹھ کر کھڑکی کا پردہ سرکا دیا، روشنی کی تیز چمک شیشے سے چھن کر کمرے میں آئی تو سارا کمرا روشن ہو گیا تھا۔

"اوہ مختار..... بند کرو کھڑکی یار۔" زرتاشہ نے کروٹ بدلی تو تیز روشنی سے نیم وا آنکھیں چندھیا گئی تھیں تب ہی منہ پر ہاتھ رکھ کر جھنجلائی تھی۔

"بیگم صاحبہ گیارہ بج چکے ہیں اٹھ جائیں..... ناشتے پر کب سے ہمارا ویٹ ہو رہا ہے..... ہری اپ۔" مختار نے قریب آ کر بیڈ پر بیٹھ کر اس کے ریشمی بالوں میں پیار سے انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"کم آن گیارہ ہی بجے ہیں ناں..... سوئے بھی تو پانچ بجے تھے۔" زرتاشہ کی بات پر مختار کو اس پر بے ساختہ پیار آیا، آگے بڑھ کر اس پر جھکا اور پیشانی کو بوسہ دے کر ہاتھوں میں چہرہ تھام لیا۔

"یس میری جان، مگر آج تم تو وی وی آئی پی ہو یار اور تمہارے لیے سارے لوگ منتظر بیٹھے ہیں..... مما کو ناشتے کے بعد دوا بھی لینی ہوتی ہے، اس لیے پلیز، پلیز مادام میری خاطر....." مختار نے محبت سے چور لہجے میں کہا تو زرتاشہ منہ بنا کر اٹھ بیٹھی۔

"اوہ..... لو یو سو مچ ڈیئر۔" مختار اس کے بیٹھ جانے پر خوش ہو کر جذب سے بولا۔ زرتاشہ نے نیم وا آنکھوں سے مختار کو دیکھا اور ہلکے سے مسکرائی تو مختار نہال ہو گیا۔

''مختار بھیا، بھابی، سحر خالہ ناشتہ لے کر آ گئی ہیں، آپ لوگ بھی جلدی سے آ جائیں۔'' نگین نے دروازہ بجا کر باآواز بلند کہا۔

''او کے.....'' اندر سے مختار نے جواباً کہا۔ زرتاشہ تیار ہو کر لاؤنج میں آئی، عام سے ڈیزائنر سوٹ پر دوپٹا ایک طرف ڈالے، ہلکے میک اپ اور بنا زیور کے اسے دیکھا تو زرنگار کو وہ ایک رات کی دلہن کہیں سے بھی نہیں لگی، اس سے زیادہ تیار تو زرتاشہ کی اماں تھیں، دور سے ہی ایک سلام جھاڑ دیا تھا۔

''یہ..... یہ کیسے کپڑے پہنے ہیں زری بیٹا؟ نہ چوڑیاں نہ بندے، نہ گوٹا کناری کا دوپٹا..... تم کل بیاہ کر آئی ہو، دلہن ہو بیٹی، تمہیں اس طرح سے تیار نہیں ہونا چاہیے۔''

زرنگار نے کہا تو زرتاشہ نے بغور ساس کو دیکھا۔

''خالا جی کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ، آج کل یہ چونچلے نہیں ہوتے، ویسے بھی مجھے سخت الجھن ہوتی ہے۔ چمک دمک کے کپڑے، گوٹا کناری، سر پر دوپٹا، گھونگھٹ توبہ توبہ..... عجیب مضحکہ خیز لگتی ہیں ایسی لڑکیاں۔ چھچھوری اور کارٹون ٹائپ، چلیں جلدی سے ناشتہ اسٹارٹ کریں سخت بھوک لگ رہی ہے مجھے۔'' کرسی پر بیٹھتے ہوئے مضحکہ خیز انداز میں کہتے ہوئے زرتاشہ نے پلٹ کر زرنگار کو جواب دیا۔

''بیٹی یہ تو روایات ہیں، رسمیں ہیں، یہی تو اچھا لگتا ہے۔ عام دنوں اور شادی کے دنوں میں..... نئی نویلی دلہن اور عام لڑکی میں کچھ فرق تو ہونا چاہیے۔'' زرنگار بیگم نے ملائمت سے کہا۔

''اوہ مما..... چلیں چھوڑیں ناں اسٹارٹ کریں ناشتہ..... کس بحث میں پڑ رہی ہیں صبح صبح۔''

مختار نے پلٹ کر اماں کو مخاطب کیا تو زرنگار بیگم آنکھیں پھاڑے مختار کو دیکھنے لگیں، ایک رات میں اس کے منہ میں زرتاشہ کی زبان آ گئی تھی۔

''اوہو زرنگار..... تم بھی کیا باتیں لے بیٹھی ہو، یہ سارے رسم و رواج اور روایات ہماری اپنی بنائی ہوئی ہیں جس کا دل چاہے نبا ہے، جس کا دل چاہے نہ نبا ہے..... چھوڑو بھئی۔'' اس بار سحر نگار نے

بولنے کا فرض ادا کیا، زوار خاموشی سے ماں کے چہرے کے اتار چڑھاو؟ کو نوٹ کر رہا تھا۔ ایک ہی رات میں بھاوج نے پر نکال لیے تھے۔ اس بات کا اسے اچھی طرح سے اندازہ ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی مختار کی ''جی حضوری'' زرتاشہ کے چڑھتے جادو کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

''اے پری گل..... یہ گلاس دھو کر لاؤ۔'' ناشتہ کر کے زرتاشہ نے چمکتا ہوا کانچ کا گلاس اٹھا کر پری کو آواز دی۔ اچھا صاف ستھرا گلاس تھا مگر زرتاشہ اسے خوامخواہ بار بار یہ احساس دلاتی کہ وہ اس گھر کی نوکرانی ہے۔

''او کے مما..... ہم چلتے ہیں، میں واپسی میں تین بجے تک زرتاشہ کو بیوٹی پارلر چھوڑ جاؤں گا۔'' ناشتہ کر کے سب سے پہلے مختار اٹھا اور ٹشو سے منہ صاف کرتے ہوئے زرنگار بیگم کو مخاطب کیا، گویا اب یہ رسم بھی وہ خود ہی انجام دینے والے تھے ورنہ زرنگار بیگم کے یہاں تو دلہن چلی جاتی، بعد میں دلہا اور کچھ لوگ اسے لینے جاتے اور چوتھی کی رسم ہوتی مگر یہاں تو سب کچھ دلہن کی مرضی کے مطابق ہو رہا تھا، وہ سر ہلا کر رہ گئی تھیں۔

''پری گل ادھر آؤ یہ سامان اٹھا کر گاڑی تک پہنچا دو۔'' اپنا بیگ اور دیگر سامان کی طرف اشارہ کر کے زرتاشہ نے پری کو آواز لگائی اور خود بھی کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''او کے نگین..... تم بھی وقت پر بیوٹی پارلر پہنچ جانا۔'' جاتے وقت زرتاشہ نے نگین کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''جی بھابی''۔ نگین مسکرائی، نگین کو شروع سے ہی زرتاشہ بہت اچھی لگتی تھی اس کو زرتاشہ سے دلی لگاؤ اور پیار تھا۔

ولیمہ بھی بے حد شاندار طریقے سے انجام پذیر ہوا، اور شادی کے ہنگامے تھمے، ولیمے میں پری گل نے بیماری کا بہانہ بنایا اور گھر میں رک گئی، اسے غفران سے خوف آنے لگا تھا، وہ اس کا سامنا نہیں

کرنا چاہتی تھی، دروازے اچھی طرح سے مقفل کر کے موبائل آف کر کے بیٹھے گی یہی سوچ کر بیٹھی تھی کہ عین وقت پر گل مینا نے بھی گھر پر رکنے کا فیصلہ کر لیا تھا، ویسے بھی کوئی پری گل کو لے کر جانا بھی نہیں چاہتا تھا، خاص طور پر زرتاشہ کو تو پری گل سے چڑ ہو گئی تھی۔ غفران کے معاملے کے بعد سے اسے پری مزید زہر لگنے لگی تھی۔ شادی کے ہفتے بعد ہی مختار شاہ اور زرتاشہ ہنی مون کے لیے روانہ ہو گئے اور زوار نے کاروبار سنبھال لیا..... ویسے بھی والد کی موت کے بعد دونوں بھائی کچھ پرانے ورکرز کے ساتھ مل کر کاروبار دیکھ رہے تھے۔ مختار فطرتاً لاابالی تھا۔ شادی کے بعد مزید اتاؤلا ہو گیا تھا۔ سوائے زرتاشہ کے اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا نہ ہی کچھ دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہنی مون سے واپس آ کر بھی مختار ویسا ہی تھا جیسے شادی سے پہلے، شادی کے کئی دن گزر جانے کے بعد بھی وہ آفس نہیں جا رہا تھا نہ ہی کاروبار پر ڈھنگ سے دھیان دے رہا تھا، زوار پر ہی بہت زیادہ بوجھ آ گیا تھا۔ زرتاشہ کے چاؤ چونچلے اور نازک مزاجی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی..... اس کے ساتھ ساتھ پری گل سے پچھلی باتوں کا بدلہ نکالنا وقتاً فوقتاً اسے ذلیل کرنا زرتاشہ کا پسندیدہ مشغلہ تھا، اسے شروع سے ہی پری گل سے پتا نہیں کیوں چڑ تھی اور پھر کھیل میں پری سے ہارتی تو دماغ خراب ہو جاتا..... وہ تو بچپن ہی تھا مگر زرتاشہ کے دل میں تب سے ہی پری کے لیے بغض تھا اوپر سے غفران کی بے عزتی کے بعد تو وہ پری کو قدم قدم پر ذلیل کرنا، اس کو اس کی حیثیت یاد دلانا اور اس کی کمزوری تلاش کرنے کی کوشش میں لگی رہتی، ایک خوب صورت اور جوان لڑکی اس طرح گھر میں آزادی سے گھومے پھرے یہ زرتاشہ کو بہت کھلتا تھا حالانکہ پری صرف کام کے وقت آتی ورنہ اپنے کمرے میں ہی رہتی مگر زرتاشہ کو یہ بھی ناگوار گزرتا کہ نوکرانی ہو کر ہر وقت اپنے کمرے میں کیوں گھسی رہتی ہے۔ اسے ہمارے سامنے ہونا چاہیے، ہمارے روبرو ہاتھ باندھے، سر جھکائے، احکامات کی منتظر..... بھاگ بھاگ کر احکامات کی تعمیل کرنا اس کی ڈیوٹی تھی تو اسے ڈیوٹی اسی طرح سے پوری کرنی چاہیے جس طرح کھاتی پیتی اور ٹھاٹ سے رہتی ہے..... پری کی یہی کوشش ہوتی

کہ زرتاشہ کو اس سے کوئی شکایت نہ ہو۔

اب گل مینا بھی بیمار رہنے لگی تھی، اکثر بی پی ہائی ہو جاتا، چکر آ جاتے، کمزوری بھی ہو گئی تھی زرنگار اس کی صحت کا خیال رکھتیں ان کو گل مینا سے انسیت تھی۔ پری گل اور نگین نے گریجویشن مکمل کر لیا تھا، اب نگین کے لیے بھی پروپوزل آنے لگے تھے، ظاہر ہے لڑکیاں بڑی ہوتی ہیں تو ایسے ہی رشتے آتے ہیں کسی کو لڑکی پسند نہیں آتی تو کسی کو لڑکے والے..... رشتے کے معاملات بھی ایسے ہوتے ہیں کہ چھان پھٹک کر ہی طے کرنے چاہیے، اس لیے زرنگار بیگم اس معاملے میں محتاط تھیں۔ دوسرے نگین عام سی شکل والی لڑکی تھی اس لیے کچھ لوگ دیکھ کر جاتے تو کوئی جواب ہی نہیں دیتے، مطلب یہی ہوتا کہ نگین ان کو پسند نہیں آئی۔ اس روز بھی نگین کو دیکھنے کچھ خواتین آ رہی تھیں، موسم بھی تبدیل ہو رہا تھا، بدلتے موسم نے پری گل پر بھی اثر ڈالا تھا، اسے بھی نزلہ اور فلو جیسی کیفیت ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود بھی گل مینا کے ساتھ مل کر سارے انتظامات نبٹائے اور مہمانوں کے حوالے سے تیاری مکمل کر کے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھی تاکہ کچھ دیر آرام کر سکے، سر میں بھی شدید درد ہو رہا تھا۔

''پری گل۔۔۔'' تیز آواز پر وہ پلٹی تو سامنے زرتاشہ سامنے کھڑی تھی۔

''جی بھابی۔'' اپنی ناک ٹشو سے رگڑتے ہوئے وہ پلٹی۔

''بھابی..... یہ تم مجھے بھابی کیوں اور کس رشتے سے کہتی ہو؟'' زرتاشہ کو اس کا رشتہ جوڑنا بالکل اچھا نہیں لگا۔

''وہ..... وہ بڑے بھائی کو بھائی کہتی ہوں تو اس لیے۔''

''بس..... بس۔'' زرتاشہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''اپنی یہ رشتے داریاں اپنے پاس رکھو، تمہارے ہوں گے مختار بھائی، زوار بھائی لیکن مجھ سے رشتے داری جوڑنے کی قطعی ضرورت نہیں آئی سمجھ..... میرے ساتھ کوئی ناطہ رکھنے کی ضرورت نہیں، تم

میڈ ہو تو میڈ بن کر رہو، میں ہر ایروں غیروں کو سر پر چڑھانا پسند نہیں کرتی نہ ہی شوق ہے کہ کم از کم تم مجھے بھابی کہہ کر مخاطب کرو بھابی کہنے والے موجود ہیں اللہ کا شکر ہے۔ افوہ دیکھو تمہاری بک بک میں بھول گئی۔ لان کی کیاریوں کو جا کر ایک نظر دیکھ لو مالی بابا نہیں آئے کتنی گندی ہوگئی ہیں، جلدی کرو مہمان آنے والے ہیں۔'' زرتاشہ بات کرتے ہوئے سر پر ہاتھ مار کر جھنجلا کر بولی۔ پری گل کی بڑی بڑی آنکھوں میں نمکین پانی اتر آیا۔ وہ بچپن سے ہی سب کو اس گھر میں ایسے ہی پکارتی تھی، زرتاشہ نے کتنی بدتمیزی سے حکم صادر کیا تھا، سر جھکا کر اپنے دکھتے سر کو سنبھالتے ہوئے پری گل باہر کی جانب چل دی۔ کیاریاں کافی گندی ہو رہی تھیں، سوکھے پتے بھرے ہوئے تھے، پری گل نے پہلے کیاریاں صاف کیں سارے بکھرے پتوں کو سمیٹ کر ڈسٹ بن میں ڈالا پھر پائپ لگا کر پودوں کو پانی دینے لگی، گملے دھوئے، سارے پودے دھل کر گھر سے نکھرے نظر آ رہے تھے، گملوں کو پانی دے کر کیاری میں لگے پودوں کو پانی دے رہی تھی تب ہی گیٹ سے گاڑی داخل ہوئی۔ مہمان آئے تھے۔۔۔ ٹخنوں تک پائنچے چڑھائے دوپٹا چھی طرح سے لپیٹے ہوئے، نزلے سے سرخ ہوتی ناک گیلے اور ملگجے کپڑے..... وہ اپنی حالت پر خود ہی شرمندہ ہو رہی تھی۔ قبل اس کے کہ پائپ پھینک کر پانی بند کرتی مہمان گاڑی سے اتر کر قریب آ چکے تھے۔

''السلام علیکم!'' جلدی سے سلام کر کے پانی بند کرنے کو جھکی۔

''وعلیکم السلام'' مہمان خاتون نے مسکرا کر کہا اور اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے اسے بغور دیکھا۔ اتنے میں گاڑی کی آواز پر گل مینا باہر آ گئی تھی، پری گل جلدی سے اندر کی طرف بھاگی، گل مینا مہمانوں کو اندر لے کر گئی..... ایں وقت ویسے بھی پری گل کی طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی، بخار بھی چڑھ گیا تھا، وہ سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ مہمان خواتین میں دو ادھیڑ عمر کی خواتین اور ایک نوجوان لڑکی تھی جن کو گل مینا نے ڈرائنگ روم میں پہنچا کر زرنگار بیگم کو مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی۔ کچھ

دیر بعد نگین خواتین کے سامنے آئی۔

''ماشاءاللہ.....'' ایک خاتون نے کہا جبکہ ان سمیت دونوں ساتھ آنے والی بغور نگین کو دیکھ رہی تھیں۔

''بہن آپ کی دو بیٹیاں ہیں کیا؟'' دوسری خاتون نے سوال کیا جو غالباً لڑکے کی والدہ تھیں۔

''نہیں۔۔۔ یہ ایک ہی بیٹی ہے میری نگین..... دوسری بہو ہے۔'' تب ہی زرتاشہ بھی آ گئی۔

''یہ میری بہو ہے۔'' زرنگار نے تعارف کروایا۔

''اوہو ماشاءاللہ۔'' زرتاشہ کو دیکھ کر وہ مسکرائیں۔

''نہیں یہ نہیں ایک اور بچی ابھی ابھی لان میں پودوں کو پانی دے رہی تھی وہ۔۔۔''

''یہ دیکھیں..... شامی کباب تو لیں ناں آپ نگین نے بنائے ہیں، ماشاءاللہ بڑی اچھی کوکنگ کر لیتی ہے، ہر چیز پکا لیتی ہے، بیکری آئٹم بھی اس نے بنائے ہیں، یہ براؤنیز اور بسکٹس لیں ناں آپ لوگ تو کچھ کھا ہی نہیں رہے ہیں۔'' زرنگار بیگم نے ان کی بات کاٹ کر جلدی سے بات کا رخ موڑا اور ان کی توجہ کھانے کی طرف مبذول کروائی۔

''ارے واہ، بہت اچھی بات ہے، بچیوں کو کھانا پکانا تو آنا چاہیے۔'' وہی خاتون دوبارہ گویا ہوئیں۔

''جی جی، ماشاءاللہ سے میری نگین سو افراد کی دعوت کا کھانا بھی پکا لیتی ہے، سگھڑ اور سلیقہ مند ہے۔'' زرنگار بیگم اپنے منہ مستقل میاں مٹھو بن رہی تھیں۔ تینوں مہمان خواتین نے نگین سے دو چار سوالات کیے اور کچھ دیر بعد اجازت چاہی، جاتے ہوئے زرنگار بیگم کا فون نمبر لے گئیں کہ ہم ان شاءاللہ جلد ہی آپ سے بات کریں گے۔

''جی جی ان شاءاللہ..... ضرور۔'' زرنگار بیگم نے خوشدلی سے کہا۔ انداز تو ایسا تھا جیسے نگین پسند آ گئی ہے۔ زرنگار بیگم نے لڑکے کی تصویر بھی دیکھی تھی اسمارٹ اور خوب صورت تھا۔ روپیہ پیسہ اور جاب بھی بہترین تھی۔ بالکل معیار پر پورا اترنے والا رشتہ تھا، بس انتظار تھا تو لڑکے والوں کے مثبت فیصلے کا تا

کہ بات مزید آگے بڑھائی جا سکے نگین بھی اس بار پر امید تھی۔

زوار ان دنوں آفس کے کام کے سلسلے میں ملک سے باہر گیا ہوا تھا، زرنگار نے مختار سے رشتے کے حوالے سے بات کی مختار نے بھی یہی کہا۔

''دیکھیں ان کا کیا جواب آتا ہے اگر مثبت جواب آتا ہے تو پھر ہم لڑکے کے بارے میں مزید معلومات کریں گے۔'' زرنگار نے پر امید انداز سے سر ہلایا اور پھر تین دن بعد ان خاتون کی کال آ گئی۔

''بہن ہمیں آپ کی فیملی اچھی لگی، نگین بھی اچھی ہے، مگر ایک بچی اس روز ہم نے لان میں دیکھی تھی..... وہ آپ کی بھانجی بھتیجی تھی شاید..... پیاری سی تھی، بہت آپ برا مت مانیے گا ہمیں اپنے بچے کے لیے اس بچی کا رشتہ دے دیں تو مہربانی ہوگی۔'' اف جملے تھے یا بم جو زرنگار کی سماعتوں میں آ کر پھٹے تھے۔ ان کا دماغ گھوم گیا یہ..... یہ پری گل..... پری گل کو رشتے دار سمجھ بیٹھی تھیں، اس لڑکی کو..... اس لڑکی کو میری بیٹی پر ترجیح دے رہی ہیں، دماغ خراب ہو گیا ہے ان کا، پہلے تو زرنگار بیگم نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فون پر بھی خاتون کی اچھی خاصی خبر لی۔

''حد کرتی ہیں آپ..... یہ کون سی حرکت ہے بھلا، لڑکیاں نہ ہوئیں بھیڑ بکریاں ہوئیں، ویسے بھی وہ میری نوکرانی کی بیٹی ہے جسے آپ نے پسند کیا ہے۔ معاف کرنا مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ کی پسند ایک نوکرانی ہوگی..... براہ کرم آئندہ مجھے کال مت کیجیے گا۔'' فون بند کر کے زرنگار بیگم نے غصے سے لال پیلی ہو کر پہلے ان خاتون کو بے بھاؤ کی سنائی اور پھر تان پری گل پر آ کر ٹوٹی۔

''یہ..... یہ لڑکی کیوں ہر جگہ پہنچ جاتی ہے۔'' ایک بار کسی شادی کی تقریب میں بھی یہی ہوا تھا۔ پہلی بار زرنگار بیگم نے پری گل کو ساتھ چلنے کے لیے کہا، سادے سے ڈبل جارجٹ کے نیوی بلو سوٹ جس پر سلور گوٹے اور چمپا سے گلے اور دامن اور آستین پر بیل بنی ہوئی تھی۔ اس پر جارجٹ کا سلور گرے اور بلو ٹائی اینڈ ڈائی کا دھنک والا دوپٹا سر پر اوڑھے وہ ایک طرف بیٹھی تھی نگین اپنی فرینڈز کے

ساتھ موج مستی کر رہی تھی تب ایک سوبرسی خاتون نے زرنگار بیگم سے پری گل کے بارے میں سوالات کیے اور ساتھ ہی کہہ دیا تھا۔

"مجھے اپنے بھائی کے لیے لڑکی کی تلاش ہے، آپ اجازت دیں تو میں آپ کے گھر اپنی والدہ کو لے کر آجاؤں؟" زرنگار بیگم نے کہا تھا۔

"یہ میری میڈ ہے، ساتھ آئی ہے میرے..... میری بیٹی تو وہ ہے یلو میکسی والی۔" دور کھڑی نگین کی جانب اشارہ کیا۔

"اچھا۔۔۔" خاتون کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑ گیا، نگین کو دیکھ کر سر ہلایا اور آگے بڑھ گئیں۔

"دیکھا مما، مجھے لگتا ہے کہ یہ جان بوجھ کر ایسا پوز کرتی ہے کہ لوگ خود بخود اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ دوسری بار ایسا ہوا ہے..... یہ میسنی بن کر ہر جگہ ہماری نگین کی سبکی کرواتی ہے، میرا خیال ہے مما کہ پہلے اس کا بندوبست کر دیں ورنہ یہ ہر بار یہی کرتی رہے گی۔" زرتاشہ نے ساس کی حالت دیکھی تو آگ کو مزید بھڑکایا۔

"میں..... میں کیسا بندوبست کروں..... کیا کروں میں؟" زرنگار بیگم نے جھنجلا کر بہو کی طرف دیکھا۔

"مما..... جب اوکھلی میں سر دے ہی دیا ہے تو اتنا تو کرنا پڑیگا..... ویسے بھی آپ نے ہمدردی میں آ کر کسی غیر عورت کو یوں گھر میں رکھ لیا، اتنا عرصہ ہو گیا ہے یا اب ان لوگوں سے کہہ دیں کہ اپنا بندوبست کہیں اور کر لیں۔" زرتاشہ کے لہجے میں طنز تھا۔ "یا کسی سے بھی ان کی حیثیت کے لڑکے کو دیکھ کر پری گل کا بیاہ کر دیں وہ اپنی ماں کو بھی ساتھ لے جائے ہمارا تو پیچھا چھوڑ دیں اب۔" زرتاشہ نے بات جاری رکھی۔

"ہاں کرتی ہوں کچھ..... مالی بابا، چوکیدار بابا سے کہتی ہوں کہ کوئی لڑکا ان کی نظر میں ہے تو بتائیں۔ پہلے پری گل کا تو بندوبست کروں گل مینا کا بعد میں دیکھا جائے گا..... بات کرتی ہوں گل مینا

سے بھی اس سلسلے میں۔'' زرنگار بیگم نے کچھ سوچتے ہوئے زرتاشہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ زرتاشہ بھی سر ہلا کر رہ گئی۔ نگین کو بھی پری گل سے اب چڑ ہونے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

دو دن سے گل مینا کی طبیعت کافی خراب تھی۔ آج تو صبح سے وہ کمرے سے باہر بھی نہیں نکلی تھی، پری گل آئی تو بتایا۔

''ساری رات بخار میں تپتی رہی ہے۔ دوا بھی دی، ٹھنڈے پانی کی پٹیاں بھی رکھیں تب بخار میں کمی آئی مگر کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے اٹھا نہیں جا رہا۔'' زرنگار اس کے کمرے میں آئیں۔ گل مینا نڈھال لیٹی ہوئی تھی۔

''کچھ کھایا پیا تم نے؟'' پیشانی پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ ابھی تک پیشانی جل رہی تھی۔

''جی ڈبل روٹی اور چائے دی تھی اماں کو پھر دوا کھلائی۔'' پری گل نے کہا۔

''ہنہ..... دیکھو اگر کچھ دیر میں بخار کم نہیں ہو تو ہاسپٹل لے جانا اسے۔'' زرنگار بیگم نے پری گل کے ہاتھ میں کچھ پیسے رکھتے ہوئے کہا۔

''جی اچھا۔'' پری گل نے دھیرے سے کہا۔

''گل مینا۔۔۔ نگین کے رشتے کی بات چل رہی ہے، پری گل بھی سیانی ہوگئی ہے میں چاہتی ہوں اس کے لیے بھی لڑکا دیکھ لیں، اس سلسلے میں کچھ لوگوں سے بات کی ہے تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی تو بات آگے بڑھاؤں گی۔ ٹھیک ہے ناں؟'' زرنگار نے گل مینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بیگم صاحبہ جیسے آپ مناسب سمجھیں۔'' گل مینا نے نحیف آواز میں کہا۔ پری گل چونکی، اس کی شادی کے بارے میں بات ہو رہی تھی اور تمام اختیارات، زرنگار بیگم کو حاصل تھے۔ ظاہر ہے وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ مجبور، بے سہارا اور یتیم لڑکی جو سالوں سے ان کا دیا ہوا کھا رہی تھی، ان کی اترن پہن رہی تھی۔

زندگی کے سب سے بڑے اور اہم فیصلے کا اختیار بھی انہی کے پاس تھا جو دو وقت کی روٹی دے رہے تھے، پری گل نے سر جھکا لیا تھا۔ اس کی آنکھیں ایک بار پھر نم ہونے لگی تھیں۔ اللہ پاک نے جو بھی نصیب میں لکھا ہے وہی ہوگا، ویسے بھی غفران کی وجہ سے وہ خوف زدہ رہتی تھی۔ کافی دن سے غفران کی طرف سے خاموشی تھی۔ کبھی کبھی پری گل یہ سوچ کر خوف زدہ ہو جاتی کہ یہ خاموشی، یہ سکوت کسی بڑے طوفان کا پیشہ خیمہ نہ ہو، ایسا سوچتے ہوئے وہ لرز جاتی، گل مینا کی گرتی صحت، اسے ڈراتی رہتی، اپنے لیے رب سے خیر کی بھیک مانگتی، دعا کرتی کہ ناتواں، کمزور اور نحیف ماں کی آغوش سلامت رہے لیکن لیکن اس کی دعا قبولیت کا درجہ نہ پا سکی..... اس کی کمزور، دیوار، بودی اور دراڑ والی ناتواں دیوار جس کے سائے میں بیٹھ کر اسے سکون ملتا، وہ آغوش نرم اور بوڑھی گود، جس میں سر رکھ کر وہ اپنے غم بھول جاتی، راتوں کو جب ڈر کے خوف زدہ ہو کر وہ نیند سے جاگتی تو، برابر میں بے خبر سوئی ہوئی کمزور ہستی کے سینے میں گھس کر آنکھیں موند لیتی، تب اسے لگتا کہ رب نے ماں کی آغوش بھی کتنی محفوظ بنائی ہے، جس میں پناہ لے کر سارے درد، سارے غم، پریشانیاں، دکھ، رنج والم سب کچھ ختم ہو جاتا ہے، صرف سکون، حاصل ہوتا ہے، راحت اور اطمینان محسوس ہوتا ہے مگر اب وہ آغوش نہ رہی تھی۔ دن میں پری گل، گل مینا کو لے کر ہاسپٹل گئی، دوا لے کر بھی آئی مگر شام تک گل مینا کی حالت اور خراب ہونے لگی، سانسیں اکھڑنے لگیں پری گل روتے ہوئے باہر کی جانب بھاگی، زرنگار بیگم دوڑ کر آئیں، فوراً ہاسپٹل لے کر بھاگیں مگر گل مینا نے آنکھیں موند لی تھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، اس دکھ بھری دنیا اور مصائب بھری زندگی سے ناطہ توڑ لیا تھا..... اس کے ہمیشہ فکر مند رہنے والے چہرے پر سکوت تھا..... خاموشی اور اطمینان گویا وہ تمام دکھوں سے آزاد ہو کر پر سکون ہو گئی تھی۔

پری گل شدت غم سے بے حال تھی، ایک واحد سہارا، بوڑھا کمزور اور ناتواں ہی سہی مگر اس کے سر پر سلامت تھا۔ یہی اس کی طاقت تھی، وہ طاقت وہ محبت، وہ آغوش ممتا کی گود اس سے چھن گئی تھی، اچا

نک سے گل مینا چلی گئی، نہ کوئی بات کی، یہ نصیحت نہ ہی لاڈ پیار، پری گل تڑپ رہی تھی، بلک رہی تھی ماں کے بے جان وجود کو دیوانہ وار تک رہی تھی کہ جیسے ابھی گل مینا اٹھ کھڑی ہوگی۔

''چل پری..... اٹھ جا میں چلی ناشتہ بنانے تو بھی جلدی سے آجا، بیگم صاحبہ انتظار کر رہی ہوں گی۔'' یہ آواز دے گی اور پری جلدی سے چادر پھینک کر اٹھ کھڑی ہوگی مگر نہیں سب ختم ہو چکا تھا۔ پری اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کر رہی تھی، زرنگار بیگم بھی بہت مغموم تھیں، اتنے سال سے گل مینا کا ساتھ تھا..... شریف اور سیدھی سادی، اپنے کام سے کام رکھنے والی، ہر کام سر جھکا کر منٹوں میں کرنے والی گل مینا..... اچانک سے چلی گئی تھی، جاتے جاتے جوان بیٹی کی ذمے داری بھی سونپ گئی تھی۔ زرنگار بیگم نے گل مینا کی آخری رسومات ادا کیں..... گل مینا اپنے آخری سفر پر روانہ ہوگئی اور پری گل کے لیے آزمائشوں کا نیا سلسلہ شروع ہونے والا تھا..... زندگی نہ جانے آگے کیا کیا کھیل کھیلنے کے منصوبے بنا رہی تھی، گھٹنوں پر تھوڑی ٹکائے بے تحاشہ بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ پری گل کا آخری دیدار کرتے ہوئے ان گنت سوچوں میں گھری، بے شمار سوالات کی زد میں تھی۔

زوار واپس آیا تب اسے گل مینا کی موت کی خبر لی تو وہ بھی حیران رہ گیا۔

''ابھی دو ماہ پہلے تو وہ اچھی بھلی تھیں۔''

''بھیا اماں چلی گئی۔'' زوار کو دیکھا تو پری گل کا دکھ امڈ آیا۔

''صبر کرو پری گل، اللہ پاک کی مرضی کے آگے ہم سب بے بس ہیں، ان کے لیے دعا کرو..... رو کر ان کو دکھ مت دو بلکہ ان کے لیے وہ کچھ کرو جو آگے کے سفر میں ان کے کام آنے والا ہو، اللہ پاک ان کے درجات بلند کرے آمین۔'' زوار خود بھی بہت زیادہ آزردہ تھا۔ دیر تلک زوار پری گل کو سمجھاتا رہا۔

پری گل کے لیے یہ وقت بڑا کٹھن اور پریشان کن تھا، وہ بے یار و مددگار ان لوگوں کے رحم و کرم پر تھی۔ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اب کیسے آگے کی زندگی گزارے گی، جانے کب یہاں سے نکل جانے کا پروانہ مل

جائے..... زرتاشہ کا رویہ تو تضحیک آمیز ہوتا ہی تھا لیکن اب دیگر گھر والے بھی اس سے متنفر ہو گئے تھے۔ زرنگار بیگم اور نگین بھی پری کو کانٹا سمجھنے لگی تھیں۔ نگین تو باقاعدہ اس سے چڑنے لگی تھی۔ اس کی خوب صورتی معصومیت اور سادگی نے پری گل کو مزید تنہا کر دیا تھا۔ نگین کے لیے وہ خطرہ بن چکی تھی لاکھ اسے چھپایا جاتا، لوگوں کے سامنے آنے سے منع کیا جاتا مگر کسی نہ کسی طرح وہ لوگوں کی نظروں میں آ جاتی، یہی بات لے کر نگین کو اس کی شکل سے بیزاری ہونے لگی تھی۔ زرتاشہ کو تو ازلی بیر تھا ہی جبکہ زرنگار بیگم کو بھی اب پری گل کا وجود کھٹکنے لگا تھا۔ اس ساری صورت حال سے پری گل اچھی طرح واقف تھی۔ لوگوں کی بدلتی نظریں، منفی رویے انسان کو اپنی ہی نظروں میں گرا دیتے ہیں پھر پری گل جیسی لڑکی جو بالکل اکیلی تھی، جوان اور خوب صورت بھی، اس کی خوب صورتی اس کے لیے سب سے بڑا عذاب بنی ہوئی تھی۔

ایک بار پھر نگین کے رشتے کی بات چلی اس بار معاملہ کچھ آگے بڑھا، نگین پسند کر لی گئی اور لڑکے کے گھر والوں نے زرنگار بیگم کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ اس روز مختار، زرتاشہ اور نگار بیگم لڑکے کے گھر گئے ہوئے تھے۔ زوار آفس میں تھا، زرنگار بیگم نے ساتھ ساتھ چوکیدار بابا کے بھتیجے سے پری گل کی شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پری گل سے پوچھا گیا..... وہ کیا کہتی؟ کوئی اور تھا نہیں..... نہ اس نے کبھی اس بارے میں سوچا تھا۔ وہ خود بھی جانتی تھی کہ وہ اس گھر کے لیے مسئلہ بن چکی ہے، اس کا جلد از جلد شادی کر کے گھر بسا لینا ہی بہتر ہے، وہ انتظار کرتی تو کس کا؟ سوچنے پرکھنے اور پھر فیصلہ کرنے کی سچویشن تو تھی نہیں..... بچپن سے وہ اس گھر میں رہی تھی، زرنگار بیگم نے اس کا اور گل مینا کا ہمیشہ خیال رکھا، پڑھایا لکھایا، دکھ بیماری میں روپے پیسے سے مدد کی، سب سے بڑی بات کہ بے آسرا تھے تب زرنگار بیگم نے اللہ کے نام پر اسے اور گل مینا کو سہارا دیا تھا، آج تک وہ عزت کے ساتھ ہی رہیں، آگے پیچھے کوئی آسرا تھا نہ کوئی رشتہ جو بھی تھے یہی لوگ تھے سو فیصلے کا اختیار بھی ان لوگوں کے ہاتھ میں دے چکی تھی۔ یہ بھی نہ جانا کہ چوکیدار کا بھتیجا کیسا ہے، کیا کرتا ہے؟ اسے اس بات سے غرض نہ تھی..... زرنگار بیگم نے

صاف کہہ دیا تھا۔

''تم جوان ہو، خوب صورت ہو، کسی کی فطرت کے بارے میں کوئی نہیں جانتا..... خدانخواستہ تمہارے ساتھ کچھ ہو نہ جائے اس لیے میں چاہتی ہوں کہ عزت کے ساتھ تمہیں رخصت کر دوں، گل مینا کی روح کو بھی سکون مل جائے گا اور تمہارے لیے بھی آئندہ زندگی کے لیے محفوظ ٹھکانہ ہو جائے گا..... میں اب مزید انتظار نہیں کر سکتی، جوان لڑکی کی ذمے داری بہت مشکل کام ہوتا ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم راضی ہو جاؤ۔'' بات کی بات اور حکم کا حکم، وہ تو کچھ کہنے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھی۔

زرنگار کی بات بھی سو فیصد درست تھی، دوسری جانب غفران کا بھوت ہمیشہ اسے خوف زدہ کیے رکھتا، خدانخواستہ کبھی وہ آ ہی نہ جائے، یہی سوچ کر پری گل نے سر جھکا دیا تھا۔ بے شمار آنسو اس کی پلکوں کی باڑ توڑ کر اس کے دامن میں جذب ہوتے رہے، وہ بھی لڑکی تھی، جیتی جاگتی، گوشت پوست کی بنی ہوئی، اس کے سینے میں بھی دل تھا عام لڑکیوں کی طرح دھڑکنے والے، کچھ خواب، کچھ خواہشات تمنائیں کسی نہ کسی گوشے میں چھپی ضرور بیٹھی تھی مگر اس نے ان خوابوں کا، خواہشات اور تمناؤں کا گلا گھونٹ کر وہیں کے وہیں مار دیا تھا۔ ویسے بھی غریبوں کو خواب دیکھنے کا حق بھی کہاں ہوتا ہے۔ لوگوں میں کتنا تضاد ہوتا ہے..... نگین اور پری گل ہم عمر تھے لیکن نصیب میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ نگین کی پسند کے مطابق اس کا رشتہ طے ہو رہا تھا اور پری گل کے لیے فیصلہ ہو گیا تھا۔ اسے بے تحاشہ رونا آ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں آج شدت سے اماں کی یاد آ رہی تھی، وہ گھر میں اکیلی تھی نگین بھی کسی سہیلی کے ساتھ شاپنگ کرنے چلی گئی تھی، بے حد اداسی چاروں طرف امڈ آئی تھی..... دل بہت عجیب و غریب کیفیت سے دوچار تھا..... دل چاہ رہا تھا کہ خوب روئے، آنسو تھے کہ امڈ آ رہے تھے۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی تھی تب ہی زوار آ گیا۔

''ارے..... آپ کب آئے؟'' زوار کو سامنے دیکھ کر بری طرح چونک کر جلدی سے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کیں۔

''ابھی آیا ہوں''۔

''اچھا آپ منہ ہاتھ دھولیں میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' جلدی سے اٹھی اور قدم آگے بڑھائے۔

''نہیں چائے پی کر آیا ہوں آفس سے.....ادھر آؤ تم۔'' زوار جو اندر آ کر کچھ لمحے سے اسے دنیا ومافیہا سے بے خبر سر جھکائے مغموم اور اداس کیفیت میں دیکھ رہا تھا اسے جانے سے روکا۔

''جی.....'' وہ رک گئی۔ ''تم رو رہی تھیں، کیا ہوا خیریت تو ہے، کیا بات ہے؟'' زوار نے گہری نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔

''نہ.....نہیں تو.....'' وہ بری طرح گڑبڑائی۔ ساتھ ہی نظریں بھی چرائی۔

''پری.....ادھر کر بیٹھو۔'' زوار نے گمبھیر لہجے میں کہا تو ہچکچاتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی۔

''پری گل تم اتنی سی بچی تھیں جب یہاں پر آئی تھیں۔ ہمارے ساتھ رہتے رہتے ایک عرصہ ہو گیا، اتنے عرصے میں تو اندازہ ہو جاتا ہے، کون خوش ہے، کون پریشان، میں وہ سب کچھ دیکھتا چلا آ رہا ہوں جو گزشتہ کچھ دنوں سے تمہارے ساتھ ہو رہا ہے.....حالات کس طرف جا رہے ہیں، تمہارے ساتھ کس کے رویے میں تبدیلی آئی ہے، کون تمہیں کس طرح استعمال کر رہا ہے؟ لیکن تم نے کبھی بھی اس طرح بیہو نہیں کیا جیسے اب کر رہی ہو.....اتنی اپ سیٹ کیوں ہو، کسی نے کچھ کہا، کوئی نیا مسئلہ ہے کیا؟ مجھے بتاؤ۔'' ہمدردی کے دو لفظ سنے تو بے اختیار دل بھر آیا.....دل کا غبار آنکھوں کے راستے بہہ نکلا، دل میں اٹھتے ہوئے طوفان نے لاکھ بند باندھنے کی ساری کوششیں ناکام کر دیں۔

''بس اماں کی بہت یاد آتی ہے.....اس گھر میں اماں کے ساتھ ان کی انگلی پکڑ کر آئی تھی اور اب اس گھر سے جانے کا وقت آ رہا ہے تو اماں بہت یاد آ رہی ہیں، کیسے کیسے

مشکل وقت گزار کر اماں نے مجھے اپنی آغوش میں چھپا کر رکھا تھا، کتنے مصائب اور تکالیف کے

بعد اس گھر میں آئی تھیں اور اب اس گھر سے مجھے..... ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جانا ہے تو یونہی دل بھر آیا۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب..... گھر چھوڑ کر کہاں جانا ہے تم کو، یہ کس نے کہا؟" زوار اس کی بات پر حیران ہوا اور سوالات کیے۔

"بڑی بی بی صاحبہ نے چوکیدار بابا کے بھتیجے سے میری شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور کچھ دنوں بعد میں یہاں سے رخصت ہو کر قدوس کے گھر چلی جاؤں گی۔" سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کی انگلیاں چٹخاتے ہوئے وہ ٹھہر ٹھہر کر بتا رہی تھی۔

"ک..... کیا.....! قدوس.....؟ چوکیدار بابا کا وہ نشئی، آوارہ اور لفنگا بھتیجا جو چوری کی سزا بھی کاٹ کر آیا ہے، جوا کھیلتے ہوئے بھی کئی بار پکڑا گیا، ہم نے ہی چوکیدار بابا کو پیسے دیئے تھے اس کی ضمانت کے لیے، اس شخص کے ساتھ تمہارا دماغ خراب تو نہیں ہو گیا کہیں..... اس کے ساتھ شادی کر نے راضی کیسے ہوئیں تم؟ مما کو اور کوئی نہیں ملا تمہارے لیے؟" زوار کو سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔

"ارے بھیا، آپ کیوں غصہ کر رہے ہیں، جس طبقے سے میرا تعلق ہے، وہاں پر لڑکیوں کے نصیب میں جواری، نشئی، کام چور، چھابڑی لگانے والے، مل مزدور ہی لکھے ہوتے ہیں اور بڑی بی بی نے سوچا ہے تو کچھ بہتر ہی سوچا ہوگا، کیا یہ احسان نہیں ہے کہ اپنے پاس اتنے سال رکھا اور اپنا فرض سمجھتے ہوئے عزت سے مجھے رخصت کرنا چاہ رہی ہیں، میرے لیے تو یہ بھی ان کا بہت بڑا احسان ہے..... اس نفسا نفسی کے دور میں کسی کی ذمے داری اٹھانا بہت بڑی بات ہے، اب آگے میرا نصیب..... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" زوار کے بدلتے تیور دیکھ کر پری گل نے خود کو نارمل ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کی۔

"تمہاری ساری باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہیں پری لیکن میں دو چار دن کی بات نہیں ساری زندگی کا بندھن ہوتا ہے اور جانتے بوجھتے اس طرح کرنا عقل مندی نہیں، یہ سراسر زیادتی ہے اور تم قانونی اور

شرعی طور پر اپنے لیے فیصلے کا حق رکھتی ہو تمہیں کم از کم اس بے جوڑ اور بے تکے رشتے کے لیے انکار کر دینا چاہیے۔" زوار کا لہجہ ابھی تک غصیلا تھا۔

"انکار..... کیسے انکار کروں بھیا؟" پری نے ایک جھٹکے سے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا، بڑی بڑی بادامی کٹورہ پھیل جیسی آنکھوں میں چمکتے ننھے ننھے آنسو، لمبی اور گھنی پلکوں سے ٹکرانے کو بے قرار تھے۔ یاقوتی لب کپکپا رہے تھے، معصوم چہرے پر چھایا دکھ..... اداسی اور حسن کا امتزاج اس کے چہرے کو مزید دلکش بنا رہا تھا، اس کی جھیل سی گہری آنکھوں میں بے بسی تھی، اس کے بے ساختہ کیے گئے سوال پر زوار نے بھی بے ساختگی سے اسے بغور دیکھا۔ اس کی آنکھوں کی گہرائی میں زوار ایک لمحے کو کھو سا گیا..... جانے کیسا لمحہ تھا..... اس لمحے میں ملنے والی نظریں، ایک طرف سوال تھا..... بے بسی تھی، اداسی تھی، مجبوری تھی تو دوسری طرف ہمدردی، خلوص، اپنائیت، انسانیت، برسوں کا ساتھ، اچھوتا سا تعلق اور ایک بے نام سا رشتہ..... ایک لمحے کو زوار گڑبڑایا..... یہ بے نام سا رشتہ، یہ کیسا تعلق تھا۔ کیسا رشتہ تھا؟ دل کس انداز سے دھڑکا تھا، زوار اسے بے خودی سے دیکھ رہا تھا۔۔۔ وہ قدرت کا حسین شاہکار تھی، کتنی حسین، مکمل حسن و نزاکت سے بھرپور لیکن کتنی مجبور، ایک لمحے کے اندر اندر وہ آنکھوں کے رستے دل میں اترتی چلی گئی۔ ایک بے نام تعلق کو تعلق مل گیا تھا، بے نام رشتے کو نیا رشتہ..... شاید یہی محبت ہے، برس ہا برس سے کوئی ہماری نظروں کے حصار میں رہتا ہے۔ سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، ہنستے کھیلتے، نگاہوں کا مرکز رہتا ہے، بظاہر دنیاوی رشتے ہوتے ہیں لیکن محبت ایسا طوفانی اور شوریدہ جذبہ ہے جو ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں انگڑائی لے کر جب بیدار ہوتا ہے تو رگ رگ میں سرایت کر جاتا ہے، انسان بے بس ہو جاتا ہے، شاید زوار بھی اس لمحے کی قید میں آ گیا تھا..... وہ سا وقت شوریدہ سر طوفان کے تھپیڑوں کی زد میں تھا، جسے محبت کہا جاتا ہے..... اسے پری گل سے محبت ہو گئی تھی، ایک نوکرانی کی بیٹی، بچپن سے جس سے ہمدردی کرتا چلا آیا تھا، آج اسے اندازہ ہوا کہ یہ تو شاید محبت ہی تھی، وہ یک ٹک پری گل کو دیکھ رہا

تھا، پری گل گڑبڑائی تب وہ چونکا.....اسے احساس ہوا۔

''پری گل ایک بات کہوں؟'' جارحانہ انداز یکسر تبدیل ہو گیا تھا، دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

''جی.....'' مختصر جواب دیا۔

''مجھ سے شادی کرو گی.....؟'' زوار کے غیر متوقع سوال اور حیران کن جملے پر پری گل بری طرح گھبرائی۔ اس اس کا سارا وجود لرز کر گیا تھا۔

''یہ.....! یہ کیا کہہ رہے ہیں جی.....اللہ کے واسطے، ایسی بات کر کے، کیوں میری جان کے دشمن بن رہے ہیں، آپ.....آپ بھی مجھ سے ایسا مذاق کرنے لگے ہیں، میرا تماشہ بنا رہے ہیں، آپ کو سب سے الگ سمجھتی ہوں، بڑی عقیدت ہے آپ کے لیے میرے دل میں.....مجھے تماشہ نہ بنائیں اللہ کے لیے۔۔۔'' پری گل ہاتھ جوڑ کر ایک بار پھر رونے لگی۔

''اللہ کے واسطے پری گل.....مجھے غلط مت سمجھو پلیز.....اللہ اور اس کا رسول ﷺ گواہ ہے، میں نے پورے ہوش و حواس میں اپنے دل کی گہرائی سے پوری سچائی، ایمان داری اور خلوص سے یہ بات کی ہے، یہ کوئی کھیل تماشہ یا مذاق نہیں ہے پری گل.....میرا یقین کرو۔'' زوار نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''آپ کو اللہ کا واسطہ ہے جی، میں.....میں مر جاؤں گی.....مجھے جینے دیں کسی بھی حال میں.....جیسے بھی ہو مجھے، مجھے اپنے نصیب کا ہی ملتا ہے، مجھے یہ منظور ہے مگر اللہ کا واسطے مجھے یوں نہ ماریں۔'' پری گل ہاتھ جوڑے انکساری کا پیکر بنی، بے بسی سے کہتے ہوئے سسک رہی تھی۔ وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی جو زوار نے کہا تھا.....وہ تیزی سے اندر کی جانب بھاگی، زوار دونوں ہاتھوں سے سر تھامے تاسف سے اسے دیکھنے لگا، اسے معصوم اور بے بس لڑکی سے ہمدردی ہی نہیں بلکہ خاص قسم کا لگاؤ ہو چکا تھا جس نے ایک عرصہ یہاں گزارا تھا.....اچھے برے حالات دیکھے تھے۔

اپنے کمرے میں آ کر پری گل تڑپ تڑپ کر روئی۔

''اماں.....تم کیوں چلی گئیں مجھے اکیلا چھوڑ کر.....کاش مجھے اپنے ساتھ لے جاتیں، مجھے بھی سکون مل جاتا۔ کیا رکھا ہے اس زندگی میں، زوار.....اس کے لبوں سے سسکی کی صورت نام نکلا.....زوار کو ہمیشہ سے ہی اپنا سپورٹر، دیکھتی آئی تھی مگر آج زوار کی آنکھوں میں ہمدردی، خلوص، رحم ہی نہیں بلکہ نہ جانے کیسا جذبہ نظر آیا تھا کہ پری گل بھی ایک لمحے کے لیے بری طرح ڈگمگا گئی تھی مگر دوسرے ہی لمحے پری گل کو اپنی حیثیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ اس گھر کی نوکرائی تھی، ان کے ٹکڑوں پر پلتی آ رہی تھی، بھلا ایسے کیسے ممکن تھا کہ جس گھر کے گندے برتن دھو دھو کر، صفائیاں کر کر کے اور احکامات کی بجا آوری کے لیے ساری عمر بھاگتی دوڑتی لڑکی اب اس گھر کی بہو بن جائے، اس گھر میں رہنے والے لوگوں کی برابری کرنے لگے، ان کے ساتھ ہم قدم ہو کر چلے، ان کے جیسا پہنے، ان کے جیسا کھائے اور ان کی طرح نرم اور گرم بستروں میں آرام کرے، بڑے بڑے مالز سے شاپنگ کرے، اپنی مرضی سے سوئے، اپنی مرضی سے جاگے یہ.....تو بڑے بڑے لوگوں کے کام ہیں، ہم جیسے لوگوں کو تو ساری زندگی سر جھکا کر جی حضوری کرنی ہوتی ہے.....بھاگ بھاگ کر احکامات کو سر جھکا کر کام کرتے کرتے بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے کی حد تک آ جاتے ہیں، چپ چاپ کسی دن مر جاتے ہیں.....دکھ کی شدید لہر اس کے دل میں اٹھی تھی.....خود کو حالات کے سپرد کر دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا.....بھلا نصیبوں سے بھی کوئی لڑ سکا ہے.....ہونا وہی ہے جو رب نے نصیب میں لکھ دیا ہے.....زور زبردستی، احتجاج، واویلا، گلہ شکوہ، سب کچھ بے کار ہے۔

☆.....☆.....☆

نصیب اپنا لکھنے کا ہمیں جو اختیار ہوتا
مٹا کر سب لکیریں، ہاتھوں پر تمہارا نام لکھ لیتے

زرنگار سمیت سارے گھر والے بہت خوش تھے، نگین کی شادی کی تیاریاں بڑے زور و شور سے

شروع ہو چکی تھیں، اذلان کی فیملی کو شادی کی جلدی تھی اس لیے جھٹ پٹ شادی طے کر دی گئی۔ اس طرح زرنگار بیگم نے چوکیدار بابا سے بھی کہہ دیا تھا، مناسب دن دیکھ کر وہ بھی پری گل کی بارات لے آئے اور اس کو رخصت کروا کر لے جائے۔ قدوس کے والدین تھے نہیں، چوکیدار بابا نے ہی اسے پالا پوسا، کمانے کے چکر میں باہر نکلتے، قدوس کو آزادی مل جاتی تو وہ محلے کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ مٹر گشتی کرتا رہتا..... چوکیدار بابا سمجھا سمجھا کر تھک گئے مگر اس کے کان پر جوں نہیں رینگتی..... تب ہی زرنگار بیگم کی طرف سے پری گل سے شادی کر دینے کی آفر آئی تو چوکیدار بابا خوش ہو گئے کہ اب کم از کم وہ مختار بابا اور زوار بابا سے ڈر کر شاید ڈھنگ سے کام کر لے..... ان کا خیال تھا کہ شادی کے بعد قدوس ٹھیک ہو جائے گا، چوکیدار بابا نے کہہ دیا تھا کہ ان کے کون سے رشتے دار ہیں بس چند دوستوں کے ساتھ آ کر وہ پری گل کو بیاہ کر لے جائیں گے۔ اس سلسلے میں انہوں نے دو کمروں کا مکان بھی کرائے پر لے لیا تھا، زرنگار بیگم نے پری گل کے لیے جہیز کے نام پر معمولی سا فرنیچر، کچھ جوڑے کپڑے، برتن، جوتے اور کچھ آرٹیفیشل جیولری کے ساتھ ساتھ ایک ہلکا سا سونے کا سیٹ بھی پری گل کے لیے بنا دیا تھا۔ کتنا فرق تھا دو ہم عمر لڑکیوں کی شادی اس طرح ہو رہی تھیں۔ ایک کے حصے میں لاکھوں کا سامان، ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی شے تھی تو دوسری کے نصیب میں معمولی سا سامان..... یہی تو نصیب کے کھیل ہیں۔

''مما..... کیا آپ نے پری گل کی شادی طے کر دی؟'' زوار نے ماں سے سوال کیا۔

''ہاں..... آؤ بیٹھو تم سے بات کرنے والی تھی..... نگین کی شادی کے لیے مہمانوں کی لسٹ بنا رہی ہوں تمہارے کتنے دوست ہوں گے؟'' زرنگار بیگم نے اس کے سوال کا نہایت مختصر سا جواب دے کر اپنی جانب سے سوال کیا۔ جیسے اس کے سوال کو نظر انداز کر دیا ہو۔

''مما یہ جانتے ہوئے بھی کہ قدوس کس قدر آوارہ مزاج اور بگڑا ہوا ہے، آپ نے اس کے ساتھ

پری گل کی شادی کا فیصلہ کرلیا۔" اس کی بات پر زرتاشہ نے چونک کر اسے دیکھا جو زرنگار بیگم کے کہنے پر لسٹ بنا رہی تھی۔

"افوہ زوار یہ کیا باتیں لے بیٹھے ہو کام کے وقت اور ایسے نچلے طبقے کے لوگوں میں خاص طور پر نوجوانوں میں ایسی برائیاں عام ہوتی ہیں، شادی کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے گا۔" بے وقت کی راگنی پر زرنگار بیگم جھنجلا کر بولیں۔

"حد کرتی ہیں مما آپ بھی، اس کی شادی کر رہی ہیں تو اس سے مرضی بھی پوچھی آپ نے، اسے اس کا شرعی حق دیا ہے کیا آپ نے؟"

وہ ایک لاوارث، بے سہارا اور اکیلی لڑکی ہے، کیا یہ بڑی بات نہیں کہ میں اسے زمانے کے رحم و کرم پر چھوڑنے کی بجائے اس کو عزت کے ساتھ اپنے گھر سے رخصت کر رہی ہوں، ویسے بھی تمہیں اتنی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں، نگین کی شادی کی تیاریوں میں حصہ لو۔" زرنگار بیگم نے ترچھی نظروں سے زوار کو دیکھا اور قدرے ترش لہجے میں کہا۔ "زوار مما نے جو فیصلہ کیا ہے وہ ٹھیک ہے۔" زرتاشہ جو کافی دیر سے چپ تھی وہ بھی بولی۔

"بھابی آپ چپ رہیں اس معاملے میں..... آپ کو یہاں آئے کچھ دن ہوئے ہیں، میں مما سے بات کر رہا ہوں۔" زوار کی بات پر زرتاشہ کو پتنگے لگ گئے۔

"زوار مطلب کیا ہے تمہارا..... میں ہمیشہ سے یہاں آتی رہی ہوں اور اب اس گھر کا اہم ترین حصہ ہوں، مجھے یہاں پر ہر معاملے میں بولنے کا پورا پورا حق ہے، ویسے بھی اس دو کوڑی کی لڑکی کے معاملے میں دل چسپی لینا بھی نہیں چاہتی، میں نے صرف مما کے صحیح فیصلے کی بات کی ہے اور تم نے آ کر فضول موضوع چھیڑ دیا، ہمارا اہم کام رک گیا۔"

زرتاشہ تنک کر بولی۔

''مما بے شک آپ پری گل کی شادی کسی غریب لڑکے سے ہی کریں مگر کم از کم قدوس سے تو نہ کریں، کوئی نہ کوئی تو مل جائے گا۔'' زوار نے زرتاشہ کو نظر انداز کرتے ہوئے نرم لہجے میں ماں سے ہی بات جاری رکھی۔

''زوار..... اس معاملے میں تمہیں بولنے کی ضرورت نہیں، تم کو اندازہ نہیں ہے کہ ایک اکیلی جوان لڑکی کی ذمے داری مجھ پر بہت بھاری ہے، میرا بس چلے تو آج ہی اسے گھر سے رخصت کر دوں، ایک ایک دن مجھ پر بھاری پڑ رہا ہے، خدانخواستہ کچھ الٹا سیدھا ہو گیا تو مصیبت ہماری جان پر آ جائے گی، ساری زندگی ماں بیٹی کی کفالت کی، ہر طرح سے خیال رکھا، پڑھایا لکھایا، عزت سے رہنے کو چھت دی، ضروریات کا خیال رکھا اور اب نارمل طریقے سے شادی کی ذمے داری بھی اٹھانے کو تیار ہوں، یہی احسان کیا کم ہے ہمارا اس پر، اور ہزاروں لڑکیاں ایسی ہیں جو جواری، شرابی اور نشئی مردوں کے ساتھ گزارا کر رہی ہیں، ایک اور سہی اور ہاں مجھے نگین کے سسرال میں ایک بچی اچھی لگی ہے، پڑھی لکھی اور خوب صورت اچھی فیملی سے تعلق رکھنے والی لڑکی ہے، میں نے سوچا ہے کہ تمہارے لیے بات چلاؤں..... جب تمہیں فرصت ہو تو بتا دینا میں چاہتی ہوں کہ نگین کی شادی سے پہلے اس بات کا ذکر کر دوں..... اچھی لڑکی ہے کہیں شادی کی تقاریب میں کوئی اور پسند نہ کر لے۔'' لمبی چوڑی بات کر کے زرتاشہ بیگم نے آخر میں اپنا مدعا بھی بیان کر دیا۔

''مما فی الحال تو آپ اپنے احسانات کا حساب کتاب کریں، نگین کی شادی کی تیاریاں کریں، میرا فی الحال اس جھنجٹ میں پڑنے کا کوئی ارادہ نہیں..... جب ارادہ بنا تب بتا دوں گا۔'' وہ بھی جواباً جھنجلا کر کہتا ہوا کمرہ سے باہر نکل گیا۔

''عجب مزاج ہو گیا ہے اس لڑکا کا..... آدم بیزار، بدتمیزی بھی کرنے لگا ہے، پہلے تو اچھا خاصا تھا، اب تو ہر وقت منہ پھلائے رکھتا ہے، ہر وقت چڑچڑا رہتا ہے۔''

زرتاشہ نے اس کے جانے کے بعد ناک چڑھا کر کہا۔

''اس کی بچپن سے یہی عادت ہے زرتاشہ کہ سارا گھر ایک طرح کی بات سوچتا ہے، اس کی رائے اس کے برعکس ہوتی ہے ہر ایک کے بارے میں سوچنے کا، ہمدردی کا، خیال کرنے کا ٹھیکہ جیسے اس کے پاس ہو، ہم سب تو بے وقوف اور پاگل ہیں۔'' زرنگار بیگم چڑ کر بولیں۔ تب ہی پری گل چائے لے کر آ گئی۔

''پری گل ادھر آؤ۔'' وہ چائے کی ٹرے میز پر رکھ کر جانے لگی تب ہی زرنگار بیگم نے آواز دی۔

''جی بڑی بی بی۔'' وہ پلٹی۔ ''تمہیں قدوس سے شادی کرنے پر کوئی اعتراض ہے؟'' تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

''جی نہیں۔'' برجستہ جواب دیا۔

''بعد میں کوئی ہنگامہ مت کرتا میسنی بن کر۔'' زرتاشہ نے حملہ کیا۔

''نہیں نہیں جی، بالکل بھی نہیں۔'' سر جھکا کر سعادت مندی سے جواب دیا۔ اس جواب میں چھپے نوحے صرف اور صرف وہی محسوس کر سکتا تھا جو پری گل کی کیفیت جانتا تھا، اس کی مجبوری، بے چارگی محسوس کر سکتا تھا..... پری گل کے لیے کوئی دوسرا راستہ تھا ہی نہیں، وہ کس برتے پر چوں چرا کرتی۔

''اچھا پری گل کچن کا سامان کافی سارا ختم ہو گیا ہے، میں نے ضروری چیزوں کی لسٹ بنا دی ہے تم دوپہر کے بعد جا کر اسٹور سے لے آنا۔'' زرتاشہ نے پری گل کو آواز دے کر کہا تو پری گل نے اثبات میں سر ہلایا۔

''جی ٹھیک ہے۔'' دوپہر کے بعد حکم کے مطابق پری گل اسٹور جانے کے لیے تیار ہوئی۔ عین وقت پر ڈرائیور اپنی بیوی کو لے کر ہاسپٹل چلا گیا۔

''بڑی بی بی ڈرائیور بھیا تو ہاسپٹل گئے ہیں، میں رکشے سے چلی جاؤں؟'' پری گل نے زرنگار بیگم کے کمرے میں آ کر پوچھا۔

''اوہو، اسے بھی آج ہی جانا تھا۔ زرنگار بیگم جھنجلا کر بولیں۔ اسی لمحے زوار کمرے کے سامنے سے گزرتا دکھائی دیا۔

''زوار.....'' زرنگار بیگم نے آواز دی۔

''جی مما.....'' زوار نے کمرے کے دروازے پر آ کر کہا۔

''تم آفس جا رہے ہو، راستے میں پری گل کو سپر اسٹور اتار دینا کچھ ضروری سامان لانا ہے..... وہ واپس رکشے سے آ جائے گی۔'' زرنگار بیگم نے تفصیل سے کہا۔

''اوکے۔'' زوار نے اچٹتی سی نظر پری پر ڈالی اور آگے بڑھ گیا، پری گل اس روز کے بعد حتی الامکان یہی کوشش کر رہی تھی کہ وہ زوار کا سامنا نہ کرے، عجیب سی الجھن ہو رہی تھی۔ وہ ہچکچاتی ہوئی خاموشی سے سر جھکا کر زوار کے پیچھے پیچھے چل دی۔ اسے زوار سے شرمندگی بھی ہو رہی تھی۔ اس روز کے بعد سے گلٹی فیل کر رہی تھی۔ چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ زوار خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا، چپ چاپ اور خفا خفا سا پری گل کو احساس ہو رہا تھا کہ شاید اس روز کی بات پر زوار ناراض ہے، پری گل نے پہلو بدلا۔

''آئی ایم سوری..... اس روز میں نے آپ سے بدتمیزی کر دی تھی اور شاید زیادہ بول گئی تھی۔ اپنے رویے پر نادم ہوں۔'' پری گل نے چند لمحے بعد کہا۔

''اٹس اوکے..... میں نے تمہاری ہمدردی میں بات کی تھی، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا اگر تم مطمئن ہو تو..... اور تم مطمئن اور خوش بھی ہو..... یہی کافی ہے۔'' زوار کا لہجہ تلخ تھا اور نظریں ونڈ اسکرین پر جمائے وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کر رہا تھا۔

"خوش..... مطمئن..... ہنہ۔'' وہ تلخی سے ہنسی۔ ''سچ کہوں تو زندگی تو مجھے ایک بوجھ لگنے لگی ہے، خوشی، اطمینان، خواہش اور زندگی یہ الفاظ میرے لیے بے معنی اور بے رنگ ہو چکے ہیں، لگتا ہے جیسے

اپنے وجود کو گھسیٹ رہی ہوں میں اگر میرے بس میں ہوتا تو کب کے کچھ کھا پی کر زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل کر لیتی لیکن میں نے، میری اماں نے برسوں آپ کے گھر کا نمک کھایا ہے، بڑی مہربانیاں میں آپ لوگوں کی ہم پر اگر میں کچھ کرتی ہوں تو آپ لوگوں کے لیے مشکلات کھڑی ہو جائیں گی، لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے اور میں یہ نہیں چاہتی جس گھر کا نمک کھایا اس گھر کے لیے پریشانی پیدا کروں..... بڑی بی بی نے ہمیشہ ہمارا خیال رکھا۔ اب بھی ان کی بات، ان کا حکم میرے لیے قابل احترام ہے میں..... میں بہت مجبور ہوں۔'' پری گل کا لہجہ جذباتی ہو گیا تھا۔

''مجبوری..... کسی مجبوری؟ تم پاگل نہیں ہو، عاقل، بالغ، پڑھی لکھی اور سمجھدار لڑکی ہو..... اپنی زندگی کے ہر فیصلے کا اختیار رکھتی ہو، اپنی زندگی کی مالک و مختار ہو۔'' زوار کو اس کی بات اچھی نہیں لگی۔

''مالک..... مالک میں نہیں..... مالک تو وہ ہیں۔ جنہوں نے مجھے پالا، پڑھایا لکھایا، رہنے کے لیے چھت دی، مجھے اور میرے بارے میں فیصلے کا اختیار بھی میں نے ان کے ہاتھ میں دے دیا..... ایک بات کہوں۔'' ایک لمحے کو وہ رکی اور سوالیہ نظروں سے زوار کو دیکھا، زوار نے اس کی جانب دیکھا۔

''مجھے..... مجھے ایدھی سینٹر میں داخل کروا دیں پلیز.....'' سامنے ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے کہا۔

''اف..... کتنا درد..... کتنی اذیت تھی اس کی آنکھوں میں، کتنی بے بسی تھی اس کے چہرے پر۔'' زوار کا دل تڑپ گیا۔

''پری گل، تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟ یہ کیا۔ بکواس کر رہی ہو؟'' زوار نے غصے سے کہا۔

''میں..... میں لاوارث ہوں، ہاں لاوارث اور لاوارثوں کے لیے ہی ایسی جگہیں بنائی جاتی ہیں، مجھے بھی وہیں چھوڑ دیں۔'' دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر وہ سسک پڑی۔ زوار نے گاڑی روک کر ٹھنڈے پانی کی بوتل قریبی دکان سے لا کر اسے پانی پلایا۔

''اوہ آئی ایم سوری..... پتا نہیں کیا ہو گیا ہے مجھے۔''۔ پری گل کو احساس ہوا تو جلدی سے

آنکھیں صاف کر کے شرمندگی سے بولی۔

''پری گل..... ایک زوردار طمانچہ تمہارے منہ پر مار دوں گا اگر آئندہ ایسی بات کی تو..... خود کو اکیلا کیوں سمجھتی ہو تم، کیا میں بہت برا ہوں؟'' زوار نے گہری نظروں سے اسے دیکھ کر اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

''نہیں..... بالکل بھی نہیں، آپ تو بہت اچھے ہیں بھیا۔'' بے ساختہ پری گل بولی۔ ''آپ نے ہمیشہ ہمیشہ میرا خیال رکھا۔''

''اف۔۔۔''۔زوار نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔ ''پہلے تو تم..... بھیا لفظ اپنی زندگی سے نکال دو میرے لیے۔''

''جی۔'' بڑی بڑی آنکھیں پھیلائیں۔ ''مجھے کافی سودا لینا ہے پلیز مجھے سپر اسٹور تک چھوڑ دیں دیر ہو جائے گی۔'' پری گل گڑبڑا کر جلدی سے بولی۔

''گولی مارو سودا کو..... میں جو کہہ رہا ہوں وہ سنو خاموشی سے، کیا کوئی بھی لڑکی آسانی سے مجھ سے شادی کرنے پر راضی ہو سکتی ہے۔'' زوار نے تیزی سے اس کی بات کاٹ کر گمبھیر لہجے میں سوال کیا تو پری گل نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔

''یہ کیسا سوال ہے زوار صاحب؟''

''اف..... اب صاحب کا دم چھلا۔'' زوار نے سر پیٹ لیا۔ ''جو سوال پوچھا ہے اس کا جواب دو مجھے۔'' جھنجلا کر بولا۔

''یہ کیسی بات کر رہے ہو آپ؟ آپ جیسے اچھے، خوب صورت تعلیم یافتہ، اسٹیٹس والے شخص سے بھلا کون شادی کرنے سے انکار کر سکتی ہے، کوئی بھی لڑکی تیار ہو جائے گی، خوشی خوشی۔'' پری گل نے قدرے سنبھل کر کہا۔

''کوئی بھی لڑکی کیوں؟ وہ لڑکی تم کیوں نہیں ہوسکتیں۔'' زوار نے تھوڑا سا جھک کر گہری نظروں سے اس کے ہونق چہرے کا احاطہ کیا۔

''پلیز..... پلیز..... آپ پھر یہ موضوع لے بیٹھے..... زوار آپ بہت بڑی بات پر اصرار کر رہے ہیں جو قطعی ناممکن ہے، بھلا آپ کہاں اور میں کہاں، میرا آپ کا کیا جوڑ ہوسکتا ہے؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' پری گل کا لہجہ بے حد مایوس کن تھا۔

''کیوں..... کیوں نہیں ہوسکتا؟ صرف امیر اور غریب کی حد تک تو بات ہے، اس سے ہٹ کر تم تعلیم یافتہ ہو، خوب صورت ہو، سلیقہ مند ہو، کیا ایسا کبھی بھی نہیں ہوا کہ کسی امیر شخص نے غریب لڑکی سے شادی کی؟ یہ ناممکن اور انہونی بات تو نہیں ہے..... ایسا پہلے بھی کئی بار ہو چکا ہے بس ہمت کی بات ہے پری گل..... جب میں اپنے ارادے پر اٹل ہوں تمہارے ساتھ ہوں تو تمہیں کیا مسئلہ ہے؟'' زوار نے دھیمے لہجے میں کہا، اس کے لہجے میں خلوص، پیار اور اعتماد تھا۔

''زوار..... آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، یہ ڈراموں، فلموں اور افسانوی دنیا کی باتیں ہیں۔ حقیقت میں کوئی قبول نہیں کرتا، میری زندگی کو مزید تماشہ نہ بنائیں، آپ کی بات مان کر میں اور میری ذات مزید مذاق بن کر رہ جائے گی؟''

''تمہارے خیال میں میں تم کو تماشہ بنا رہا ہوں، مذاق بنا رہا ہوں؟ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، میرے صدق دل سے کیے گئے فیصلے کو تم مذاق سمجھ رہی ہو، میں پچھلے سال بھر سے اس بات کو لے کر بے چین ہوں، راتوں کی نیندیں حرام کر بیٹھا ہوں تمہارے حوالے سے سوچ سوچ کر اس نتیجے پر پہنچا، یہ فیصلہ کیا، تمہارا ساتھ دینے کا، تمہیں باعزت زندگی دینے کا کیونکہ میں، میں تمہیں چاہنے لگا ہوں، میری ہمدردی، خلوص اور اپنائیت نے جانے کب اور کیسے محبت کا روپ دھار لیا، مجھے پتا بھی نہیں چلا، بہت کٹھن سوچوں سے گزر کر، نیندیں حرام کر کے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے اور تمہیں یہ کھیل، تماشہ اور مذاق

لگ رہا ہے۔تم بزدل، بے وقوف اور نہایت ڈرپوک لڑکی ہو، اپنے لیے بہتر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے یکسر ناواقف..... اپنے ہاتھوں سے گڑھے میں گر رہی ہو تو جاؤ، بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری سوچیں ،لعنت ہے مجھ پر کہ تمہارے آگے سر پھوڑنے کی کوشش کی۔تم مرو اس نشئی کے ساتھ ساری زندگی، اس کے جوتے کھا کھا کر، اس کے بچے پال پال کر اس کی جی حضوری کرتے کرتے ایک دن مر جاؤ..... لعنت بھیجتا ہوں تم پر بھی آج سے اپنی مرضی سے بے موت مرنا تمہیں زیادہ پسند ہے تو مرو۔'' زوار اس کی بات پر آپے سے باہر ہو گیا، غصے سے کہتے ہوئے گاڑی چلاتے ہوئے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی۔

پری گل اس کی باتیں سن کر خود پر لعنت ملامت کر کے اس سے ایک بار پھر معافی مانگنے کا سوچ رہی تھی کہ گاڑی رکنے پر چونک کر زوار کی طرف دیکھا.....

زوار کی نظر ونڈ اسکرین پر تھی، چہرے پر غصے، پھڑکتی کنپٹی اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ اس وقت کتنا غصے میں ہے۔

''گاڑی سے اترو اور خود ہی جاؤ سپر مارکیٹ..... برداشت نہیں کر سکتا اب تم کو میں۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا کر سخت لہجے میں کہتا ہوا اس کی طرف دیکھے بنا کہہ رہا تھا۔ پری گل نے کچھ کہے بغیر خاموشی سے دروازہ کھولا اور گاڑی سے اتر گئی۔ زوار بجلی کی سی تیزی سے گاڑی اڑا لے گیا۔

''یا اللہ یہ کیا ہو گیا ہے زوار کو..... کیوں اس بات کو لے کر ضد پکڑ لی ہے؟ کیسے سامنا کر پاؤں گی گھر والوں کا..... ان کی ضد کیسی انہونی ہے، اللہ پاک مجھ پر رحم کر میرے مولا..... کیسی کیسی آزمائشیں ہیں مجھ پر۔'' اپنی دھن میں وہ سر جھکائے چل رہی تھی، دماغ تھا کہ پھٹا جا رہا تھا۔ زوار حقیقت میں سچا انسان تھا۔ اس کی آنکھوں میں، اس کی باتوں میں سچائی نمایاں تھی وہ سب کچھ دل سے کہہ رہا تھا مگر پری گل کی سوچ اپنی جگہ بھی ٹھیک تھی۔

قریب ہی کسی گاڑی نے آ کر تیزی سے بریک لگائے، وہ خیالات سے چونکی قبل اس کے کہ وہ آ

نکھ اٹھا کر دیکھتی، کچھ سمجھنے سوچنے سے پہلے کسی نے اسے کھینچ کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر گرانے کے انداز میں اندر کیا، اس کے نتھنوں میں عجیب سی ناگواری تیز بو محسوس ہوئی، وہ چیخنا چاہ رہی تھی مگر آواز نکل نہ پائی..... مضبوط ہاتھوں کے شکنجے میں جیسے اس کا وجود بے بس ہونے لگا تھا، دماغ ماؤف اور ہاتھ پیر ساکت ہو گئے تھے۔ بے سدھ ہو کر گاڑی کی سیٹ پر لڑھک گئی۔

زوار کا دماغ گھوم رہا تھا، وہ صدق دل سے پری گل کو اپنانا چاہتا تھا مگر ایک نہیں اس نے دو بار زوار کے جذبوں کو کھیل تماشہ اور مذاق سمجھا تھا۔ ''اتنی بزدل اور دبو لڑکی ذرا سا حوصلہ بھی نہیں..... نہ ہی خود کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتی ہے، بن کر رہے گی لکیر کی فقیر..... بے وقوف، پاگل، الو کہیں کی۔'' غصے سے وہ مسلسل پری گل کو کوس رہا تھا، دل بے چین تھا، دماغ جگہ پر نہیں تھا، آفس آیا تو آفس میں بھی دل نہ لگا۔ تھوڑا سا کام بمشکل نبٹا کر وہ گاڑی لے کر نکل گیا، گھر جانے کا بھی دل نہیں کر رہا تھا یونہی سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہا، کچھ دیر پارک میں بیٹھا رہا، مسلسل پری گل پر غصہ آ رہا تھا..... غصے کے مارے اپنا سیل بھی آف کر دیا تھا کہ کوئی ڈسٹرب نہ کر سکے، رات ہونے لگی تھی بادل نخواستہ اٹھ کر وہ گھر کی طرف چل دیا..... گھر میں ماحول کچھ عجب قسم کا سا لگا..... سب لوگ لاؤنج میں جمع تھے، اس کو دیکھا تو زرنگار بیگم کی آنکھوں میں غصہ اتر آیا۔

''زوار کب سے کال کر رہی ہوں تم نے سیل بند کیوں رکھا ہوا ہے؟ شام سے سب کال کر کے تھک گئے، آفس سے پتا چلا کہ نکل گئے ہو، کہاں تھے تم؟ اور سیل کیوں بند تھا..... تم نے پری گل کو اسٹور پر ہی اتارا تھا ناں؟'' اس پر نظر پڑتے ہی زرنگار بیگم نے پہلے غصے سے اس کی کلاس لی پھر ساتھ پری گل کے بارے میں پوچھا۔ سپر اسٹور کے قریب ہی تو وہ اتری تھی۔

''ہاں سپر اسٹور پر ہی اتارا تھا اسے..... ہوا کیا؟'' زوار نے پریشان ہو کر سوال کیا۔

گھر والوں کے چہرے دیکھ کر وہ ویسے بھی فکر مند ہو گیا۔

''پری گل ابھی تک واپس نہیں آئی۔ تین بجے کی نکلی ہوئی اب رات کے آٹھ بج چکے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ آج سے پہلے بھی وہ رکشہ سے آتی جاتی رہی ہے، بمشکل دو گھنٹے میں واپس آجاتی تھی مگر آج پانچ گھنٹے ہو گئے تھے..... اس کا فون بھی بند ہے، میں نے ڈیڑھ گھنٹے بعد ڈرائیور کو بھی بھیج دیا تھا کہ وہ جا کر اسے لے آئے مگر ڈرائیور انتظار کر کے واپس آ گیا، پتا نہیں کہاں چلی گئی کم بخت..... میرا دل تو ہول رہا ہے، لڑکی ذات ہے، پتا نہیں کہاں ہو؟'' زرنگار بیگم خاصی پریشان تھیں۔

''مما آپ کو کہتی بھی تھی کہ اس پر اتنا اعتبار مت کریں، آج کل کے حالات دیکھے ہیں آپ نے، کیسے کیسے واقعات آئے دن سننے کو ملتے ہیں..... اسے یوں اکیلے کم از کم اب تو نہیں جانے دینا چاہیے تھا، کچھ بھی کر سکتی ہے وہ..... ہمارے گھر پر رہتی ہے، ذمہ داری تو ہماری ہی ہے نا..... کچھ الٹا سیدھا کر بیٹھی تو کون پولیس تھانہ بھگتے گا بھلا..... بالکل ٹھیک، ایکسیڈنٹ ہوا تو اچھا ہے اگر کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہو گی تو کتنی بار منع بھی کرتا تھا مما آپ تو..... آپ سمجھتی نہیں تھیں، یہ چھوٹے نیچ اور غلط لوگ اعتبار کے قابل نہیں ہوتے، سانپ کی طرح دودھ بھی پیتے ہیں اور دودھ دینے والے کو ڈس بھی لیتے ہیں۔ آپ پر تو جادو کر دیا تھا اس ماں بیٹی نے کہ ہماری بات غلط دکھائی دیتی تھی..... دکھا دی ناں اس نے اپنی اصلیت، اپنی اوقات آپ کو چکمہ دے کر نکل گئی ہو گی کسی کے ساتھ..... ویسے تو میسنی بن کر شادی کروا رہی تھی مگر اندر ہی اندر نہ جانے کیا گل کھلا رہی تھی اور موقع دیکھ کر چلتی بنی ساتھ سودے کے پیسے بھی لے گئی۔'' مختار بھی آ گیا تھا تب ہی زرتاشہ کی بات کی ترجمانی کرتے ہوئے اس کی بات کاٹ کر لمبی چوڑی منفی تقریر کر ڈالی۔

''ہائے اللہ بڑا ڈر لگ رہا ہے مجھے۔'' زرنگار بیگم ہاتھ ملتے ہوئے بولیں، زوار مٹھیاں بھینچ خاموش کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے کیوں پری گل کو گاڑی سے اتارا تھا۔

''مختار، زوار ہاسپٹلز میں، پتا کرو میرا دل تو بری طرح گھبرا رہا ہے۔'' زرنگار بیگم بولیں۔

''مما پانی پی لیں.....آپ اتنا پریشان مت ہوں، اپنی طبیعت خراب مت کریں اس منحوس آوارہ لڑکی کے لیے، مجھے لگتا ہے کہ شادی سے بچنے کے لیے اس نے یہ حرکت کی ہے، آپ کے سامنے تو سر جھکا کر ہامی بھر لی تھی۔ مگر مختار صحیح کہہ رہے ہیں کوئی نہ کوئی چکر ہوگا اس کا.....''

''مما بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں، مجھے پہلے ہی اس پر شک تھا، وہ معصوم بنتی تھی مگر گنوں میں پوری تھی۔'' نگین بھی زرتاشہ کے ساتھ رہ کر اس کی زبان بولنے لگی، زوار کو ان سب کی باتوں پر غصہ تو بے تحاشہ آ رہا تھا مگر وہ اس وقت چپ تھا۔

مختار اور زوار اپنے اپنے طور سے تلاش کرنے نکل گئے.....وتو کہیں جاتی بھی نہیں تھی، نہ کوئی دوست سہیلی، نہ کوئی رشتے دار، جاننے والا، صرف سودا لانے مہینے میں ایک آدھ بار جاتی یا پھر اگر سلائی کرنا ہو تو اس کی چیزیں لینے مارکیٹ چلی جاتی، اس طرح سے تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ گھنٹوں کے لیے غائب ہوئی ہو۔ زرنگار بیگم بری طرح خوف زدہ تھیں، زرتاشہ حسب توفیق ان کو مزید دہلا رہی تھی۔ اونچ نیچ اور منفی شوشے چھوڑ کر ان کی پریشانی اور غصے کو مزید ہوا دے رہی تھی جبکہ نگین کا زرتاشہ کی طرح پکا یہی خیال تھا کہ وہ کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ مختار اور زوار رات گیارہ بجے تک مختلف ہاسپٹلز، اداروں میں پتا کرتے رہے مگر کہیں سے بھی کوئی معلومات نہیں ملی تو وہ لوگ گھر واپس آ گئے تھے۔

''میرے خیال میں پولیس میں رپورٹ لکھوا دینی چاہیے کافی وقت ہو گیا ہے اب تو۔'' زوار کی بات پر مختار چونکا۔

''نہیں.....نہیں اس دو کوڑی کی لڑکی کے لیے ہم پولیس اسٹیشن جائیں گے، ہرگز نہیں، گولی مار و منحوس کو صبح تک نہیں آئی تو پھر کچھ کرتے ہیں۔'' مختار نے کہا۔

''ٹھیک ہے مگر ایک کام کرنا آپ۔'' زرتاشہ نے کچھ سوچ کر مختار کی طرف دیکھا۔ سب زرتاشہ کی طرف دیکھنے لگے۔ ''رپورٹ میں لکھوائیں کہ گھر سے زیور اور پیسے لے کر بھاگی ہے تاکہ اسے اس

کی حرکت کی ٹھیک طرح سے سزا بھی ملے" زرتاشہ نے کہا۔

"کل کی کل دیکھیں گے..... دیکھو تو میں کیا کرتا ہوں۔" مختار نے بیگم کو تسلی دی۔ زوار ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔ اسے رہ رہ کر اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا، اس قدر جذباتی کیوں ہو گیا تھا..... وہ شریف لڑکی، بھاگ نہیں سکتی، یقیناً کسی پریشانی میں ہے پتا نہیں کہاں اور کس حال میں ہے..... زوار اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے مسلسل فکر مند تھا..... اس کا دل بے چین تھا مختار کی بات بھی ٹھیک تھی۔

"تھانہ جانا اچھی بات نہیں تھی، جوان لڑکی کے بارے میں خوامخواہ بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی مگر وہ گئی تو کہاں گئی؟ خدانخواستہ پریشانیوں سے تنگ آ کر خودکشی، اف اللہ نہ کرے، اللہ پاک معصوم لڑکی کی حفاظت کرنا، میرے اللہ اسے سلامت رکھنا، عزت و آبرو کے ساتھ۔" زوار مسلسل اضطرابی کیفیت سے دوچار تھا، بے چینی عروج پر تھی۔

☆.....☆.....☆

اس نے کسمسا کر آنکھ کھولی، پپوٹے بے حد بھاری ہو رہے تھے بمشکل آنکھ کھلی، سر بے تحاشہ بھاری ہو رہا تھا، آنکھوں میں نیند کا خمار چھایا ہوا تھا، بوجھل پلکیں کچھ لمحے تو وہ حواس بحال کرتی رہی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کہاں پر ہے، اپنے سر کو شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے دبایا تب ہی اچانک جیسے اس کی یادداشت واپس آ گئی۔ بجلی کی سی تیزی سے اٹھنے کی کوشش کی مکمل طور پر آنکھ کھول کر ارد گرد کا جائزہ لیا۔ بہترین بیڈروم تھا اور وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔

"اف خدایا....." بوکھلا کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ "یہ کون سی جگہ ہے اس کا بیڈروم اور..... وہ اس بیڈروم میں کیوں تھی؟" خوف و دہشت سے گھگھی بندھ گئی۔

"میں اغوا ہوئی..... پر کس نے اسے اغوا کیا، یہاں لانے کا کیا مقصد، یا اللہ میرے ساتھ کیا ہوگا، اب آگے کیا ہونے والا ہے؟" ایک لمحے میں صدیوں کا سفر طے کر گئی۔ شاید نشے کی دوا کا اثر تھا،

اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں ایک نقطے پر آ کر ٹھہر گئی تھیں۔

''یہاں سے عزت بچا کر نکلنا، اف خدایا..... میری حفاظت کرنا میرے مولا۔'' آنکھوں سے آنسو جاری تھے، دفعتاً سامنے گھڑی پر نظر پڑی جو گیارہ بج رہی تھی، رات کے گیارہ یعنی پچھلے آٹھ گھنٹوں سے وہ گھر سے غائب تھی گھر کا خیال آتے ہی گھبراہٹ دوچند ہوگئی۔

''گھر میں نہ جانے کیسی قیامت بپا ہوگی؟ کیسے کیسے الزامات لگائے جا رہے ہوں گے..... یا اللہ میں کہاں ہوں؟ مجھ سے کسی کو کیا دشمنی ہوگی؟'' وہ بمشکل اٹھ کر دروازے تک آئی، دروازہ باہر سے بند تھا۔

''یا اللہ میں کیا کروں؟ میری مدد کرنا میرے مولا، تیرے سوا کوئی مددگار نہیں ہے، مجھ دکھیاری پر رحم کرنا میرے مولا..... میری حفاظت کرنا..... اپنے حبیب کے صدقے۔'' گڑگڑا کر دعائیں کرنے لگی تب ہی باہر قدموں کی چاپ سنائی دی تو وہ جلدی سے بیڈ کی طرف آئی اور لیٹ گئی۔

''یا اللہ میری حفاظت کرنا میرے مولا.....'' کپکپاتے لبوں پر ورد کی صورت آیۃ الکرسی تھی، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، دروازہ کھلا، نشے میں دھت لڑکھڑاتے قدموں سے کوئی اندر آیا، پری کو لگا جیسے اس کا دل بند ہو جائے گا، موت بالکل قریب نظر آ رہی تھی، عزت کی موت، زیرو کے بلب کی تیز نیلی روشنی میں پری نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا..... وہ..... وہ غفران تھا۔

''اف خدایا..... یہ غفران ہے۔'' پری سمجھی تھی کہ غفران سے جان چھوٹ گئی۔ زرتاشہ نے ذکر کیا تھا کہ وہ آسٹریلیا چلا گیا مگر آج غفران کو دیکھ کر اس کی روح تک کانپنے لگی..... ایسا لگ رہا تھا رگوں میں خون منجمد ہو گیا ہو، سانس رکنے لگا، لگتا تھا جیسے جسم بے جان ہو کر رہ گیا ہے، وہ بدمست ہاتھی کی طرح لڑکھڑا رہا تھا، اس کے قدموں کی جنبش پر پری گل کا دل ایسے دھڑکتا جیسے ابھی باہر نکل آئے گا..... وہ تیزی سے آیت الکرسی پڑھنے لگی، آنکھیں بند کر کے صرف اور صرف اللہ کو پکار رہی تھی، اللہ پاک سے مدد مانگ رہی تھی، وہ غفور و رحیم ہے، رحمٰن ہے، بندوں کی حاجت پوری کرنے والا..... بندوں کی

دعاؤں کو شرف قبولیت بخشنے والا، وہ مالک دو جہاں ایک لمحے میں ساری خدائی تلپٹ کر سکتا ہے..... بڑے بڑے سورماؤں کو دھول چٹا سکتا ہے تو ننھی سی چیونٹی کو یہ طاقت دے سکتا ہے کہ وہ ہاتھی جیسے جانور کو بے بس کر دے..... اس کی رحمت جوش میں آنے کی دیر ہے بے سہاروں کو سہارا..... بے کسوں کو مدد اور بے چاروں کو چارہ دینے والی وہی ذات ہے جسے پری گل رو رو کر یاد کر رہی تھی۔ آنکھیں موندے قیامت کی منتظر تھی، کسی سانحے کی منتظر، پلٹ کر غفران دروازہ بند کرنے ہی والا تھا کہ باہر بے تحاشا شور ہوا جیسے لوگ بھاگ دوڑ رہے ہوں، پریشانی میں ایک دوسرے کو آواز میں دے رہے ہوں۔

''اوئے غفران یار..... جلدی سے باہر آ..... پولیس نے چھاپہ مار دیا ہے..... جلدی نکل یہاں سے۔'' کسی نے دروازے پر آ کر غفران کو آواز دی۔

''اوہ شٹ۔'' غفران نے غصے سے ہتھیلی پر مکہ مارا۔

''پیچھے سے نکل پیچھے سے۔ جلدی کر۔'' دوبارہ وہی آواز آئی۔

''چھوڑ یار..... پڑی ہے بے ہوش..... خود ہی پولیس لے جائے گی اس نے کون سا بیان دینا ہے۔'' غفران کوشش و پنج میں دیکھ کر وہی آواز پھر آئی تو غفران کی سمجھ میں بات آ گئی، وہ باہر کی جانب بھاگا جیسے ہی غفران باہر بھاگا..... پری گل تیزی سے چھلانگ مار کر بیڈ سے نیچے آئی دروازے میں آ کر ادھر ادھر دیکھا خاصا لمبا برآمدہ تھا، دونوں جانب باہر جانے کا راستہ تھا..... سارے کمرے کھلے پڑے تھے، سب لوگ بھاگ چکے تھے، پری گل نے اللہ کا نام لیا۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے عزت بچائی اب میری جان بھی بچانا میرے مولا..... مجھے یہاں سے نکال دے، خدانخواستہ پولیس کی گرفت میں نہ آ جاؤں۔'' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس سمت نکلنا ہے اللہ کا نام لے کر دائیں جانب بھاگی، اتنا بڑا بنگلہ سنسان پڑا تھا..... وہ بھاگی تو بھاگتی چلی گئی دوسری جانب سے شاید پولیس داخل ہوئی تھی..... آوازیں آ رہی تھیں، پوری رفتار سے وہ دوڑی نسبتاً سنسان

گوشے میں کھلے گیٹ کی سمت بھاگی اور باہر نکلتی چلی گئی، کافی دور بھاگ کر احساس ہوا کہ یہاں پر بہت کم آبادی تھی اکا دکا بنگلے اور کچھ زیر تعمیر تھے، کوئی نئی اور سنسان سی سوسائٹی تھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے جانا کس طرف ہے، بارہ بجنے والے تھے اس وقت ہر طرف خاموشی کا راج تھا، اسے کافی فاصلے پر چلتے ہوئے روڈ کا احساس ہوا جہاں سے گزرتی گاڑیاں اس بات کو ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ سڑک ہے وہ دیوانہ وار اس سمت بھاگی، اس وقت وہ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی کوئی ڈر یا خوف نہیں تھا، بے تحاشہ رونا بھی آ رہا تھا..... عزت بچ جانے کی خوشی بھی تھی، ساتھ یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ ہے کہاں پر؟ شاید کراچی سے باہر ہو، اسے گھر سے نکلے آٹھ گھنٹے ہو چکے تھے، آٹھ گھنٹوں میں تو کہاں سے کہاں پہنچ سکتی تھی سڑک پر آئی تو دو تین ٹیکسیاں اور رکشے کھڑے نظر آئے..... ایک قدرے عمر رسیدہ ٹیکسی ڈرائیور کے پاس آئی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہے..... کہاں جانے کی بات کرے..... اس وقت وہ کہاں پر ہے؟

''بابا جی.....'' اس نے آواز دی۔

''جی بچہ۔'' بڑے میاں خیالات سے چونکے، گھر کا پتا بتایا۔

''ہاں ہاں چلوں گا مگر..... تم پریشان کیوں ہو بیٹی اور اس وقت اکیلی؟'' شاید اللہ کا نیک بندہ تھا جو بھانپ گیا تھا۔

''جی بابا گھر سے سودا لینے نکلی تھی راستہ بھول گئی، اس لیے پریشان ہوں..... چکر آ گئے تھے کسی نے یہاں پر اتار دیا، ابھی ہوش میں آئی۔'' برجستہ جھوٹ گھڑا۔

''اوہ..... اچھا اچھا..... اللہ نے رحم کیا..... آ جاؤ بیٹھ جاؤ۔'' بڑے میاں کی بات سے دل کو کچھ اطمینان ہوا، ساتھ ہی یہ بھی اطمینان کہ وہ گھر سے بہت زیادہ دور نہیں، پری گل کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا..... گھر پر جا کر کیا کہے گی؟ غفران کا نام لے گی تو کوئی بھی یقین نہیں کرے گا، زرتاشہ الٹا اسے ہی الزام دے گی..... دل چاہا کہ کہیں بھی بھاگ جائے آنے والے حالات اور سوالات کا سامنا کرنے کی

ہمت پیدا کرنا بہت تکلیف دہ تھا۔ بھاگ کر جاتی بھی تو کہاں؟ رات کے اس پہر اللہ پاک نے کرم کر کے اس درندے کے چنگل سے تو چھڑا لیا تھا مگر آگے نہ جانے اور کتنے درندے ملتے..... سوچتے ہوئے گھر آ گیا۔ گیٹ پر چوکیدار بابا بیٹھے تھے۔

''پری گل بچے تم کہاں چلا گیا تھا؟'' وہ اسے دیکھ کر پوچھ بیٹھے۔

''میں راستہ بھٹک گئی تھی بابا۔'' بمشکل جواب دے کر اندر کی جانب قدم بڑھائے، شاید اس کے بارے میں لائحہ عمل کی تیاری کی وجہ سے مختار، زرتاشہ، نگین اور زرنگار بیگم لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔

''اوہو..... محترمہ آ گئیں۔'' زرتاشہ کی نظر سب سے پہلے اس پر پڑی تب ہی اس کی طنز سے بھرپور آواز پر سب لوگوں کی نظریں پری گل کی جانب اٹھی۔

''پر..... پری گل.....'' زرنگار بیگم نے نگاہ اٹھائی اور بے ساختہ اٹھ کر پری گل کے قریب آئیں۔

''کہاں..... کہاں چلی گئی تھیں تم؟ فون بند کر کے کہاں مر گئی تھیں، اتنے گھنٹے کہاں گزار کر آئی ہو؟'' زرنگار بیگم نے غصے سے پری گل کو جھنجوڑتے ہوئے پوچھا۔

''بی بی صاحبہ مجھے کسی نے اغوا کر لیا تھا۔ پتا نہیں کہاں لے گئے تھے، بے ہوش تھی، ہوش آیا تو بھاگ نکلی۔'' پری گل نے ڈرتے ہوئے کہا۔ اس وقت پری گل کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی جیسے وہ چوری کرتی پکڑی گئی ہو۔

''اغوا؟'' زرتاشہ نے آنکھیں پھیلا کر طنز سے اس کی طرف دیکھا۔ ''اغوا بھلا تمہیں کون اغوا کرے گا؟ کون سا تم تاوان میں لاکھوں دو گی، اغوا تم جیسے لوگ نہیں ہوتے، ہمیں پاگل مت بناؤ..... مما اس سے سختی سے پوچھیں، یہ کہاں سے آ رہی ہے رات کے اس پہر کس کے پاس تھی اور کیا کر کے آئی ہے؟'' زرتاشہ کے لہجے میں زہر ہی زہر تھا۔

''اللہ کے واسطے بھابی، ایسا مت کہیں، میں سچ کہہ رہی ہوں، آپ لوگ تو جانتے ہیں میں غیر

ضروری ہے کہیں بھی نہیں جاتی..... میرا یقین کریں۔'' پری گل یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ اغوا زرتاشہ کے کزن نے ہی کیا تھا۔

''چپ کرو اور صاف صاف بتاؤ تم گھر سے بھاگ رہی تھیں ناں شادی سے بچنے کے لیے؟ اگر نہیں کرنی تھی شادی تو کہہ دیتی مگر یوں چپ چپاتے نکل گئی، احساس ہو گیا ناں کہ کوئی پناہ نہیں دے سکتا، تب ہی چلی آئی ادھر ادھر منہ مار کر؟'' زرنگار بیگم نے غصے سے اس کو کاندھے سے پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں مما..... اغوا کرنے والا یوں آرام سے چھوڑ نہیں دیتا، یہ اپنی مرضی سے گئی اور اپنی مرضی سے واپس آئی ہے۔'' نگین نے بھی بولنا فرض سمجھا۔

''نہیں..... نہیں ایسا نہیں ہے..... اللہ کی قسم مجھے کوئی گاڑی میں بٹھا کر لے گیا تھا..... بڑی مشکل سے بھاگ کر آئی ہوں، آپ لوگ میری بات کا یقین کریں..... اللہ کے واسطے۔'' پری گل عاجزی سے ہاتھ جوڑے گڑگڑا رہی تھی۔

''چل مان لیا..... بتاؤ کہاں سے اغوا ہوئی، کون تھا، کہاں لے کر گیا تھا؟ کوئی حلیہ، کوئی نشانی بتاؤ ہم ڈھونڈ نکالیں گے۔'' مختار نے صوفے سے اٹھ کر ایک قدم آگے بڑھا کر ٹٹولنے والے انداز سے اسے دیکھا۔

''بھیا..... سپر اسٹور کے پاس سے مگر..... کہاں گئی، کون تھا؟ کچھ پتا نہیں..... میں بے ہوش تھی..... ہوش میں آئی تو بنگلے میں بھگدڑ مچ گئی شاید چھاپہ وہاں پڑا تھا..... میں نے موقع دیکھ کر وہاں سے فوراً نکلنا مناسب سمجھا، آپ لوگ یقین کریں میں سچ کہہ رہی ہوں۔'' مختار ناک چڑھا کر زہر خند انداز میں اسے گھور رہا تھا جیسے اس کی بات پر رتی بھی یقین نہ ہو..... زوار اس وقت گھر سے باہر تھا۔

''مما، یہ بہت بڑی ڈراما ہے، اسے اس گھر سے چلتا کر دیں..... آج سارا دن اور آدھی رات گزار

کر آئی ہے کل..... کل ساری رات گزار کر جائے گی..... یہ سوچ کر..... کہ واپسی کا ٹھکانہ تو موجود ہے مگر ہم اب بے وقوف نہیں بن سکتے، مما یہ ایسی ویسی حرکتیں کر کے ہمیں بدنام کر سکتی ہے، آپ نے پالا پوسا مگر یہ سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دے گی۔" زرتاشہ کی بات پر زرنگار بیگم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کمینی بے غیرت، تو نے یہ صلہ دیا میری محبت کا، میرے احسانات کا، اپنی بیٹی کی طرح تیرا خیال رکھا، تجھے پڑھایا لکھایا، رہنے کو جگہ دی اور تو نے کالک مل لی اپنے منہ پر۔" زرنگار بیگم نے آگے بڑھ کر زوردار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا، پری گل آنکھیں پھاڑے زرنگار بیگم کو دیکھ رہی تھی، اس کی آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے، اپنے سنسناتے گال پر ہاتھ رکھے وہ بت بنی کھڑی تھی۔

"سانپ کیوں سونگھ گیا منحوس۔" نگین نے آگے بڑھ کر جھنجوڑا۔

"مجھے میری مری ہوئی ماں کی قسم ہے جی میں نے کچھ نہیں کیا..... نہ اپنی مرضی سے گئی تھی۔" ایک بار پھر وہی بات۔

"نکل جا..... ابھی اور اسی وقت دفعان ہو جا..... وہیں جہاں اتنے گھنٹے گزار کر آئی ہے، اب میں ایک منٹ تجھ جیسی لڑکی کو اپنے گھر میں مزید برداشت نہیں کر سکتی۔ نکل جا، دفعان ہو جا۔" زرنگار بیگم دیوانوں کی طرح اسے دھکا دینے لگیں۔

"اوہو مما پلیز آپ ہائپر مت ہوں اتنا، صبح تک برداشت کر لیں اسے، صبح نکال دیں۔" زرنگار بیگم کو جنونی انداز میں بپھرتا دیکھ کر مختار نے آگے بڑھ کر انہیں سنبھالا۔

"بھیا اللہ کے واسطے مجھے غلط مت سمجھیں..... بے شک مجھے ماریں، گھر سے نکال دیں مگر مجھے غلط نہ سمجھیں۔" وہ روتے ہوئے نیچے زمین پر بیٹھ گئی۔ عین اسی وقت زوار داخل ہوا اور پری گل پر نظر پڑی تو حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"کہاں تھیں تم؟" زوار نے سخت لہجے میں سوال کیا تو نگین نے اشارے سے چپ کروایا، زرنگار

بیگم اس وقت بے حد جذباتی تھیں زوار نے گہری نظر پری گل پر ڈالی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''بس میں نے فیصلہ کرلیا ہے..... اب انتظار نہیں کروں گی اور جتنی جلد ہو سکے اس کو نکاح کر کے رخصت کردو..... منحوس گھر سے نکلے آگے مرے یا جیئے، بھاگے یا خودکشی کرے، ہمارا کوئی لینا دینا نہیں ہوگا۔'' زرنگار بیگم نے دوسرے لمحے اپنا فیصلہ سنا دیا، اپنے کمرے میں جاتے ہوئے زوار نے بھی سن لیا تھا۔

''جا اپنے کمرے میں جا کر مر..... جب تک اس گھر میں ہے سانس بھی میری مرضی سے لینا ہوگا۔'' زرنگار بیگم نے اسے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ پری گل سسکتے ہوئے اپنے دکھتے وجود کو لے کر اٹھی اور لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔

کچھ لوگوں کے نصیب میں سوائے پریشانی مصیبت اور آزمائشوں کے کچھ نہیں ہوتا، کمرے میں لیٹے چھت کو گھورتے ہوئے پری گل کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے، آنسو کنپٹی سے بہتے ہوئے تکیے میں جذب ہو رہے تھے۔ گل مینا کی زندگی میں کتنے دکھ آئے، کیسے ماں باپ سے جدائی، شہزاد سے بچھڑ جانا، کسمپرسی میں زندگی گزاری، شہزاد ملا تو چند سالوں کی رفاقت پھر معذوری اور موت کے آہنی پنجے نے شہزاد کو اپنی گرفت میں لے کر ایک بار پھر گل مینا کو تنہا کر دیا، ننھی پری گل کا ساتھ۔۔۔ جوانی، خوب صورتی اور لوگوں کی ہوس بھری نگاہیں، غلیظ اور مکروہ منصوبوں نے گل مینا پر آزمائشوں کے پہاڑ توڑ دیے تھے..... تب زرنگار بیگم کی فیملی کسی غیبی مدد کی طرح زندگی میں آئی، یہاں آ کر گل مینا نے خود کو محفوظ تصور کیا تھا، اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی کہ یہ ٹھکانہ مل گیا ورنہ اس ورنہ کے آگے سوچتی تو دل دھل جاتا ،تب وہ پری گل کو کہتی کہ زرنگار بیگم کا یہ احسان ہم کبھی بھی نہیں اتار سکتے، درندوں کی اس دنیا میں جب ہر طرف غلاظت بھری نگاہیں بڑی سی چادر کے پار گل مینا کے جسم کو ٹٹولتیں تو گل مینا کا کلیجہ پھٹنے لگتا تھا، ایسے میں زرنگار بیگم کا نہ صرف نوکری دینا بلکہ ان کو پناہ دینا، ان کی عزت کو ہوس بھری نگاہوں سے بچانا،

گل مینا کے لیے ہفت اقلیم کی مانند تھا..... پری گل کو وہ اس بات کا وقتاً فوقتاً احساس دلاتی رہتی تب ہی پری گل زوار کی بات پر تڑپ اٹھی تھی..... وہ بھلا کیسے اپنے محسنوں کے ساتھ ایسا کر سکتی تھی، وہ جانتی تھی محمل میں ٹاٹ کا پیوند صرف ڈراموں اور فلموں میں ہی لگتا ہے حقیقی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا، اس جیسے لوگوں کو اس جیسے لوگوں کے ساتھ ہی بیاہ کر جانا پڑتا ہے پھر بھلا وہ کیسے بڑے بڑے خواب اپنی آنکھوں میں سجا لیتی۔ اس نے اپنے ارمان، خواہشات اور مچلتے جذبات کا سر کچل دیا تھا مگر آج بے تحاشہ رونا آ رہا تھا، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ آج اتنی بے عزتی کے بعد وہ اپنی زندگی ختم کر لے..... زوار اس سے سخت ناراض تھا، گھر والے اس کے کردار پر کیچڑ اچھال رہے تھے، یہی سوچ کر اٹھی اور واش روم کی جانب بڑھی تا کہ فنائل پی کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس زندگی سے ناطہ توڑ لے۔

''اف..... فنائل بھی ختم ہو چکا تھا مگر اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ کل جب گھر والے نگین کی رسم کی ادائیگی کے سلسلے میں جائیں گے، تب وہ زرنگار بیگم کے واش روم سے فنائل نکال لائے گی۔

جیسے تیسے رات گزری، تب اسے صبح یہ خبر سننے کو ملی کہ تین دن بعد اس کا نکاح ہے اور تین دن تک وہ اپنے کمرے میں ہی رہے گی۔

''اف خدایا.....'' اس نے سر تھام لیا۔ ''میں، میں زندہ ہی نہیں رہوں گی، مجھے مر جانا چاہیے۔'' وہ شام کا انتظار کرنے لگی، دل چاہ رہا تھا ایک بار، صرف ایک بار زوار سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لے..... دل پر جیسے بوجھ سا آ پڑا تھا، شام ہوئی تو سارے گھر والے تیاری کرنے لگے، نگین بھی پارلر سے آ گئی تھی، اسے باہر بلایا گیا اور چھوٹے موٹے کاموں کے لیے زرنگار بیگم نے کہا وہ کام کرنے لگی، زوار نظر نہیں آ رہا تھا۔

''مما..... زوار کہاں ہے وہ ساتھ نہیں چل رہا؟'' زرتاشہ تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو ساس سے پوچھا۔

''وہ پھول وغیرہ لے کر ڈائریکٹ ہال پہنچ جائے گا۔'' زرنگار بیگم نے ساڑھی کا پلو درست کرتے ہوئے کہا۔

''تم اندر ہی رہنا..... لان میں بھی جانے کی ضرورت نہیں، آئی سمجھ؟'' جاتے ہوئے کڑی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے زرنگار بیگم نے ہدایت دی۔

''جی.....'' وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ سب لوگ چلے گئے، پری گل نے کھڑکی سے دیکھا..... چوکیدار بابا گیٹ پر الرٹ بیٹھے تھے، ٹھنڈی سانس لے کر پری گل اندر آ گئی۔

''اللہ پاک مجھے معاف کر دینا۔ میرے مالک..... اب میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں، اس طرح سے جینا میرے لیے مشکل ہے۔'' پری گل نے نم آنکھوں سے آسمان کی جانب دیکھ کر کہا۔ ساتھ ہی گل بینا کے الفاظ بھی یاد آ گئے۔

''ان لوگوں کے احسان کا بدلہ ہم زندگی بھر نہیں اتار سکتے..... آخری دم تک ان کے لیے بھلائی کرتی رہنا۔'' ایک لمحے کو وہ رکی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے مرنے کے بعد ان لوگوں پر کوئی مصیبت آئے تب ہی کاغذ قلم اٹھایا۔

''میں اپنی مرضی سے خودکشی کر رہی ہوں، میرے بعد میرے مالکان کو ہرگز پریشان نہ کیا جائے..... یہ تو میرے محسن ہیں، ان لوگوں نے ہمیشہ میرا خیال رکھا مگر میں اب جینا نہیں چاہتی، میری موت کی ذمے دار صرف اور صرف میں ہوں۔'' اس پر اپنا انگوٹھا لگایا۔ فنائل کی بوتل اٹھا لائی تھی۔ آنسو بھر بھر آ رہے تھے، کتنی بے بس تھی، وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کر لینا آسان نہیں ہوتا..... جب کوئی اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کرتا ہے تو اس کے پیچھے کوئی بہت بڑی مجبوری ضرور ہوتی ہے وہ بھی اس وقت اسی کیفیت سے دوچار تھی۔

''اماں.....'' لبوں سے سسکی نکلی۔ ''اماں میں تھک گئی ہوں، تم کو بابا کے مل جانے کی امید تھی، تم نے سب کچھ برداشت کر لیا مگر میرے پاس کچھ بھی نہیں..... حتیٰ کہ وہ عزت بھی نہیں جس کو بچا کر میں قیامت کا سامنا کر کے لوٹ بھی آئی..... کوئی میرا یقین نہیں کرتا..... اللہ تو جانتا ہے ناں میں..... میں

آ رہی ہوں اماں۔۔۔" ہذیانی انداز میں کہتے ہوئے بوتل منہ سے لگائی۔ قبل اس کے کہ بوتل سے لیکوئیڈ اس کے منہ میں جاتا ایک جھٹکے سے بوتل دور جا گری اور اس کے منہ پر بھرپور طمانچہ پڑا، بدحواس ہو کر پلٹی تو سامنے زوار کھڑا تھا غیض و غضب کی مکمل تصویر بنا خونخوار نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

"آپ.....! وہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہوئی۔

"یہ کیا جہالت ہے، تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟ پہلے ہی کم عذاب ہے کیا کہ ایک نیا عذاب مول لے رہی ہو تم..... یہ حرکت کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم؟ وہ غصے سے دھاڑا۔

"میں..... میں کیا کروں، میں تھک گئی ہوں، میں زندہ نہیں رہنا چاہتی، میں مر کر سکون حاصل کرنا چاہتی ہوں، میں بوجھ بن گئی۔" دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر وہ زمین پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی..... زوار نے ایک لمحہ اس کے سسکتے وجود کو دیکھا اور آگے بڑھ کر ہاتھ پکڑا۔

"اٹھو۔۔۔"

"جی....." پری گل نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"فوراً کھڑی ہو جاؤ۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ پری گل کھڑی ہو گئی۔

"چپ چاپ میرے ساتھ چلو۔ ہاتھ پکڑ کر باہر کی جانب بڑھا۔

"کہاں..... کہاں باہر چوکیدار بابا ہیں؟" وہ گھبرائی۔

"آواز مت نکالنا اب ورنہ جان سے مار دوں گا..... بہت شوق ہے ناں تمہیں مرنے کا، میں خود مار دوں گا تمہیں۔" وہ تقریباً گھسیٹتا ہوا باہر کی جانب لیا۔

پری گل رونا دھونا بھول کر آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی..... اتنا تو یقین تھا کہ وہ کچھ غلط نہیں کر سکتا مگر اس کا جارحانہ انداز پری گل کو ڈرانے لگا تھا، گیٹ پر چوکیدار بابا موجود نہیں تھے، مطلب زوار نے شاید ان کو کچھ دیر کے لیے گیٹ سے ہٹا دیا تھا..... باہر آ کر گاڑی کا دروازہ کھول کر باقاعدہ دھکا

دے کر پری گل کو سیٹ پر پھینکا۔

''کہاں.....کیا ایدھی ہوم؟''

''بالکل چپ۔'' زوار نے دوسری جانب سے سیٹ پر بیٹھتے ہوئے انگلی اٹھا کر سختی سے کہا۔ ''آواز نکلی تو گلا دبا دوں گا تمہارا۔''

''یا الٰہی یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے سر جھکا لیا، ٹپ ٹپ آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو دامن میں جذب ہونے لگے تھے۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں ناں؟ مجھے معاف کر دیں۔'' ہمت کر کے بولی۔

''میں نے کہا ناں کہ بالکل چپ بیٹھی رہو، بہت بول چکی تم..... یہ بتاؤ مجھ پر بھروسا ہے یا نہیں؟'' پہلے کرخت اور پھر قدرے نرم لہجے میں سوال کیا۔

''جی.....آپ پر تو بہت بھروسا ہے۔'' بے ساختہ لبوں سے نکلا۔

''بس اس بھروسے کو بحال رکھنا۔'' پری گل کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پر اعتماد لہجے میں کہا۔ پری گل سر جھکا کر رہ گئی۔ ایک گھنٹے بعد وہ لوگ گھر لوٹے..... پری بے حد ڈری ہوئی تھی، گھر پر اتار کر وہ آگے بڑھ گیا، شکر اللہ کا اس وقت بھی چوکیدار بابا موجود نہیں تھے، گیٹ بند تھا، جس کو زوار نے کھولا تھا وہ تیزی سے اندر آئی اور تقریباً بھاگتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی۔ عجیب و غریب خیالات تھے، گھبراہٹ، خوف ٹینشن، تحفظ، اعتماد ملی جلی کیفیت کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا آگے کیا ہوگا.....زوار کا ایک جملہ تقویت کے لیے کافی تھا کہ ''اس بھروسے کو بحال رکھنا۔''

چوکیدار بابا کا بھتیجا بقول ان کے کام کے سلسلے میں حیدر آباد گیا تھا سو شادی کچھ دن کے لیے ٹل گئی تھی۔ پری گل نے اللہ پاک کا شکر ادا کیا.....ساتھ ہی نگین کی شادی کی تقاریب بھی شروع ہو چکی تھیں، گھر والوں کا رویہ ایسا ہی سنگدلانہ تھا، ایک زوار تھا جو بظاہر انجان بنا ہوا تھا مگر سارے حالات کا

خاموشی سے جائزہ لے رہا تھا۔ کبھی کبھی اس صورت حال سے پری گل گھبرا جاتی مگر زوار کے پرعزم چہرہ اور پراعتماد آنکھوں کی جانب دیکھتی تو ہمت آجاتی..... خوب زور وشور اور دھوم دھام سے نگین کی شادی ہوگئی اور وہ اپنے دلہا کے ساتھ بیرون ملک چلی گئی۔ پری گل سر جھکائے کام نبٹاتی رہی اس روز بھی کچن میں تھی۔ شام کی چائے کا وقت ہو رہا تھا۔ زرنگار بیگم سو کر اٹھتیں تو چائے تیار مانگتی تھیں..... وہ اسی خیال سے کچن میں آگئی اور چائے کا پانی چولہے پر رکھ دیا، وہیں کھڑی رہی..... چولہے کی شعاعوں سے تھرکتا رنگین شعلہ..... ہم بھی تو اسی شعلے کی مانند ہیں، لوگ ضرورت پڑنے پر ماچس لگا کر شعلے سے اپنی ضرورت پوری کر لیتے ہیں اور پھر جب ضرورت پوری ہو جائے تو وہی شعلہ ان کے لیے خطرناک بن جاتا ہے، جس سے جلنے کے تصور سے گھبرا جاتے ہیں، وہ خیالوں میں اس طرح سے گم تھی کہ احساس ہی نہیں ہوا چائے کا پانی کھول کر قدرے کم ہو گیا تھا۔

''اوہو محترمہ کن کے خیالوں میں کھوئی ہوئی اس قدر مدہوش ہیں کہ احساس نہیں کہ پانی کم ہو گیا برتن خالی پڑا جل رہا ہے..... پتا نہیں دماغ کہاں رہتا ہے تمہارا؟'' زرتاشہ اتنی زور سے بولی کہ پری گل بری طرح چونکی..... زرنگار بیگم جو ابھی ابھی اٹھ کر کمرے سے باہر آئی تھیں وہ کچن کی طرف آئیں۔

''اوہ سوری، بھابی غلطی ہوگئی ابھی بنا دیتی ہوں چائے دوبارہ۔'' شرمندگی سے گھبراہٹ میں جلتا ہوا ساس پین پکڑ لیا۔

''اف.....'' منہ سے سسکاری ابھری ساس پین ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گرا بالکل زرتاشہ کے پیروں کے قریب۔

''اوئی اللہ۔'' زرتشہ اچھلی۔

''الٰہی خیر..... پاگل ہوگئی ہے کیا لڑکی..... عذاب بن کر رہ گئی ہے۔ سنبھل کر زرتاشہ۔'' زرنگار بیگم نے آگے بڑھ کر زرتاشہ کو سنبھالا ویسے بھی وہ آج کل ماں بننے کے عمل سے گزر رہی تھی۔

''پتا نہیں کس منحوس گھڑی میں، میں نے یہ دردسر مول لیا تھا اپنے لیے عذاب کھڑا کر لیا ہے..... باؤلی ہوگئی ہے یہ تو بالکل.....کیسی کیسی حرکتیں کرنے لگی ہے، اسے تو پاگل خانے میں داخل کر دو ابھی۔''

زرنگار بیگم کے لیے زرتاشہ کی گھبراہٹ ناقابل برداشت تھی۔

''سوری بھابی.....وہ ہاتھ سے چھوٹ گیا.....'' پری گل اچانک سے ہو جانے والی افتاد پر حواس باختہ ہو کر بولی۔

''اے لڑکی، اپنی حد میں رہو، مجھ سے کوئی رشتہ بنانے کی ضرورت نہیں تمہیں، پہلے بھی تمہیں سمجھا چکی ہوں یہ رشتے داریاں اپنے پاس رکھو، اپنی حیثیت دیکھو.....مجھ سے رشتہ جوڑنے چلی ہو، آئندہ مجھے بھابی کہہ کر رشتہ جوڑا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ دو کوڑی کی لڑکی۔'' زرتاشہ جو پہلے ہی اس کی حرکت پر سیخ پا تھی جھنجلا کر اس کو بری طرح لتاڑا ساتھ ہی ایک ہاتھ پکڑ کر پری گل کو باہر کی طرف دھکا دیا۔

''نکل جاؤ یہاں سے منحوس بے غیرت۔'' پری گل بری طرح لڑکھڑائی اس سے پہلے کہ وہ لڑکھڑا کر گرتی زوار نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے بازوؤں سے پکڑ کر سنبھالا۔

''مائنڈ یور لینگویج بھابی۔'' زوار نے ایک ہاتھ سے پری گل کو پیچھے کیا اور چبھتی ہوئی نظریں زرتاشہ پر ڈال کر کہا۔

''تم.....تم مجھے سکھاؤ گے وہ بھی اس، اس لڑکی کے لیے زوار اپنی حد میں رہو تم۔'' زرتاشہ طیش میں آ گئی۔

''حد تو بتا رہا ہوں بھابی اور جہاں تک پری گل کا آپ سے رشتہ جوڑنے کا تعلق ہے تو بھابی، ہم اور آپ کون ہوتے ہیں اللہ کے بنائے ہوئے رشتوں میں دخل دینے والے یا پابند کرنے والے..... یہ تو اللہ پاک نے طے کر دیا ہے کہ وہ.....وہ آپ کو بھابی کہہ کر پکارے۔ اب آپ کو اچھا لگے یا برا یہی رشتہ ہے اب اس کا آپ سے۔'' زوار نے اطمینان سے شائستہ اور ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا تو زرتاشہ

کے ساتھ ساتھ زرنگار بیگم بری طرح چونکیں۔

''کک..... کیا مطلب..... ہے تمہارا؟ یہ ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والی لڑکی ہے اس کو تم اتنی اہمیت کیسے دے سکتے ہو، نہ جانے کس خاندان سے ہے؟ ہم نے تو بس ہمدردی میں مصیبت لے لی۔'' زرنگار بیگم نے غصے سے کہا۔

''مما..... یہ جو بھی ہے، جیسی بھی ہے اب اس گھر کی بہو بھی ہے، اس کی حیثیت جو بھی تھی مگر اب یہ بھابی کے برابر درجہ رکھتی ہے..... اس کا بھی آپ سے وہی رشتہ ہے جو بھابی کا آپ سے ہے کیونکہ میں نے اس سے نکاح کرلیا ہے۔''

''زوار.....!'' زرنگار بیگم اتنی زور سے چلائیں کہ پورے گھر میں ان کی آواز گونجی۔ زرنگار بیگم کو لگا جیسے زوار نے ان کے سر پر بم دے مارا ہو، ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

''زوار۔۔۔ تم ہوش میں تو ہو؟'' زرتاشہ نے نفرت سے پری گل کی جانب دیکھتے ہوئے زوار سے پوچھا۔ زوار نے آگے بڑھ کر پری گل کے ہاتھ کو تھاما اور وہ بے حد پر اعتماد دکھائی دے رہا تھا جبکہ پری گل سر جھکائے کھڑی وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔

''یہ سچ ہے کہ پری گل اب میری بیوی ہے..... میں نے اس سے نکاح کرلیا ہے۔ اس نے ٹھہر ٹھہر کر پر اعتماد لہجے میں کہا، اسی لمحے شور سن کر مختار بھی آ گیا تھا۔

''یہ..... کیا بکواس کر رہا ہے؟ دیکھا مما، دیکھ لیا ناں اپنی ہمدردی کا انجام..... میں پہلے دن سے ہی اس بات کے خلاف تھا کسی کو بھی اپنے گھر میں پناہ مت دیں، یہ لوگ اعتبار کے قابل نہیں ہوتے، آپ کو بڑی معصوم لگتی تھی ناں اب دیکھ لی اس کی حرکت..... معصومیت کے جال میں کتنا بڑا کھیل کھیلا ہے اس نے کتنی گھنی نکلی، دکھا دی

ناں اس نے اپنی اوقات۔'' مختار بھی زہر اگل رہا تھا۔ زرنگار بیگم غصے سے کانپ رہی تھیں۔

''کم بخت، ڈائن..... ڈائن بھی سات گھر چھوڑ کر وار کرتی ہے مگر تو، تو ڈائن سے بھی بدتر نکلی جس تھالی میں عمر بھر کھاتی رہی اسی میں چھید کر دیا..... میرے سیدھے سادے بیٹے کو پھانس کر کس بات کا بدلہ لیا ہے تو نے کمینی؟'' زرنگار بیگم شدت جذبات سے آگے بڑھیں اور پری گل کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا قبل اس کے کہ دوسرا تھپڑ مارتیں زوار نے نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''مما پلیز ایسی حرکتیں، جاہل عورتیں کرتی ہیں، آپ سے کوئی بدتمیزی نہیں کرنا چاہتا، ہاتھ جوڑ کر آپ سے منت کرتا ہوں کہ بات آگے مت بڑھائیں، یہ پری گل کی نہیں، میری خواہش تھی اس لیے اپنے بیٹے کی خواہش سمجھ کر ہمیں معاف کر دیں اور اس رشتے کو قبول کر لیں۔'' زوار نے عاجزی سے زرنگار بیگم کے ہاتھ تھامے نرم لہجے میں کہا۔

''زوار..... دماغ تمہارا خراب ہوا ہے، آنکھوں پر پٹی تمہارے بندھ گئی ہے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت تم میں باقی نہیں رہی لیکن میں پورے ہوش و حواس میں ہوں..... آنکھیں کھول کر جیتی ہوں، اپنی حیثیت کو جانتی ہوں، میں اتنا نہیں گر سکتی جتنا کہ تم گر چکے ہو، تمہارا تو معیار ہی نہیں رہا مگر میں کسی صورت اس فضول اور بے جوڑ رشتے کو نہیں مان سکتی..... تمہاری بے وقوفی پر تمہیں معاف تو کر سکتی ہوں مگر اس دو کوڑی کی لڑکی کو بھی بھی اپنی بہو تسلیم نہیں کر سکتی چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے۔'' زرنگار بیگم غصے سے کانپ رہی ہیں۔

''مجھے اس کے وجود سے نفرت ہو گئی ہے، میں کہتی ہوں ابھی اور اس وقت اس کو طلاق دو..... میں تمہاری بھول سمجھ کر تمہیں تو معاف کر دوں گی مگر اس صورت میں کہ اس سے رشتہ ختم کر دو۔'' پری نے تڑپ کر سر اٹھا کر زرنگار بیگم کو دیکھا ان کے چہرے پر چٹانوں کی سی سختی تھی، پری گل نے زوار کی طرف دیکھا، آنکھوں سے آنسو رواں تھے، وہ کھڑی فیصلے کی منتظر تھی، اس سچویشن کا تو یقین تھا۔ اس نے آخر دم تک زوار کو باز رہنے کی تلقین کی تھی مگر زوار نے بھی ضد پکڑ لی تھی۔

''آئی ایم سوری مما..... یہ ناممکن ہے۔'' زوار کے ہاتھوں کی گرفت پری کے ہاتھوں پر مزید سخت ہوئی۔

''زوار یہ میرا حکم ہے اور تم میرے حکم کو ماننے سے انکار کر رہے ہو؟ اس لڑکی کی خاطر، میرے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو۔'' زرنگار بیگم گرجیں۔

''مما..... آپ میری جنت ہو، میرے لیے سب سے زیادہ قابل احترام ہستی ہو لیکن یہ بے گناہ اور معصوم لڑکی، میری بیوی ہے اور یہ فیصلہ میں نے کئی سالوں تک سوچنے سمجھنے کے بعد کیا ہے، مجھے اس پر کوئی شرمندگی یا ملال نہیں، یہ بھی ہم جیسی انسان ہے، فرق ہے تو صرف اتنا کہ اس نے مسائل، غربت اور افلاس میں جنم لیا ہے اور ہم سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئے ہیں، میری نظر میں انسان اور اس کے کردار کی اہمیت ہے، امیری غریبی کی نہیں، یہ پڑھی لکھی ہے، اچھی بھلی ہے، بہتر ہے کہ اس کو اس کے جائز رشتے کے حساب سے جائز مقام دیا جائے..... محض حیثیت کی بنا پر انسان کو پرکھنا، میرے نزدیک یہ غلط بات ہے مما..... یہ ریت رواج اور اونچ نیچ، ذات پات انسان کے بنائے ہوئے طور طریقے ہیں، مذہب میں ایسا کوئی تصور نہیں ہے۔''

''زوار تم کتنا بولنے لگے ہو..... شرم نہیں آتی مما کے سامنے زبان چلاتے ہوئے..... تم کو اندازہ بھی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ سوسائٹی میں ہمارا ایک مقام ہے، اسٹیٹس ہے ہمارا، لوگ کیسی کیسی باتیں بنائیں گے، ہمارے خلاف زہر اگلیں گے۔'' مختار نے آگے بڑھ کر غصے سے زوار کو مخاطب کیا۔

''بھائی میں نے کوئی گناہ یا غلط کام نہیں کیا، ایک بے سہارا لڑکی کو سہارا دیا ہے، ساری زندگی خوشیوں کو ترستی عورت اور اس کی بیٹی کے لیے کچھ اچھا سوچا ہے، ایک ایسی لڑکی کو سہارا دینے کی کوشش کی ہے جو اپنی زندگی سے ہی تنگ آ چکی تھی جو اپنے ہاتھوں سے موت کو گلے لگا رہی تھی۔'' زوار بدستور اسی پر اعتماد لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''ارے تم کیا ہو، تمہاری اوقات کیا ہے، کسی کو سہارا دینے کی سہارا تو ہم نے دیا روپیہ، پیسہ، کپڑا، چھت، در بدر بھٹکتی بے سہارا عورت کو تحفظ دیا، جینے کی امنگ دی اور آج ان احسانات کا بدلہ اس طرح ملا کہ اسی بدذات عورت نے ہمارے منہ پر کالک مل دی، یہ اس قابل نہیں تھی کہ جتنا ہم نے اسے سر پر چڑھا لیا تھا، یہ لوگ در در گھومنے والے خاک چھاننے والے ہوتے ہیں، ایک جگہ ٹک کر نہیں رہ سکتے..... دیکھ لینا ایک دن تمہیں بھی چکمہ دے کر بھاگ جائے گی یہ کم ذات بہتر یہی ہے کہ جو غلطی میں کر چکی ہوں وہ تم نہ کرو، ابھی اور اسی وقت اس سے چھٹکارا حاصل کر لو۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا، بات گھر تک ہی ہے..... اسے لات مارو یہ اس قابل نہیں کہ جس گھر میں ساری زندگی نوکرانی بن کر رہی اب اسی گھر کی مالکن بن جائے ابھی اور اسی وقت اسے طلاق دو۔'' شدت جذبات سے زرنگار بیگم کی آواز کانپ رہی تھی۔ ان کا پورا وجود لرز رہا تھا۔

''مما پلیز ایک بار..... صرف ایک بار ایک عورت بن کر سوچیں، ایک بار دل میں تھوڑی سی ہمدردی لائیں۔''

''بند کرو اپنی بکواس۔'' زرنگار بیگم گرجیں۔ ''اسی ہمدردی، اسی سوچ نے تو مجھے آج یہ دن دکھایا ہے کہ میرا بیٹا میرے سامنے کھڑا مجھ سے بحث کر رہا ہے، بکواس کر رہا ہے، طلاق دیتا ہے یا میں تجھے بھی اپنی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکال دوں۔''

''مما.....'' زوار نے کہنا چاہا۔

"زوار..... بند کر اپنی بکواس۔'' مختار پوری قوت سے چیخا۔ ''ایک لفظ بھی نکالا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔''

''آئی ایم سوری بھائی مگر میں پری کو طلاق نہیں دے سکتا۔'' زوار نے سر جھکا کر نرمی سے کہا۔

پری گل بری طرح لرز رہی تھی۔

''ٹھیک ہے پھر..... میرا فیصلہ بھی سن لے..... اس غلاظت کی پوٹلی کو لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میری نظروں سے دور ہو جا یہاں سے، میرا آج سے تجھ سے ہر رشتہ ختم..... نکل جا ابھی اور اسی وقت۔'' زرنگار بیگم انگلی اٹھا کر پوری قوت سے چلائیں۔

''مما..... مما..... پلیز۔'' زوار تڑپ کر آگے بڑھا۔

''ایک قدم بھی آگے مت بڑھانا اگر میرا حکم نہیں مانا تو میرے گھر میں رہنے کا بھی تمہیں کوئی حق نہیں ایک منٹ بھی تمہیں اور اس کو برداشت نہیں کر سکتی۔'' وہ گرجیں، پری گل بری طرح رونے لگی۔

سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے، حالات نہایت سنگین تھے۔ زوار نے ہاتھ جوڑتے ہوئے رحم طلب نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھا، زرنگار بیگم نے نفرت سے زوار اور پھر پری گل کو دیکھا اور زمین پر تھوکتے ہوئے غصے سے لال بھبھوکا چہرہ پھیر لیا۔ زوار کے چہرے پر بے تحاشہ اذیت، دکھ اور تاسف تھا..... اس نے آخری کوشش کے طور پر آگے بڑھ کر پری گل کا ہاتھ تھاما اور زرنگار بیگم کے قدموں میں بیٹھ گیا..... زرنگار بیگم نے شعلہ بار نگاہیں ان دونوں پر ڈالیں اور زوار کو ٹھوکر ماری۔

''اف.....'' زوار تڑپا۔ اتنی سختی، اتنا کٹھور انداز، پتھر میں بھی شاید دراڑ پڑ جاتی مگر زرنگار بیگم کسی پہاڑ کی طرح سخت مزاج تھیں، ان کے چہرے پر قطعیت اور جارحانہ پن تھا۔ ان کی آنکھوں میں نفرت، سفاکی نمایاں تھی۔

''پری گل اٹھو۔'' زوار کا انداز بھی بدل گیا تھا۔ اس نے پری گل کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما ''چلو میرے ساتھ۔''

''نہیں..... نہیں زوار اللہ کے واسطہ..... آپ کہیں مت جائیں، آپ مجھے طلاق دے دیں پلیز زوار..... میں، میں نے کتنا روکا تھا آپ کو مگر اب، اب یہاں سے کہیں نہیں جانا..... اللہ کے واسطے زوار۔'' وہ سارے معاملے میں پہلی بار بولی تھی۔ بے تحاشہ روتے ہوئے ہاتھ جوڑے زوار کے آگے

کھڑی تھی۔اس سے منتیں کر رہی تھی۔

''بس کر اپنی ڈرامے بازیاں، پہلے اپنی معصومیت کے حال میں میرے بیٹے کو پھنسایا اس پر مظلومیت کا جادو چلا کر اس کو قابو میں کر لیا اور اب سب کے سامنے ڈرامے کر رہی ہے..... یہ ناٹک کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہے تو بہت پارسا اور نیک پروین ہے، میں تیرا احسان مان کر تجھے معاف کر دوں گی، اپنی چلتر بازیاں اپنے پاس رکھ، یہ ہتھکنڈے، یہ معصومیت کا جادو، اس پر چلا جس پر چل سکتا ہے، مجھے تیری، اس منت سماجت کی خیرات نہیں چاہیے، نہ ہی ایسا نافرمان بیٹا جو ایک بے وقعت لڑکی کے لیے ماں کے سامنے کھڑا ہو جائے، بڑے بھائی کے سامنے زبان چلائے، ایسی تربیت تو نہیں کی تھی میں نے لعنت بھیجتی ہوں اس پر بھی اور تجھ پر بھی..... ابھی اور اسی وقت اپنا سامان سمیٹے اور میری نظروں سے دور جائے تجھ سمیت۔'' زرنگار بیگم فیصلہ سنا کر دندناتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں، زوار نے ٹھنڈی سانس بھر کر ان کو جاتا دیکھا، پلٹ کر مختار اور زرتاشہ پر نظر ڈالی، پتھر سے زیادہ سخت چہرے، نفرت اگلتی آنکھیں، کرختگی سے بھرا انداز، زوار نے پری گل کا ہاتھ پکڑ کر ٹھنے کا اشارہ کیا..... پری گل نے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''ٹھیک ہے، نہ صرف گھر سے بلکہ کاروبار سے بھی اب میرا کوئی واسطہ نہیں۔'' اور پھر وہ دونوں مرے مرے قدموں سے اپنے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے..... کچھ دیر بعد ہی مختصر سامان لیے، دونوں گیٹ سے باہر کی طرف نکل آئے..... نہ صرف گھر سے بلکہ گھر کے مکینوں کے دلوں سے بھی، اب دور دور تک کوئی تعلق باقی نہ رہا تھا..... پری گل مسلسل رو رہی تھی، زوار اپنی چیک بک لانا نہ بھولا تھا نہ کوئی منزل، نہ کوئی ٹھکانہ بس اللہ کا نام لے کر نکل تو آئے تھے مگر جانا کہاں ہے؟ اس بات کا علم نہ تھا۔۔۔

''زوار..... ہم کہاں جائیں گے؟'' پری گل نے روتے ہوئے پوچھا۔

''اللہ پاک ایک در بند کرتا ہے تو ستر کھول دیتا ہے، مجھے اس کی ذات پر پورا بھروسا ہے..... کچھ

نہ کچھ بندوبست ہو ہی جائے گا اگر نصیب میں یہی لکھا ہے تو ہر حال میں بھگتنا ہوگا۔'' زوار نے کہا۔

''زوار..... آپ نے بہت جلد بازی میں فیصلے کر لیے، میری خاطر کتنی بڑی مصیبت، کتنی پریشانی مول لی، میرا کیا تھا زندگی تو گزر رہی تھی جیسے تیسے گزر جاتی مگر آپ کو تو بچپن سے اچھی اور پرآسائش زندگی کی عادت ہے، آپ کیسے ایڈجسٹ کریں گے؟ آپ نے کاروبار سے بھی لاتعلقی کا اعلان کر دیا..... ہم کیا کریں گے۔ کہاں رہیں گے؟'' پری گل آنے والے حالات کو لے کر سخت خوف زدہ و پریشان تھی۔

''پریشان مت ہو پری گل، فی الحال ہوٹل چلتے ہیں..... میرا ایک دوست حیدر آباد میں رہتا ہے اس سے رابطہ کرتا ہوں، وہاں چلتے ہیں، اچھا دوست ہے میرا ضرور کوئی اچھا مشورہ دے گا، میرے پاس کچھ بینک بیلنس ہے آگے ان شاء اللہ بہتری ہوگی، بس حوصلے سے ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کی ہمت پیدا کرنا ہوگی تمہیں بہت بہادری سے میرا ساتھ دینا ہوگا پری گل۔ مضبوط قوت ارادی کے ساتھ۔'' زوار نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''زوار آپ کیسی بات کر رہے ہیں، آپ نے میری خاطر اتنا بڑا قدم اٹھایا، آسائشوں اور رشتوں کو چھوڑ آئے، میں تو ساری زندگی کے لیے آپ کی غلام بن کر رہوں گی۔ آپ نے مجھے خرید لیا ہے، میں کن لفظوں میں آپ کا شکریہ ادا کروں، میرے پاس تو وہ لفظ ہی نہیں، مجھ جیسی لڑکی کے لیے اتنا بڑا قدم اٹھایا۔'' پری گل کے لہجے میں زوار کے لیے بے پناہ عقیدت تھی۔

''چپ کرو پاگل لڑکی..... یہ دل کے معاملے ہیں۔'' زوار نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا، پری گل نے سر جھکا دیا۔

مسعود سے رابطہ تو ہو نہ پایا، وہ لوگ ایسے ہی بنا رابطے کے چل پڑے۔ ایڈریس تو زوار کو یاد تھا۔ وہ کالج نے زمانے میں کئی بار یہاں آیا تھا، اس کی فیملی سے بھی سلام دعا تھی، مسعود کی والدہ، والد اور

ایک چھوٹی بہن تھی سب لوگ زوار کو جانتے تھے اس لیے اس وقت زوار کو مسعود ہی نظر آیا جس سے وہ مل کر آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرتا گو کہ مسعود سے کافی عرصے سے رابطہ نہ تھا، وہ بھی کاروباری معاملات میں الجھ گیا تھا اور بھی والد کے فوت ہونے کے بعد کاروبار میں مصروف ہو کر رابطہ برقرار نہ رکھ سکا، رات ہوٹل میں گزار کر دوسرے دن دونوں نے حیدر آباد کے لیے گاڑی کی اور سفر پر روانہ ہو گئے، ایسا تو کبھی سوچا بھی نہ تھا زندگی میں بھی کیسے مقام آجاتے ہیں جو ہمارے وہم گمان میں بھی نہیں ہوتے، اچانک سے وہ سب کچھ ہماری زندگی میں شامل ہو جاتا ہے جو کچھ ہم فلموں، افسانوں اور ڈراموں میں دیکھتے ہیں، حیران کن اور ناقابل یقین حد تک وہ سب کچھ ہمیں جھیلنا پڑتا ہے۔

دو گھنٹے کے تھکا دینے والے سفر کے بعد وہ لوگ مسعود کے گھر پہنچے، دل کی عجیب حالت ہو رہی تھی، ایسا تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ یوں کسی سے پناہ مانگنے کی نوبت آئے گی اور در بدر ہونا پڑے گا۔ اطلاعی گھنٹی پر ہاتھ رکھتے ہوئے زوار مختلف سوچوں میں گھر ہوا تھا، دروازہ کسی عمر رسیدہ شخص نے کھولا تھا۔

''السلام علیکم!'' زوار نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام'' اس شخص نے سوالیہ نظروں سے زوار کی جانب دیکھا کاندھے پر چھوٹا سا بیگ لٹکائے ہاتھ میں ایک شاپر تھامے، ساتھ ہی ایک بیگ شولڈر سے لٹکائے فل چادر میں پری گل کھڑی تھی۔

''مسعود خالد گھر پر ہوں گے، مجھے ان سے ملنا ہے؟'' زوار نے ان کی مشکل حل کی۔

''مسعود تو یہ گھر فروخت کر کے یہاں سے جا چکے ہیں بیٹا، پچھلے تین سال سے ہم یہاں رہ رہے ہیں۔'' ان کی بات پر زوار یک دم پریشان ہوا۔

''اوہ..... کیا آپ بتا سکتے ہیں وہ کہاں گیا ہے؟''

''نہیں بیٹا مجھے تو علم نہیں ہے کہ وہ کہاں گیا، کاروبار شروع کیا تھا..... پتا چلا تھا کہ کاروبار میں نقصان ہونے پر یہ گھر فروخت کر کے کہیں کرایہ پر گھر لے لیا تھا۔'' انہوں نے تفصیل بتائی۔

''اوہو.....زوار کے چہرے کا رنگ بدلا.....مسعود کے حوالے سے ایک امید تھی سو وختم ہوگئی تھی۔

''اچھا انکل شکریہ۔'' زوار نے کہا اور ٹھنڈی سانس لے کر پلٹا، بڑے میاں دروازہ بند کر کے اندر جا چکے تھے۔

''یا اللہ اب کیا ہوگا؟'' پری گل نے فکرمندی سے کہا۔ دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے روڈ تک آئے، یہ متوسط طبقے کی آبادی تھی، زیادہ تر چھوٹے گھر تھے پری گل کو پیاس بھی لگ رہی تھی۔ قریب ہی چائے کا چھوٹا سا ہوٹل تھا، وہیں جنرل اسٹور پر کولڈ ڈرنک اور پانی کی بوتلیں دیکھ کر پری گل کو وہیں رکنے کا کہہ کر زوار اسٹور سے ٹھنڈا جوس لے آیا، قریب ہی ایک عمر رسیدہ آدمی کھڑا تھا۔

''بیٹا کسی کا پتا بھول گئے ہو کیا؟ کافی دیر سے تم کو یہاں دیکھ رہا ہوں۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

''جی چاچا جی.....دوست سے ملنے آیا تھا مگر وہ یہاں سے جا چکا ہے.....کراچی سے آئے ہیں اس لیے تھوڑے سے پریشان ہیں۔'' زوار نے کہا۔

''اگر رہائش کے لیے چھوٹا موٹا گھر چاہیے تو میں دے سکتا ہوں میرے گھر میں ایک کمرہ باہر کی طرف ہے.....غسل خانہ، باورچی خانہ اور برآمدہ بھی ہے چاہو تو وہاں رہ سکتے ہو۔'' اس وقت وہ بڑے میاں فرشتہ بن کر مدد کیلیے مل گئے تھے۔

''جی جی ضرور.....'' زوار نے برجستہ کہا۔

''آجاؤ۔'' انہوں نے اشارے سے کہا تو دونوں انکے پیچھے چل دیئے۔

''کافی دیر سے سوچ رہا تھا کہ تم سے پوچھوں مگر سوچا تم کو برا نہ لگ جائے.....سامان بھی ساتھ دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ تم لوگ اس شہر کے نہیں ہو بلکہ کہیں سے آئے ہو.....

میرے گھر میں، میں اور میری بیوی نجمہ رہتے ہیں، اولاد کوئی ہے نہیں، میں ریٹائرڈ آدمی ہوں،

پنشن سے گزارا نہیں ہوتا تو ایک کمرہ کرائے پر چڑھا دیتا ہوں.....اب ایک ماہ پہلے پرانے کرائے دار چھوڑ کر چلے گئے، مجھے بھی ضرورت تھی، چلو تمہارا بھی کام چل جائے گا اور ہمارا بھی، اور میری گھر والی کا دل بھی لگ جائے گا۔'' مختصر سا راستہ تھا اس میں بڑے میاں اپنے حوالے سے ہی باتیں کرتے رہے، محسوس ہو رہا تھا کہ بڑے میاں بڑے باتونی ہیں لیکن ان کو اس سے کیا مطلب تھا.....اجنبی جگہ، اجنبی محلّہ اس میں کوئی ہمدرد مل گیا یہی غنیمت تھا، عبدالکریم چاچا اپنے گھر تک آئے ہلکے دھکے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے پھر پلٹ کر زوار کی طرف دیکھا۔

''آجاؤ بیٹا.....اندر آجاؤ۔'' ہچکچاتے ہوئے زوار اور اس کے پیچھے پری گل اندر داخل ہوئے۔ کھلا صحن تھا، سامنے چارپائی پر ایک خاتون بیٹھی کچھ کڑھائی کر رہی تھیں عمر پچاس باون سال کی ہوگی۔

''دیکھو نجمہ بیگم، کرائے دار پکڑ لایا ہوں۔'' عبدالکریم نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ نجمہ بیگم نے ان کی آواز پر چونک کر دیکھا تو سامنے اسمارٹ سا خوبرو لڑکا اور ساتھ مکمل طور پر چادر میں ڈھکی پری گل کھڑی تھی۔

''آجاؤ.....آجاؤ بچو، گھبرانے کی ضرورت نہیں۔'' عبدالکریم چاچا نے ایک بار پھر کہا۔

''السلام علیکم!'' دونوں نے نجمہ بیگم کو سلام کیا۔

''علیکم السلام! بسمہ اللہ جی آؤ، آؤ چلو تمہارے آنے سے ہمارے گھر میں بھی کچھ رونق ہو جائے گی۔ کب سے سناٹا ہے گھر میں۔'' نجمہ بیگم نے ہاتھ سے کپڑا اور سوئی دھاگہ چارپائی پر ایک طرف رکھتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''دیکھو بچو، ہم دونوں اکیلے رہتے ہیں، کبھی کوئی کرائے دار آجائے تو رونق لگ جاتی ہے پھر وہ چلے جائیں تو ہم دونوں اکیلے ہی رہ جاتے ہیں، تمہیں یہاں پر کوئی مسئلہ نہیں ہوگا، بس بجلی گیس کے بل وقت پر جمع کرانے ہوں گے اگر سمجھ میں آئے تو گھر دیکھ لو ویسے تم لوگ کہاں سے آئے ہو اور کتنے عرصے

رہنے کا ارادہ ہے؟'' نجمہ بیگم نے دونوں کو چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ دونوں بیٹھ گئے تو پھر سوال کیا۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ تم دونوں گھر سے بھاگ کر آئے ہو..... کل کو ہمارے سر پر کوئی مصیبت آ جائے، بھیا پولیس تھانے سے ہمیں بڑا ڈر لگتا ہے، جو بھی بات ہو صاف بتا دو..... جھوٹ نہیں چلے گا۔''

اس بار نجمہ بیگم نے بڑے پتے کی بات کی کیونکہ دونوں اس وقت اس حوالے سے کچھ مشکوک ہی لگ رہے تھے، خوب صورت جوان اور مختصر سے سامان کے ساتھ..... ویسے بھی حالات آج کل اتنے خراب تھے کسی پر یوں اعتماد کر لینا بھی بعد میں پریشانی کا سبب بن سکتا تھا، اس لیے نجمہ بیگم نے گہری نظروں سے دونوں کا جائزہ لیتے ہوئے کریدا۔

''نہیں نہیں چاچی ایسی بات نہیں، ہاں ہم لوگ گھر سے تو نکلے ہیں مگر بھاگ کر یا چھپ کر نہیں۔'' زوار نے فوراً ہی ان کی بات کا جواب دے کر ان کے خدشات دور کرنے کی کوشش کی۔

''ہم بھی آپ سے کچھ جھوٹ نہیں بولیں گے چاچی، ہم بہت پریشان اور حالات کے مارے ہوئے ہیں، ہر بات آپ کو سچ سچ بتائیں گے، ہم خود آپ کو سب بتانے والے تھے۔'' زوار نے اپنی بات جاری رکھی اور سب کچھ لفظ بہ لفظ سنا دیا کہ کس طرح گھر سے بے دخل کر دیا گیا اور وہ لوگ کن حالات میں گھر سے نکلے اور یہاں اپنے دوست کے پاس آئے مگر وہ بھی نہیں ملا اور پھر ان کو عبدالکریم چاچا ملے۔ نجمہ بیگم کو ان کی کہانی سن کر دونوں پر بہت ترس آیا، خاص طور پر پری گل کے بارے میں سن کر بہت دکھ ہوا، انہوں نے پری گل کو سینے سے لگا کر یقین دلایا۔

''یہاں میری بیٹی کی طرح رہنا، اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹی اور تجھے ماں سے ملا دیا ہے۔ اللہ کا نام لے کر اور اللہ پر بھروسا رکھ کر اپنی زندگی کی شروعات کرو..... اللہ پاک خود بخود راستہ بنائے گا، جب تک یہاں رہنا ہے تم لوگ رہ سکتے ہوں۔'' زوار اور پری گل نے اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا، واقعی اللہ پاک ایک راستہ بند کرتا ہے تو ستر در کھول دیتا ہے۔ گھر سے نکلتے وقت کتنے پریشان تھے پھر یہ سن کر کہ

مسعود گھر بیچ کر جا چکا ہے ایک دم ہی سخت پریشانی کا شکار ہو گئے تھے..... ایسے میں عبدالکریم چاچا کسی فرشتے کی طرح مل گئے اور سب سے بڑا مسئلہ جو رہائش کا تھا وہ یوں جھٹ حل ہو گیا، چھوٹا سا کمرہ ملحق کچن، چھوٹا سا برآمدہ اور غسل خانے پر مشتمل یہ گھر ان کے لیے اس وقت کسی نعمت سے کم نہ تھا، مناسب کرائے کے ساتھ لیکن گھر گرہستی کے لیے تو بہت سارا سامان درکار تھا، صرف چند جوڑے کپڑے، موبائل کچھ پیسے اور چیک بک ہی لے کر نکلے تھے ساتھ ہی رشتہ ختم ہو جانے کا بے تحاشہ دکھ تھا یہاں آ کر کچھ فکر کم ہوئی تھی۔ عبدالکریم چاچا اور نجمہ چاچی کی پرخلوص باتوں سے کافی تشفی ہوئی تھی۔

اس رات زمین پر دری چادر بچھائے نجمہ چاچی کے دیئے ہوئے تکیوں پر لیٹے تو پری کو بے تحاشہ رونا آ گیا۔

''زوار آئی ایم سوری، آپ تو کبھی زمین پر بیٹھے بھی نہیں لیکن آج..... آج میری وجہ سے آپ کو زمین پر سونا پڑ رہا ہے، آپ نے میرے لیے کیا کچھ برداشت کیا اور نہ جانے آگے کیا کیا برداشت کرنا ہوگا، میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں..... آپ مجھ جیسی لڑکی کے لیے آرام، آسائشات، دولت اور حتیٰ کہ اپنے خونی رشتوں کو بھی چھوڑ کر ایسی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے ہیں، نہ میرے پاس الفاظ ہیں اور نہ ہی وہ جذبات.....''

''اوہو پری گل، یہ سب فارمیلٹی کی ضرورت نہیں، میں نے میں سب کچھ اپنی مرضی اور خواہش کے تحت کیا ہے..... بے شک رشتوں کے چھوٹنے کا دکھ اپنی جگہ مگر جہاں تک آرام، آسائش اور روپے پیسے کی بات ہے تو ہر کسی کے نصیب میں تو یہ سب نہیں ہوتا..... لوگ کس کس طرح کے مسائل سے گزر کر، کیسے کیسے حالات کا سامنا کر کے زندگی کی گاڑی کو گھسیٹ رہے ہیں کسی کو تو دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں تو امیری غریبی کو لے کر میرے سامنے کوئی ایشو نہیں، میں ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں، ہاں تم کو ہر حال میں میرے قدم سے قدم ملا کر چلنا ہوگا..... کبھی ہمت اور حوصلہ نہیں ہارنا، جب ہم

نے نئے سفر کا آغاز کر ہی دیا ہے، اب وہ کسی بھی طرح سے کیا مگر اس سفر کو ہم نے اپنی محبت، محنت، خلوص، ہمت اور حوصلے کے ساتھ طے کرنا ہے، کبھی بھی ہمت نہیں ہارنی، ابھی تو شروعات ہیں، آگے پتا نہیں کیسے حالات ہوں، ہمیں ہر قسم کے حالات کے لیے تیار رہنا ہے، ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ، اللہ پر بھروسے اور یقین کے ساتھ کبھی بھی کسی وقت حوصلے کو پست نہیں کرنا..... کبھی اگر میں کمزور پڑنے لگوں تو اس وقت تم میری طاقت بننا اور کبھی اگر تم پریشان ہوگی تو میں اپنے تمہیں مضبوط بازوؤں کے حصار میں لے کر تمہاری ساری پریشانیاں سمیٹ لوں گا، تمہاری طاقت بن کر تمہیں نیا حوصلہ دوں گا ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں؟'' زوار نے لمبی بات کر کے اس سے تصدیق چاہی۔

''ان شاء اللہ تعالیٰ زوار آپ کے لیے میں حوصلہ بھی بنوں گی اور ہمت بھی، ہم دونوں مل کر زندگی کو حسین بنانے کی کوشش کریں گے ابھی تو مشکل ہے مگر ان شاء اللہ آگے ان مشکلات میں بھی آسانیاں ڈھونڈ لیں گے۔'' پری گل نے پرعزم لہجے میں کہا تو زوار نے آگے بڑھ کر اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔

زوار کی مضبوط بانہوں میں آ کر پری گل کے اندر تک سکون اور تحفظ کا احساس اتر گیا تھا۔

جھلمل ستاروں کا آنگن ہوگا
رم جھم برستا ساون ہوگا
ایسا سندر سپنا اپنا جیون ہوگا
پریم کی گلی میں ایک چھوٹا سا گھر بنائیں گے
کلیاں نہ ملی تو نہ سہی، کانٹوں سے سجائیں گے
بگیا سا سے سندر جوبن ہوگا
رم جھم برستا ساون ہوگا
تیری آنکھوں سے سارا سنسار میں نبھاؤں گی

دیکھوں گی اس پار یا اس پار میں دیکھوں گی
نینوں کو تیرا ہی درشن ہوگا
رم جھم برستا ساون ہوگا
پھر تو مست ہواؤں کے ہم جھونکے بن جائیں گے
یہاں سندر سپنوں کے جھروکے بن جائیں گے
من آشاؤں کا درپن ہوگا
رم جھم برستا ساون ہوگا

اس رات کا کھانا بھی نجمہ چاچی کی طرف سے تھا اور ناشتہ بھی انہوں نے خود ہی بنایا تھا جبکہ زوار کا ارادہ تھا کہ ناشتہ باہر سے لے آئے گا مگر عبدالکریم چاچا صبح ہی صبح کہہ گئے تھے۔

''ناشتہ بھی تمہاری چاچی کی طرف سے ہے پھر بے شک تم لوگ اپنا انتظام کر لینا۔ ابھی تو گھر میں نہ برتن تھے نہ چولہا اور نہ دیگر ضروریات کا سامان، اس لیے پری گل چپ ہوگئی۔ وہ دونوں ناشتہ کرنے آگئے۔ چھوٹے سے برآمدے میں صاف ستھری دری پر دستر خوان لگا ہوا تھا۔ پراٹھے، انڈوں کا آملیٹ، رات کا بچا ہوا سالن اور اچار ناشتے کے لیے دستر خوان پر سجے ہوئے تھے۔ ناشتے کے بعد گرما گرم چائے سے مزا آگیا..... پری گل نے ناشتے کے برتن سمیٹے۔

''ارے بیٹی رہنے دو مجھے عادت ہے میں سمیٹ لوں گی۔'' نجمہ چاچی نے منع کیا۔

''نہیں چاچی مجھے اچھا نہیں لگ رہا کہ میرے سامنے آپ یوں کام کریں بلکہ آج کا لنچ بھی میں بناؤں گی، آپ لوگوں کے لیے۔'' پری گل نے ان کے منع کرنے کے باوجود برتن سمیٹ کر ٹرے میں رکھتے ہوئے کہا تو نجمہ بیگم پیار سے اسے دیکھنے لگیں۔

''لو بھئی بیگم تمہارے کام کرنے کے لیے اللہ پاک نے اس عمر میں بیٹی بھیج دی، بڑی خوشی کی

بات ہے یہ تو۔" عبدالکریم نے مسکراتے ہوئے پہلے بیوی پھر پری گل کو دیکھا۔

"چاچا جی آپ فکر نہ کریں، آپ کے کام کرنے کے لیے میں آ گیا ہوں، سودا سلف لانا اب میری ذمے داری ہے۔" زوار نے مسکراتے ہوئے برجستہ کہا تو عبدالکریم زور سے ہنس دیئے، نجمہ بیگم کی آنکھیں نم ہوئیں۔

"اللہ پاک تم کو اس کا اجر عطا فرمائے بچو۔"

"آمین ثم آمین۔" پہلے عبدالکریم پھر زوار نے کہا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر زوار اور پری گل گھر کی قریب والی چھوٹی سی مارکیٹ چلے آئے، مارکیٹ چھوٹی تھی مگر ضرورت کا سارا سامان موجود تھا، پہلے تو کچن کے حوالے سے چیزیں درکار تھیں..... چولہا، پتیلیاں، ساس پین، پلیٹیں، چائے کے مگ، گلاس، چمچے، بالٹی، مگ، توا، فرائی پین لینے پر آئے تو ڈھیر ساری چیزیں ضرورت بن کر سامنے آتی چلی گئیں اور پری گل لسٹ دیکھ کر گھبرا رہی تھی کہ رقم تو کافی اوپر خرچ ہو رہی تھی۔

"فکر کیوں کرتی ہو پری، اللہ پاک بہتر کرنے والا ہے..... ان شاء اللہ یہ وقت بھی اچھے سے گزر جائے گا۔" پری گل کے فکر مند چہرے کی طرف دیکھ کر زوار نے پیار سے کہا تو پری گل پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"بالکل، اللہ پاک کے سہارے تو اس منزل کی طرف چل پڑے ہیں، وہی راستے ہموار کر دے گا۔ پری گل کے لہجے میں اعتماد تھا، ضرورت کی اشیاء سے لدے پھندے دونوں سہ پہر ڈھلے گھر واپس آئے، رات تک پری گل نے چھوٹے سے کچن کو سنوار و سجا لیا تھا ہر چیز سلیقے اور قرینے سے رکھی، گھر بھی جھاڑ پونچھ کر صاف ستھرا کر لیا تھا۔

کہتے ہیں مٹی کی بنی جھونپڑی کو بھی اگر سجایا، سنوارا جائے تو وہ خوب صورت لگنے لگتی ہے، اصل خوب صورتی اور رونق تو اس میں آباد لوگوں سے ہوتی ہے اگر بڑے سے بڑے آراستہ، آسائشات سے

مزین عالیشان کوٹھیوں میں رہنے والے نہ ہوں یا ہوں تو اپنے آپ میں مگن، ایک دوسرے سے لاتعلق، دلوں میں کینہ اور نفرت رکھنے والے تو ان سجی سنوری اور عالیشان کوٹھیوں میں اداسی، ویرانی اور وحشت کا راج ہوتا ہے اور اگر مختصر سی جھونپڑی میں بسنے والوں میں آپس میں پیار، ہم آہنگی، خلوص اور ایک دوسرے کا خیال رکھنے کا جذبہ ہو تو وہ جھونپڑی بھی کسی عالیشان محل سے کم نہیں ہوتی، ساری بات تو دلوں کی کیفیت سے تعلق رکھتی ہیں، یہی حال اس وقت زوار کا تھا..... ساری زندگی عالیشان گھر میں، اے سی کمرہ، اے سی گاڑی اور عیش و عشرت میں گزار کر اب ایک کمرے کے اس چھوٹے سے گھر میں آ کر اسے کوئی وملال یا پچھتاوا نہ تھا بلکہ آج اسے اپنا یہ چھوٹا سا آشیانہ بڑا پرسکون اور خوب صورت لگ رہا تھا جہاں وہ پری گل کے ساتھ زندگی کے نئے سفر کا آغاز کر چکا تھا..... نہ جانے آگے کیا ہونے والا تھا؟ اس بات کی بھی کوئی خبر نہ تھی۔

''بیٹا ایک بات کہوں اگر تمہیں برا نہ لگے تو؟'' نجمہ چاچی نے زوار سے کہا۔

''جی چاچی ضرور'' زوار نے سعادت مندی سے کہا۔

''اس طرح سے اتنے بڑے کاروبار سے لاتعلق ہو کر نکل آنا کیا یہ ٹھیک بات ہے؟ اس کاروبار میں تمہارا بھی برابر کا حصہ ہے..... تم نے جذبات میں آ کر کہیں غلط فیصلہ تو نہیں کر دیا تم اپنا حق وصول کر سکتے ہو؟'' نجمہ چاچی نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''چاچی آپ کی بات اپنی جگہ درست مگر جب میری ماں نے مجھے اپنی زندگی سے بے دخل کر دیا، میرے بھائی نے مجھ سے رشتہ ختم کر دیا تو..... تو میں کس منہ سے کاروبار میں مداخلت کروں؟ بے شک مجھے کچھ پریشانیاں تو ہوں گی مگر جلد ہی کچھ نہ کچھ کر لوں گا، کوئی نوکری مل سکتی ہے مجھے اور پھر خوشی، غم، پریشانی، راحت، آرام، دکھ، ہنسی یہ سب تو زندگی کا حصہ ہیں چاچی..... یہی تو زندگی ہے کہ انسان ہر قسم کے تجربات سے گزرے، ایسے حالات میں ہی اندازہ ہوتا ہے، پریشانیوں، مصائب اور دشواریوں کی

قدر ہوتی ہے زندگی کی نعمتوں کی..... ہمت، حوصلہ اور لگن بڑھ جاتی ہے، آزمائشیں تو زندگی کے چہرے کو نکھارتی ہیں، آزمائشوں کے کڑے سفر سے گزر کر ہی انسان تپ کر کندن بنتا ہے، مجھ پر بھی وقتی آزمائش ضرور آئی ہے مگر پری گل کا ساتھ، ہمت اور حوصلے سے ہم دونوں مل کر ان شاء اللہ تعالی یہ کڑا امتحان پاس کرلیں گے۔" زوار کا پر اعتماد لہجہ پری گل میں نیا حوصلہ پیدا کرنے کے لیے کافی تھا۔

ابھی کٹھنائیاں ہوں گی
ذرا رسوائیاں ہوں گی
محبت کے سفر میں اب
بہت دشواریاں ہوں گی
بہت سے خار بھی ہوں گے
بہت آزار بھی ہوں گے
مگر وعدہ ہے یہ تم سے
انہی رستوں پر ہم چل کے
نئی بستی بسائیں گے
وفا سے گھر سجائیں گے
نہ شکوہ لب پہ آئے گا
نہ کوئی التجا ہوگی
ہمیں امید ہے جاناں
محبت آسرا ہوگی
تمہارا ساتھ جو ہوگا

نہ کوئی اور چاہ ہوگی
نئی دنیا بسائیں گے
خواہشوں کے گھروندے کو محبت سے سجائیں گے
ہمیں اتنا یقین تو ہے
تمہارا ساتھ جو ہوگا
ہر اک مشکل کو بھی ہم ہنسی میں اڑائیں گے
ہمارے ہاتھ کو تھامو
تم اپنا ساتھ یوں بانٹو
ہمیں سب کچھ گوارا ہے
تمہارے ساتھ کی خاطر
تمہارے ہاتھ کی خاطر

☆.....☆.....☆

"آپ کو یاد ہوگا مما، ایک بار مما نے آپ کو کہا بھی تھا کہ ایسے لوگ اعتبار کے قابل نہیں ہوتے، اس کی ماں کے حوالے سے بات کی تھی تب آپ نے کتنے یقین سے کہا تھا کہ یہ لوگ ایسے نہیں، میری مرحومہ مما کتنی دور اندیش تھیں، نہوں نے کچھ نہ کچھ تو دیکھا ہوگا ناں، اس سے بڑا صدمہ اور کیا ہوگا کہ آپ کا بیٹا ایک نوکرانی کی بیٹی کے لیے، آپ کو چھوڑ گیا، مما برسوں تک آپ نے جس کی پرورش کی، اس نے کتنی آسانی سے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا..... میں تو اس وقت سے اس فتنہ لڑکی کے خلاف ہوں جب یہ بھی بچی تھی اور ہم بھی بچے تھے مگر اس کی حرکتیں میں اس وقت سے نوٹ کرتی رہی تھی، آپ نے کبھی بھی ہماری بات کو سیریس لیا ہی نہیں، دیکھا ناں انجام کیا ہوا..... آپ کا بیٹا نہ صرف آپ کے گھر

سے بلکہ۔ آپ کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکل گیا ساری آسائشوں کو ٹھوکر مار کر، اپنی اچھی بھلی زندگی کو چھوڑ کر۔ اتنے بڑے کاروبار سے کنارہ کش ہو گیا..... وہ بھی ایک۔ معمولی لڑکی کے لیے۔"

زرتاشہ کو تو جب موقع ملتا تھا وقتاً فوقتاً ساس کو شرمندہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی، بار باران کو احساس دلاتی کہ غلطی ان کی ہے، انہوں نے ایک نوکرانی کو اتنی اہمیت دے کر دنیا کی سب سے بڑی غلطی کی..... زرنگار بیگم جو پہلے ہی بیٹے کی طرف سے دلبرداشتہ تھیں وہ مزید آگ بگولا ہو جاتیں، انہیں قطعی امید نہ تھی کہ زوار جیسا فرماں بردار اور نیک سیرت بیٹا یوں اتنی آسانی سے ان کو چھوڑ کر چلا جائے گا، ویسے بھی آج زرنگار بیگم کو شدت سے زوار کی یاد آ رہی تھی، آج اس کی سالگرہ تھی، بچپن سے ہی زوار اپنی سالگرہ پر بنا کہے، خود آ کر ان کے گلے لگ جاتا اور مسکرا کر کہتا تھا۔

"مما..... ہیپی برتھ ڈے ٹو می۔" زرنگار بیگم کبھی کبھی بھول بھی جاتیں، اس کے اس طرح سے یاد دلانے پر اسے سینے سے لگا کر چوم لیتیں۔

"ہیپی برتھ ڈے میری زندگی..... آئی ایم سوری بیٹا۔ میں بھول گئی۔"

"ارے نہیں مما پلیز، سوری کیوں؟" وہ مسکرا کر گلے میں بانہیں ڈال دیتا۔ نرم مزاج، صلح جو اور سنجیدہ سو بر ہمیشہ سے وہ زرنگار بیگم کے قریب رہا، پڑھائی سے لے کر شاپنگ تک وہ زرنگار بیگم کی مرضی سے کرتا تھا، ان کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا، معمولی معمولی بات ان سے شیئر کرتا جبکہ مختار ہمیشہ سے اپنی پسند کے کام کرتا، اپنی مرضی چلاتا کسی کام میں مشورہ نہ لیتا، بس فیصلہ سناتا زرتاشہ بھی اس کی پسند تھی..... زوار نے تو اس بات کا حق بھی زرنگار بیگم کو دے رکھا تھا کہ مما آپ کی پسند کی لڑکی میری دلہن بنے گی مگر کب، کیسے اور کس طرح اتنا سب کچھ ہو گیا..... زرنگار بیگم کی ناک کے نیچے کب سے یہ کھیل چل رہا تھا ان کو کانوں کان خبر نہ ہوئی..... اتنا بڑا قدم اٹھاتے وقت زوار کو ایک لمحے کے لیے بھی ماں کا خیال نہ آیا، اس طرح پری گل بھی زرنگار بیگم کا بہت خیال رکھتی وہ بیمار ہوتیں تو ان کی پٹی سی لگی رہتی، نگین سے زیادہ

ان کا خیال رکھتی مگر اچانک سے سب کچھ ختم ہو گیا تھا..... زرنگار بیگم پر ہر وقت جھنجلاہٹ سوار رہنے لگی تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ زرتاشہ کی گود میں بیٹا آ گیا تھا۔ نگین اپنے شوہر کے ساتھ بیرون ملک مقیم تھی۔ زرنگار بیگم خود کو تنہا محسوس کرنے لگی تھیں، زرتاشہ بھی بچے میں مصروف رہتی، مختار کاروبار کو لے کر ہمیشہ ہی پریشانی اور جھنجلاہٹ کا شکار رہتا، وہ لاابالی شخص تھا، اب ذمہ داری پڑی تو اس کی پریشانی لازمی تھی..... زرنگار بیگم جب زیادہ اکیلا پن محسوس کرتی نگین سے کال پر بات کر لیتیں کبھی نگین بات کر لیتی کبھی وہ مصروف ہوتی..... شوہر گھر پر ہوتا تو وہ ٹائم نہیں دے پاتی، آج بھی زرتاشہ بیگم نے نگین کو کال کی مگر اس نے ریسیو کر کے بس سلام دعا کے بعد یہ کہہ کر کال کاٹ دی۔

"ہاسپٹل جاتا ہے پھر بات کروں گی۔" زرتاشہ بیگم نے کال بند کی ٹہلتے ہوئے ایک لمحے کے لیے زوار کے بند قفل زدہ کمرے کے آگے ٹھہریں اور پھر تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

"مما بھئی باسم کو سنبھالیں ایک گھنٹہ ہو گیا ہے سلانے کی کوشش کر رہی ہوں سو کر ہی نہیں دے رہا، تنگ کر کے رکھ دیا ہے اس نے تو۔" زرنگار بیگم اپنے بیڈ پر بیٹھی ہی تھیں پیچھے سے چڑچڑ کرتی جھنجلاتی ہوئی زرتاشہ آ گئی اور باقاعدہ گود میں باسم کو پھینکتے ہوئے جھنجلا کر کہا۔ زرنگار بیگم نے بڑھ کر پوتے کو گود میں لیتے ہوئے اسے دیکھا، ایک لمحے کے لیے باسم میں زوار کی جھلک نظر آئی..... ویسی ہی بڑی بڑی براؤن آنکھیں، کھڑی ناک اور کشادہ پیشانی، زرنگار بیگم کا دل چاہا کہ باسم کو گود سے اتار کر زمین پر پٹخ دیں لیکن دوسرے لمحے باسم کے چہرے کی مسکراہٹ ہمکنا، دیکھ کر انہوں نے اپنا سر جھٹکا۔

"زرتاشہ اسے لے جاؤ، مجھے نماز پڑھنی ہے۔ ٹائم نکلا جا رہا ہے، اب یہ چپ ہو گیا ہے۔" انہوں نے زرتاشہ کو آواز دی تب ہی مختار آ گیا۔

"السلام علیکم مما، کیسی ہیں؟" دروازے کے باہر سے ہی سلام کیا، بس یہی دو جملے تھے جو مختار کی طرف سے زرنگار بیگم کو سننے کو ملتے، باقی وقت تو صرف اور صرف کاروباری مسائل، خسارہ، پریشانی اور

نقصان کا رونا ہی روتا رہتا۔

''لگتا ہے کہ سارے لوگ ہی مفاد پرست ہیں، ہر کوئی اپنے مفاد میں پڑا ہوا ہے، کوئی کاروبار کو سیریس نہیں لیتا۔ محنت سے کام نہیں کرتا، اب غیروں سے بھلا کیا شکوہ کرنا جب ہمارے خون نے ہی ہم سے وفا نہ کی تو دوسروں پر بھروسا کر کے نقصان ہی اٹھانا ہوگا..... جب کاروبار خسارے کی طرف جانے لگا تو محترم چھوڑ چھاڑ کر بھاگ گئے۔'' ساری تان آ کر زوار پر ہی ٹوٹتی،، مختار کے پاس اور کوئی موضوع ہی نہ ہوتا بات کرنے کو۔

''مختار، ایسی بات تو نہیں تھی..... کاروبار تو بہت بہترین حالت میں تھا، یہ مسائل تو کچھ ماہ سے پیدا ہوئے ہیں اس سے پہلے تو سب کچھ اچھا چل رہا تھا۔'' زرنگار بیگم کو اتنا اندازہ تو تھا کہ کاروبار کی حالت کب سے ابتر ہوئی ہے۔

''چھوڑیں مما، آپ کو کیا پتا کاروباری جھگڑے میں کتنی پنچائیت ہوتی ہے، اکیلا کیا کیا کروں گا میں۔۔۔ دماغ خراب ہو جاتا ہے میرا تو۔'' مختار نے تپے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے ماں کی جانب دیکھا، زرنگار بیگم نے مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا، نگین نے کال پر بتایا تھا کہ وہ پاکستان آنے والی ہے۔ زرنگار بیگم نے سنا تو خوش ہو گئیں۔ نگین کے آ جانے سے کچھ ہلچل ہو جاتی، نگین بھی زوار اور پری گل سے سخت نالاں تھی، اس کا نام تک سننے کو تیار نہیں تھی، سب سے بڑا صدمہ تو اسے یہی تھا کہ زوار نے نگین کو سسرال میں ذلیل کر کے رکھ دیا، شوہر کے سامنے شرمندہ ہو کر رہ گئی تھی کہ بھائی نے نوکرانی سے شادی کر لی اور گھر سے چلا بھی گیا۔ نگین کا خیال تھا کہ اپنے سسرال سے ہی اپنی چھوٹی بھابی پسند کر لے، اس سلسلے میں ماں بیٹی نے ایک لڑکی کو پسند بھی کیا تھا لیکن زوار نے یہ موقع ہی نہیں دیا، یہ بات نگین کے لیے سبکی کا باعث تھی۔

☆.....☆.....☆

نجمہ بیگم کو جب پتا چلا کہ پری گل اچھی سلائی کر لیتی ہے تو وہ بہت خوش ہوئیں، وہ جس علاقے میں تھیں وہاں درزیوں کے پاس بہت کم لوگ جاتے تھے، خواتین گھریلو سلائی کرنے والی خواتین سے ہی کپڑے سلواتیں، شادی بیاہ کے کپڑے بھی گھروں میں سلتے، نجمہ بیگم نے پری گل کے ہاتھ کی صفائی اور مہارت دیکھی تو انہوں نے اسٹور روم میں رکھی اپنی پرانی مشین نکالی اور جھاڑ پونچھ کر آئلنگ کر کے اسے پھر سے فعال بنا دیا، کسی زمانے میں نجمہ بیگم بھی اچھی سلائی کر لیتی تھیں لیکن اب آنکھوں کی کمزوری کی وجہ سے مدت سے سلائی چھوڑ چکی تھیں، جب پری گل نے ان کے سامنے ذکر کیا کہ وہ اچھی سلائی کر لیتی ہے، اگر مزدوری کے کپڑے مل جائیں تو وہ گھر بیٹھے سلائی کر کے زوار کا ہاتھ بٹا سکتی ہے، فی الحال زوار بھی بے روزگار ہی تھا جمع پونجی آخر کب تک چلتی، اخراجات تو ختم نہیں ہوتے، نجمہ بیگم نے محلے والی خواتین سے سلائی جمع کرنی شروع کر دی تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں کافی اچھا رسپانس ملا ساتھ ہی زوار کو بھی ایک کمپنی میں جاب مل گئی..... شکر اللہ کا کہ حالات میں بہتری آ رہی تھی..... اب گھر کے اخراجات کے ساتھ ساتھ کچھ رقم پری گل پس انداز بھی کر رہی تھی، محلے والے بھی اچھے اور ہمدرد تھے گو کہ ان کو تمام حالات کا علم نہیں تھا نہ ہی نجمہ چاچی نے تفصیل بتائی تھی، پری گل کا حسن اخلاق، زوار کی شرافت، ہر ایک سے ادب سے ملنا، نماز باجماعت کی ادائیگی اور سر جھکا کر آنا جانا۔ کچھ ہی دنوں میں محلے والے پری گل اور زوار کے اخلاق کے گرویدہ ہو گئے تھے، گو کہ زندگی میں جو کمی تھی وہ برقرار تھی مگر بظاہر زندگی میں ایک ٹھہراؤ سا آ گیا تھا..... سال بھر سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا تھا اور اس عرصے میں پری گل نے نجمہ چاچی اور عبدالکریم چاچا کا دل جیت لیا تھا، بالکل ایک بیٹی کی طرح ان دونوں کا خیال رکھتی، نجمہ بیگم کی ذرا سی بھی طبیعت خراب ہوتی فوراً ان کو لے کر ہسپتال جاتی ان کو کام کرنے نہیں دیتی تھی، وقت پر کھانا خود پکا کر لاتی اور اپنے سامنے کھلا کر ان کو دوا دیتی اور جاتے ہوئے تاکید کرتی کہ آپ بالکل بھی نہیں اٹھیں گی جب تک طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہو جاتی..... برتن دھو کر..... گھر کی صفائی بھی

کر دیتی..... عبدالکریم چاچا ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیتے۔ نجمہ بیگم کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو آ جاتے، ساری زندگی ان کو بے اولادی کی کسک نے مارا..... وہ کبھی کبھی جائے نماز پر بیٹھ کر اپنے رب سے شکوہ بھی کر جاتیں۔

''تیرے خزانے سے میری جھولی میں کوئی پھول دے دیتا تو تجھے کون سی کمی آ جاتی، میرے آنگن میں بھی رونق ہو جاتی۔'' پھر وہ خود ہی توبہ کر لیتیں..... ''اللہ پاک مجھے معاف کر دے..... نہ جانے کیا کیا سوچنے لگتی ہوں..... تیرے راز تو ہی جانے۔'' اور اب جب سے پری گل اور زواران کی زندگی میں آئے تھے تب سے وہ اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتیں کہ عمر کے اس حصے میں اللہ پاک نے پری گل اور زوار کی صورت میں انہیں اولاد جیسی نعمت عطا کر دی تھی جو بالکل بچوں کی طرح ان کا خیال رکھتے، نجمہ بیگم شدت جذبات سے آبدیدہ ہو جاتیں، پری گل کو سینے سے لگا کر دعائیں دینے لگتیں۔ ''اللہ پاک ان کی پریشانیاں دور فرما، ان دونوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنا، ان کے لیے بہتری کے راستے ہموار کرنا، ان دونوں کو خوب خوش رکھنا، شاد آباد رکھنا، ان کے مسائل دور کرنا میرے مالک، ان کے دامن میں اتنی خوشیاں ڈال دینا کہ ان کا دامن تنگ پڑ جائے، ان کو اپنے خزانے سے ہر نعمت عطا کرنا میرے مولا، آمین۔'' اپنے ہاتھ اٹھا کر نجمہ بیگم صدق دل سے زوار اور پری گل کے لیے دعائیں مانگتیں۔

''آمین، ثم آمین۔'' پری گل اور زوار بے ساختہ کہہ اٹھتے۔

واقعی اللہ پاک نے ان کی دعائیں قبول کر لی تھیں، اس مالک نے بہت کرم کر دیا تھا، وقت گزرنے کی ساتھ ساتھ جہاں پری گل کے کام میں تیزی آ گئی تھی، وہیں زوار نے باہر جانے کے لیے ہاتھ پیر مارنا شروع کر دیئے تھے۔ وہ اپنے طور پر اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح سے مڈل ایسٹ نکل جائے..... آج یہ دو تھے، کل فیملی بڑھ جاتی، آج کرائے کا مختصر سا گھر تھا..... وقت کے ساتھ ساتھ بڑی جگہ کی ضرورت بھی پیش آنی تھی، رہنے کے لیے اپنا ٹھکانا بھی چاہیے تھا سو مسائل تھے، بیسوؤں

ضروریات تھیں جن کو پورا کرنے کے لیے بے تحاشہ محنت، حکمت عملی اور بڑے حوصلے کی ضرورت تھی سو ہر طرح سے خود کو تیار کرنا بھی ضروری تھا حالانکہ پری گل کو یہ سن کر تھوڑی سی فکر بھی ہوئی تھی کہ زوار کے ملک سے باہر چلے جانے سے وہ اکیلی رہ جائے گی، زوار سے دور ہو کر رہنا، بے تحاشا مشکل اور تکلیف دے ہوتا مگر کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا تو پڑتا ہے، کانٹوں پر چل کر سفر طے کرنا ہوتا ہے، رت جگوں کے عذاب سہہ سہہ کر صبح کا انتظار کرتے کرتے جان لبوں تک آ جاتی ہے، تل تل مرنا پڑتا ہے، قطرہ قطرہ جمع کرنا پڑتا ہے، سو پری گل کو بھی یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی تھا..... ویسے بھی پری گل فطرتاً صابر اور مضبوط اعصاب کی مالک تھی سو اس نے بھی زوار کی ہمت بندھائی۔

''بیٹا ہم تمہارے سگے رشتے دار تو نہیں، خون کا رشتہ بھی نہیں مگر اللہ پاک کو حاضر و ناظر جان کر تم سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ تم پری گل کی طرف سے کوئی فکر نہ کرنا۔ پری گل کا ہم اپنی سگی بیٹی سے زیادہ خیال رکھیں گے، ہم ہر طرح سے اس کی دیکھ بھال کریں گے..... تم بے فکر ہو کر جا سکتے ہو، یوں سمجھ لو کہ پری گل اپنے میکے میں، اپنے ماں باپ کے پاس چھوڑ کر جا رہے ہو..... اللہ پاک تم لوگوں کو بہت بہت خوشیاں، آسانیاں اور راحت نصیب کرے..... تمہارے آنے سے ہمارے سونے گھر میں رونق ہو گئی ہے، ہم بوڑھوں کے آنگن میں چہل پہل سی ہو گئی ہے۔'' چاچا عبدالکریم نے جب زوار کے ملک سے باہر جانے کی بات سنی تو تمام تر سچائیوں کے ساتھ زوار کو حوصلہ دیا۔

''جی چاچا، مجھے تو میرے سگے اور خونی رشتوں نے بے آسرا کر کے اپنی زندگی سے نکال دیا..... مجھے آپ اور چچی پر پورا پورا بھروسا ہے، میں اللہ اور رسول ﷺ کے بعد پری گل کو آپ لوگوں کے سہارے ہی چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ مجھے پوری امید ہے کہ آپ لوگ پری گل کا اپنی بیٹی کی طرح خیال رکھیں گے، یہی یقین، بھروسا اور آپ لوگوں کی محبت، خلوص کی وجہ سے تو میں اتنا بڑا قدم اٹھانے جا رہا ہوں، بس ہر ہر قدم پر میرے لیے دعا کیجیے گا۔'' زوار

شاہ کو چاچا عبدالکریم کی باتوں سے دلی سکون حاصل ہوا تھا۔

''ہاں بیٹا ہماری دعائیں تمہارے لیے ہیں، جتنی پریشانیاں تم لوگوں نے اٹھائی ہیں، اللہ پاک ان سب کو راحت اور سکون میں بدل دے۔''

''آمین ثم آمین۔'' نجمہ چاچی نے بھی نرم لہجے میں کہا تو بے ساختہ پری گل اور زوار شاہ کے لبوں سے نکلا۔

عبدالکریم چاچا کے گھر رہتے تقریباً دو سال سے زیادہ ہو گئے تھے۔ اس عرصہ میں محلے والوں سے انسیت ہونے کے ساتھ ساتھ عبدالکریم چاچا اور نجمہ چاچی سے تو انسیت کے ساتھ ساتھ بے پناہ لگاؤ اور محبت ہوئی تھی۔ سچ ہے کہ کبھی کبھی خون کے رشتوں کے آگے منہ بولے رشتے اتنا مان، بھروسا، پیار دیتے ہیں کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا پھر زوار، پری گل کو اللہ پاک کے بھروسے اور عبدالکریم چاچا اور نجمہ چاچی کی محبتوں کے حوالے کر کے پاکستان چھوڑ کر تلاش معاش کی بہتری کے لیے بیرون ملک روانہ ہو گیا۔

ظاہر ہے ایسا وقت تھا کہ پیسوں کی شدید کمی تھی، زوار نے بڑی مشکل سے پیسا اکٹھا کر کے باہر جانے کا بندوبست کیا تھا..... پری گل نے اسے کہہ دیا تھا کہ ابتدا میں وہ خرچے کی بالکل فکر نہ کرے، پری گل کو اتنی سلائی مل جاتی کہ وہ گھر کا خرچ چلاتے ہوئے کرائے کی ادائیگی بھی کر سکتی تھی۔ عبدالکریم چاچا نے تو کہہ دیا تھا کہ جب تک زوار سیٹل نہ ہو جائے تب تک کرائے کی فکر نہ کرے لیکن پری گل اور زوار نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ اس معاملہ میں وہ کچھ مت بولیں۔

''آخر آپ لوگوں کو بھی تو پیسوں کی ضرورت ہے، اس لیے کرایہ تو ہر ماہ ادا کریں گے۔'' زوار کو جلد ہی ملازمت مل گئی، پڑھا لکھا بندہ تھا، کاروباری اتار چڑھاؤ سے بھی واقف تھا، پری گل نے شکر ادا کیا کہ اللہ پاک نے معقول جاب پر لگا کر مسائل حل کر دیئے تھے، دو سال بعد زوار ایک ماہ کی چھٹی

پر آیا..... وہ خاصا کمزور لگ رہا تھا، پری گل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے کتنی محنت کر رہا تھا وہ، دیار غیر میں تنہا رہنا کس قدر مشکل ہوتا ہے، نہ کھانے پینے کا خیال رکھنے والا کوئی ہوتا ہے نہ ہی بیماری میں سر دبانے والے ہاتھ میسر ہوتے ہیں۔ گرمی، سردی، دھوپ، ہر موسم اور ہر حالت میں کام، کام اور کام کرتے کرتے انسان کس قدر تکلیف دے وقت گزارتا ہے..... یہ احساس پری گل کو شدت سے ہو رہا تھا..... رات کو سونے کے لیے بستر پر لیٹے تو پری گل زوار کے ہاتھ تھام کر رو پڑی..... زوار تو عیش و عشرت کا عادی تھا، اس نے کب مسائل اور معاشی پریشانی دیکھی تھی لیکن اب وقت نے اسے اتنا مجبور کر دیا تھا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر دیار غیر جا بسا تھا، اس بات کا اظہار پری گل ایک بار پھر کر بیٹھی۔

''زوار..... آپ کتنے کمزور ہو گئے ہیں، کیسے رہتے ہوں گے تنہا؟ میری وجہ سے آپ کی زندگی یکلخت بدل گئی، وہ بھی کرنا پڑ رہا ہے جو کبھی آپ نے سوچا بھی نہ ہوگا۔''

''پگلی کیا فضول باتیں سوچنے لگیں..... ارے یہ تو سب زندگی کا حصہ ہے جان زوار..... انسان کو اپنے حادثات سے ہی بہت بڑے بڑے سبق ملتے ہیں، زندگی کے فرق اور حالات کے اتار چڑھاؤ کا اندازہ ہوتا ہے، یہی تجربات انسان کو مضبوط بناتے ہیں اور میں تو خوش ہوں کہ مجھے تم جیسی صابر، محبت کرنے والی، باہمت بیوی ملی۔'' زوار اسے بانہوں میں سمیٹ کر جذب سے بولا تو وہ بڑی معصومیت سے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھنے لگی۔ حالانکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ زوار قدم قدم پر اپنی ماں کی کمی محسوس کرتا ہے، وہ سب سے زیادہ زرنگار بیگم سے قریب تھا۔

''اوئے اتنا گھور گھور کر کیوں دیکھ رہی ہو، بہت اچھا لگ رہا ہوں کیا؟ اب نظر مت لگا دینا۔'' زوار نے شرارت سے پری گل کے چہرے پر آئی بالوں کی لٹ کو پیچھے کرتے ہوئے کہا تو پری گل شرما گئی، زوار نے اس کو بانہوں میں سمیٹ لیا۔ پری گل اس کی مضبوط بانہوں کے حصار میں آئی تو کتنے دنوں بعد اسے بے پناہ سکون کا احساس ہوا..... اس کی پلکیں نم ہو گئیں۔ دو سال کا عرصہ دو صدی بن کر

گزرا تھا، زوار عبدالکریم چاچا اور نجمہ چاچی کے لیے بھی کچھ تحائف لایا تھا، کچھ رقم بھی جمع ہوگئی تھی.....
اس بار زوار نے بتایا تھا کہ ان شاء اللہ بہت جلد وہ پری گل کو بھی وہاں بلوا لے گا.....الحمدللہ جاب کافی اچھی تھی، رہائش کا بندوبست بھی تھا، ایک ماہ پلک جھپکتے گزر گیا اور ایک بار پھر زوار نے رخت سفر باندھ لیا تھا اس امید کے ساتھ کہ جلد ہی پری گل اس کے پاس ہوگی..... پاسپورٹ اور دیگر ضروری کام زوار نے کروا لیے تھے۔ زوار واپس چلا گیا.....ایک بار پھر اداسی نے آن گھیرا، بے چینی اور بے قراری دل پر راج کرنے لگی، طبیعت میں کسلمندی اور اکتاہٹ محسوس ہونے لگی، اعصاب کمزور پڑنے لگے، طبیعت مضمحل سی ہوئی تو نجمہ بیگم کی جہاندیدہ نظروں نے پری گل کے نڈھال وجود کو غور سے دیکھا۔

''پری بیٹی، ادھر آؤ۔'' انہوں نے پری کو آواز دی تو پری نے دھلے ہوئے کپڑے رسی پر پھیلاتے ہوئے نجمہ بیگم کو دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا اور گیلے ہاتھ دوپٹے کے پلو سے پونچھتی ہوئی ان کے پاس آئی، نجمہ بیگم نے گہری نظروں سے اس کو سر سے پیر تک دیکھا اور قریب بلا کر آہستہ سے کچھ پوچھا۔

''نہیں.....'' پری گل نے نفی میں سر ہلا کر حیرت سے انہیں دیکھا۔

''اوہ۔ کل صبح میرے ساتھ ہاسپٹل چلنا.....زوار سے پوچھ لو رات کو اگر اسے اعتراض نہ ہو تو تمہیں لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی۔'' انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جی.....'' پری گل نے حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت سے انہیں دیکھا۔

''ہمم.....'' نجمہ بیگم نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ پری گل کو شرم آگئی۔ زوار نے سنا تو کہا۔

''اجازت کی کیا ضرورت ہے یار؟ اگر چاچی ٹھیک سمجھتی ہیں تو ضرور جاؤ۔'' اور پھر لیڈی ڈاکٹر نے خوشخبری سنائی، پری گل کے ساتھ ساتھ زوار بہت زیادہ خوش تھا.....اللہ پاک نے کافی دنوں بعد یہ خوشی دکھائی تھی، زوار نے پری گل کو اپنا خیال رکھنے کی، دوا وقت پر لینے اور بے شمار احتیاط کرنے کی تلقین کی اور ساتھ ساتھ وہ اداس بھی تھا کہ اس وقت وہ پری گل کے پاس نہیں، پری گل کو بھی یہ احساس ہو رہا

تھا کہ ایسے موقعوں پر لڑکیوں کو ماؤں کی شدید ضرورت ہوتی ہے جو قدم قدم پر ہدایات دیتی ہیں، صحیح غلط کی نشاندہی کرتی ہیں، ماؤں کی گود میں سر رکھ کر لڑکیاں اپنی تکلیف بھول جاتی ہیں، ان کے لیے یہ تجربہ بالکل انوکھا اور نیا ہوتا ہے..... قدم قدم پر ڈر، اندیشے تنگ کرتے ہیں تو ایسے میں ماؤں کی نصیحتیں، ہدایات اور بے تحاشہ خیال لڑکیوں میں حوصلہ، ہمت پیدا کر کے نئی جان ڈال دیتا ہے یا جن کی مائیں پاس نہ ہوں تو ساسیں یہ کام کرتی ہیں لیکن پری گل کی نہ تو ماں تھی اور ساس ہو کر بھی نہیں تھیں، ان کو تو اس بات کی خبر بھی نہیں تھی کہ وہ ایک بار پھر دادی بننے جا رہی تھیں، اپنے بچے اور پھر بچوں کے بچوں کی خوشی ہی الگ اور انوکھی ہوتی ہے لیکن کچھ لوگ اس خوشی سے دور اور بے خبر رہتے ہیں، جیسے کہ زرنگار بیگم تھیں، ایسے میں نجمہ چاچی، پری گل کا سگی ماں کی طرح خیال رکھتیں، جھاڑو پونچھے کے لیے ماسی رکھ لی تھی، ڈاکٹر سے برابر چیک اپ ہوتا رہا..... زوار تقریباً روزانہ ہی ویڈیو کال پر بات کر کے اسے ہدایات و تسلی دیتا اور اپنا خیال رکھنے کی تاکید بھی کرتا..... ساتھ ساتھ نجمہ چاچی کا بھی شکریہ ادا کرتا کہ وہ وقت سے پہلے اور زوار کے کہنے سے پہلے ہی وہ پری گل کا بہت خیال رکھ رہی تھیں۔ ادھر پری گل گن گن کر دن گزار رہی تھی۔

ادھر زوار شاہ نے خوب سے خوب تر کی تلاش میں مزید آگے بڑھنے کی کوششیں تیز کر دیں تھی۔ اب اس کا ارادہ تھا کہ وہ امریکہ کے لیے کوشش کرے کسی نے بتایا تھا کہ وہاں پر پاکستانی خصوصاً لیڈیز کپڑوں کی سلائی کی بہت مانگ ہے اور اس سلسلے میں چھوٹے چھوٹے پیمانے پر شروع کیے گئے کاروبار بہت جلدی وسیع ہو جاتے ہیں۔ زوار شاہ کو اندازہ تھا کہ وہ اور پری گل مل کر یہ کام کر سکتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

زرنگار بیگم نماز مغرب سے فارغ ہوئیں تو مختار شاہ آفس سے لوٹا، خاصا پریشان اور ڈپریسڈ لگ رہا تھا، خلاف معمول آج وہ لاؤنج میں زرنگار بیگم کے پاس تخت پر آ کر بیٹھ گیا تھا، زرنگار بیگم نے غور سے مختار کے تھکے ہوئے پریشان چہرے کی طرف دیکھا۔

"کیا ہوا مختار..... طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری؟" جائے نماز تہہ کر کے شیلف پر رکھتے

ہوئے زرنگار بیگم نے مختار کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''مما کاروبار..... میں برابر نقصان ہو رہا ہے..... دن بدن گھاٹا، ناکامی اور ذہنی دباؤ کی وجہ سے دماغ خراب ہو رہا ہے میرا۔'' مختار نے کہا۔

''کیوں..... پچھلے دو تین سالوں سے، آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ پہلے تو ایسا کچھ نہیں ہوتا تھا۔'' زرنگار بیگم نے کہا۔

''تمہارے پاپا نے اچھے سے سنبھالا ہوا تھا، ان کو تجربہ بھی تھا..... پاپا تھے تو کوئی مسئلہ کھڑا ہی نہیں ہوتا تھا۔''

''زوار تھا تو بھی کبھی کوئی مشکل نہیں ہوئی، ہر چیز ٹھیک چل رہی تھی۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی بے ساختہ زرنگار بیگم کے منہ سے جملہ نکل گیا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ آپ یہ کہنا چاہ رہی ہیں کہ میں نااہل اور ناکارہ ہوں، کاروباری داؤ پیچ سے ناواقف، ساری کوتاہی میری ہے؟''

''نہیں..... نہیں بیٹا میرا یہ مطلب نہیں تھا، میرا مطلب تھا کہ پہلے تم اتنے پریشان نہیں رہتے تھے۔'' زرنگار بیگم نے جلدی سے بات سنبھالی۔

''مما..... اس وقت بھی اس نے اکیلے نہیں، ہم دونوں نے مل کر سنبھالا ہوا تھا سب کچھ اور آپ ہر بات میں دانستہ یا نادانستہ اس کا ذکر کیوں لے آتی ہیں، اپنے گھر سے نکال کر نظروں سے دور کرنے کے بعد بھی وہ آپ کے حواسوں پر چھایا رہتا ہے، دل سے نہیں نکال سکتیں آپ اس کو..... ہاں نہیں ہوتا مجھ سے سب کچھ نہیں سنبھالا جاتا مجھ سے کاروبار اور جیسے ہوتا ہے میں اسی طرح سے مینج کروں گا ناں؟ جیسا ہوگا..... جس طرح سے ہو سکے گا۔ میں ویسا ہی کروں گا اگر آپ کے پاس کوئی دوسرا آپشن ہے تو بے شک آپ وہ استعمال کر سکتی ہیں۔'' مختار کو ویسے بھی زوار کے نام سے چڑ تھی، اس کا نام سنا تو آگ بگولا ہو کر سارا غصہ ماں پر اتار کر بدتمیزی سے بکتا ہوا دھم دھم کرتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

مختار شاہ فطرتاً خوشامد پسند اور شو آف کرنے والا بندہ تھا۔ اسے اپنی تعریف کروانا، خوشامدیں کروانا اچھا لگتا تھا اور بھڑکیں مارنے کی عادت تھی، اسے ایسے ہی لوگوں کے درمیان رہنا اچھا لگتا تھا جو اس کی شخصیت سے، اس کے روپے پیسے سے مرعوب ہوں، اس کی جھوٹی تعریفیں کریں، اس کی اس عادت سے فائدہ اٹھانے والوں نے اپنے رنگ دکھانے شروع کر دیئے تھے۔ جب تک زوار تھا، اس کے آس پاس رہنے والے لوگ محتاط رہتے کیونکہ زوار کھرا انسان تھا وہ کام کے وقت صرف کام اور مکمل دل چسپی مانگتا تھا، غیر ضروری باتوں سے گریز کرتا، ورکرز سے بات کرنا تو کام کے حوالے سے کاروباری لحاظ سے بہتری کے لیے، اب ایسے لوگوں کو موقع مل گیا تھا مختار شاہ زوار کے مقابلے میں الگ فطرت کا مالک تھا..... دوسری جانب زرتاشہ بھی فضول خرچی اور شاہ خرچی میں اپنی مثال آپ تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ اللہ پاک نے دو بیٹے بھی دے دیئے تھے۔ نمیر شاہ اور نویر شاہ..... رتاشہ دونوں بیٹوں کی شہزادوں جیسی تربیت کر رہی تھی۔ ابھی سے بچے امارت اور دولت کے نشے میں کسی کو بھی گھاس نہیں ڈالتے تھے..... اب جو کاروبار میں نقصان پہ نقصان ہو رہا

تھا تو پیسے کی اتنی فراوانی نہ ہونے کی وجہ سے نہ صرف مختار شاہ بلکہ زرتاشہ بھی چڑ چڑی اور بدمزاج ہو گئی تھی۔

زرنگار بیگم تاسف سے مختار شاہ کو دیکھتی رہ گئیں، بدمزاج ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بدتمیز بھی ہو گیا تھا..... وہ سوائے دعا کے اور کچھ کر بھی نہیں سکتی تھیں، زرتاشہ سے بھی کچھ کہتیں تو وہ بھی الٹا اول فول بکنے لگتی تھی۔

☆.....☆.....☆

بے پناہ تکلیف، کرب اور اذیت کے لمحات سے گزر کر پل پل تڑپ تڑپ کر اللہ پاک کے آگے سربسجود ہو کر دعائیں مانگتے مانگتے..... درد کی ٹیسوں سے بے چین ہو کر، بے چینی تکلیف کی آخری حدوں کو پار کرتے ہوئے پری گل کے پیروں تلے جنت بھی آ گئی۔ اس کی گود میں ننھی منی خوب صورت براؤن

آنکھوں والی گڑیا آ گئی تھی، ننھی پری جیسی پری کو سینے پر لٹا کر ساری اذیت، ساری تکلیف راحت میں بدل گئی تھی، کچھ دیر پہلے گزرنے والی تکالیف ایک لمحے میں ہی کافور ہو گئی تھی۔

''عریج زوار شاہ۔۔۔'' پری گل کے لبوں سے یہ نام پھسلا، اس نے اپنے خشک ہونٹ بھی عریج کے ماتھے پر رکھ دیئے، آنکھوں میں پانی اتر آیا تب ہی نجمہ چاچی نے آگے بڑھ کر پری گل کا ماتھا چوم لیا۔

''بہت بہت مبارک ہو پری بیٹی، ماشاءاللہ سے پری کے گھر اللہ پاک نے ایک اور پری بھیج دی ہے۔''

''خیر مبارک چاچی..... آپ کو بھی نواسی کی مبارک باد، آپ نے ماں کی طرح میرا خیال رکھا، سچ ہے کہ میری آدھی تکلیف تو آپ کی تسلی، پیار اور محبت سے کم ہو گئی ہے..... اللہ پاک آپ کو اجر دے۔'' پری گل نحیف آواز میں بولی۔ زوار کی کال بھی آ گئی تھی۔ وہ بہت خوش تھا کہ اللہ پاک نے اس کے گھر میں رحمت بھیج دی جس کا نام دونوں نے پہلے سے ہی سوچ رکھا تھا، عریج زوار شاہ۔

☆.....☆.....☆

زرنگار بیگم محسوس کر رہی تھیں کہ مختار شاہ کاروبار میں دلچسپی نہیں لے رہا تھا، اس سے زیادہ محنت اور دماغی کام نہیں ہو پا رہا تھا، اس نے معاملات ورکرز پر چھوڑ دیئے تھے اسے اتنی زیادہ محنت کی عادت ہی کب تھی اب مسلسل کچھ سالوں سے ذمے داری آن پڑی تھی۔ اس کے تو بس کی بات نہیں تھی ملازمین پر اتنا بھروسا بھی کرنا ٹھیک بات نہیں تھی کوئی بھی اتنا ہمدرد اور خیر خواہ نہیں ہوتا کہ اپنا چین، سکون اور وقت برباد کرے..... سب کو اپنی اپنی تنخواہ سے مطلب ہوتا ہے..... وہ کام کرتے ہیں اجرت کے لیے، ایک سنیئر اور پرانے اکاؤنٹنٹ تھے مگر بیچارے اب بوڑھے ہو گئے تھے وہ وفادار تھے اور مختار شاہ کے والد کے زمانے کے تھے۔ انہوں نے مختار شاہ کو صحیح غلط سمجھانا چاہا تو مختار شاہ کو اچھا نہیں لگا ان کو یہ کہہ کر نکال دیا کہ اب وہ بوڑھے ہو گئے ہیں، کام کرنے کے قابل نہیں..... باپ کا جما جمایا کاروبار آہستہ آہستہ زوال کی طرف جا رہا تھا، مختار شاہ پیسہ خوب اڑا رہا تھا، زرنگار بیگم سمجھانے کی کوشش کرتیں تو وہ الٹا زرنگار بیگم کو ہی کہتا۔

''مما آپ تو ہمیشہ سے ہی مجھے نکما سمجھتی ہیں، وقتی مسائل ہیں، میں اسٹاف چینج کر رہا ہوں، سب

سیٹل ہو جائے گا۔" زرنگار بیگم کو بظاہر بہتری کی کوئی امید دکھائی نہیں دے رہی تھی، انہوں نے زرتاشہ کو کہا۔

"وہ مختار شاہ کو سمجھائے پیسہ بچا کر رکھے..... آج کے چھوٹے بچے کل بڑے ہوں گے، ان کے اخراجات بھی ہوں گے، اس طرح سے تو قارون کا خزانہ بھی ختم ہو جائے گا۔"

"مما، پیسہ خرچ کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے، انسان محنت کرتا ہے بیوی بچوں کی ضرورتیں اور خواہشات پوری کرنے کے لیے، ویسے بھی مختار اور مجھے کھلے ہاتھ سے خرچ کرنے کی عادت ہے، مجھ سے نہیں ہوتا مڈل کلاس لوگوں کی طرح پیسہ پیسہ جمع کر کے رکھنا ہمیں ضرورت بھی کیا ہے اس طرح سے کرنے کی..... اپنا کاروبار ہے، سب کچھ اچھے سے تو چل رہا ہے، آپ کو کسی چیز کی کمی ہے کیا؟ ساری ضروریات تو پوری ہو رہی ہیں اچھی طرح سے اگر ہم اپنی مرضی سے خرچ کر رہے ہیں تو آپ کو کیا پریشانی ہے۔" زرتاشہ نے تکبر سے کہا، اس کے جواب پر زرنگار بیگم اس کا منہ تکتی رہ گئیں۔ زرنگار بیگم خود کو اکیلی محسوس کرنے لگی تھیں۔ نمیرا اور نویر کی اپنی مصروفیات تھی۔ زرتاشہ کے پاس وقت نہیں تھا اور مختار شاہ اپنے مسائل میں الجھا ہر وقت چڑ چڑ کرتا رہا۔ نگین اپنی زندگی میں مگن تھی اس کی ایک بیٹی تحریمہ تھی، وہ بہت اچھی طرح سٹیل تھی، اس کا دل پاکستان آنے کو بھی نہیں کرتا تھا۔ وہ وہیں مطمئن تھی۔ وقت ملتا تو ماں سے بات کر لیتی کبھی کبھار بھولے بھٹکے سے زرتاشہ یا مختار بھی ہائے ہیلو کر لیتے..... زرنگار بیگم کی مصروفیت نماز، قرآن پاک کی تلاوت اور بچوں کے لیے دعائیں مانگنے تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں..... عمر کے اس حصے میں تھیں کہ جب والدین کو بچوں کی توجہ اور ساتھ کی ضرورت ہوتی ہے مگر بچے اپنی مصروفیات میں اس قدر گم ہوتے ہیں کہ بوڑھے والدین کے لیے کچھ لمحے نکالنا بھی بھاری لگتا ہے، کبھی کبھی ان کو زوار کی یاد آ جاتی، پتا نہیں کیوں ہر وقت زرنگار بیگم کو دھڑکا سا لگا رہتا۔

قسط نمبر 4

مختار شاہ نے ایک گاڑی بھی فروخت کر دی تھی۔ زرنگار بیگم کے پوچھنے پر تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا۔

''کیا ضرورت ہے دو دو گاڑیوں کی، ایک ہی کافی ہے ہمارے لیے'' زرنگار بیگم مختار کے جواب سے مطمئن نہیں ہو پائیں تھیں کیونکہ ایک گاڑی کی وجہ سے مشکلات پیدا ہو رہی تھیں۔ مختار آفس جاتا تو پیچھے ان لوگوں کو کہیں آنے جانے کا مسئلہ ہو جاتا ہمیشہ سے دو گاڑیاں تھیں۔ دلاور شاہ کی زندگی سے ہی دو گاڑیاں تھیں۔ زرنگار بیگم کو اس وقت دھچکا لگا جب مختار شاہ نے زرتاشہ کے زیورات مانگے۔

''کیوں..... خیریت، بھلا زیورات کی کیا ضرورت آن پڑی ہے؟'' زرنگار بیگم نے حیرانی سے مختار شاہ کی طرف دیکھ کر استفسار کیا۔

''مجھے کیا ضرورت ہے مما۔'' مختار شاہ نے نگاہیں چراتے ہوئے جواب دیا۔

''مگر زیورات کی کیا ضرورت ہے؟''

''تمہیں کون سی مشکل ہے جو زیورات کی ضرورت ہے؟''

''مما بال کی کھال مت نکالا کریں آپ.....'' بہت زیادہ عجیب ہو گئی ہیں آپ..... ہر بات میں پنجائیت، ہر بات میں جرح..... آخر آپ کو ہو کیا گیا ہے؟ ہر وقت شاکی رہتی ہیں، اتنی تفتیش کی ضرورت نہیں ہے، زرتاشہ کی چیز ہے، اسے چاہیئے، اسے دے دیں آپ، اب وہ خود بھی میچور ہو گئی ہے، اپنی چیزیں سنبھال سکتی ہے، ویسے بھی آپ سارا زیور اس کے حوالے کر ہی دیں۔'' مختار کے لہجے اور اس کے

تیکھے انداز پر زرنگار بیگم بری طرح چونکیں۔

''یہ کس انداز میں بات کر رہے ہو مختار.....اس طرح سے تو کبھی بھی نہیں بولے۔ بدتمیزی تو کر لیتے مگر یوں اس طرح۔ ٹھیک ہے زرتاشہ ہاتھ لے کر آجائے تو اس کے حوالے کر دیتی ہوں۔'' زرنگار بیگم نے ٹھنڈی سانس لے کر دھیمے انداز میں کہا انکا لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔

''مما زرتاشہ آپ کی بہو ہے اور میں آپ کا بیٹا ہوں۔ آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے کیا؟ ٹھیک ہے صاف صاف سن لیں، یہ زرتاشہ کی مرضی سے ہی ہو رہا ہے۔ مجھے کاروبار کو اسٹیبل کرنے کے لیے رقم کی ضرورت ہے.....زیورات فروخت کرنے ہیں مجھے۔''

''اف.....یہ.....یہ کیا کہہ رہے ہو مختار.....یہ نوبت کیسے آگئی؟ زیورات ہمارا اثاثہ ہیں، خاندانی روایات کی نشانی ہیں، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ہم نے.....''

''بس کریں مما، مجھے بھی شوق نہیں ہے آپ کا لیکچر سننے کا، مجھے بھی سب پتا ہے مگر بینک میں پیسہ ختم ہو گیا ہے مجھے شدید ضرورت ہے اس وقت پیسوں کی۔'' زرنگار بیگم کی بات تیزی سے کاٹ کر وہ جھنجلا کر تیکھے لہجے میں بولا۔

''اس طرح کیسے چلے گا بیٹا؟ اس طرح تو دیوالیہ نکل جائے گا، کیوں ہم پستی کی جانب جا رہے ہیں؟ صحیح حکمت عملی کہیں نہیں اپنا رہے ہو۔ احسان بھائی، جنید صاحب وغیرہ کہاں ہیں جو بھائیوں کی طرح تمہارے پاپا کے ساتھ مل کر کاروبار سنبھالتے تھے.....مل جل کر لائحہ عمل تیار کرتے تھے؟''

''ان سب کو میں نے نکال دیا ہیں.....وہ لوگ اب کام کے قابل نہیں رہے تھے اور بلاوجہ روک ٹوک مجھ سے برداشت نہیں ہوتی.....آپ، آپ دے رہی ہیں یا نہیں؟'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

''مما، آپ کو کیا مسئلہ ہیں.....دے کیوں نہیں دیتیں میرا زیور اور وہ بھی جو آپ کے پاس فالتو پڑا ہے.....وہ بھی دے دیں کاروبار میں نفع نقصان تو ہوتا رہتا ہے.....جب نفع ہوگا تو میں اس سے

زیادہ بنوالوں گی..... پر آپ کو دل پر لینے کی ضرورت نہیں۔'' زرتاشہ بھی آ گئی تھی، بچے اس وقت ٹیوشن لے رہے تھے۔

''اف خدایا.....'' زرنگار بیگم نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا اور خاموشی سے اٹھیں الماری سے زیورات کے ڈبے لا کر مختار کے سامنے ڈھیر کر دیئے، کتنے چاؤ اور ارمان سے دونوں بہوؤں کے لیے جمع کر رکھے تھے۔ یہ زیورات کچھ خاندانی تھے اور کچھ جدید فیشن کے مطابق بنوائے گئے تھے۔ زرتاشہ نے تو دل بھر کر پہن بھی لیے تھے مگر زوار کی دلہن کے لیے جو بھی رکھے تھے وہ ویسے ہی دھرے کے دھرے تھے۔ زرنگار بیگم تو بھول بھی چکی تھیں مگر زرتاشہ اور مختار کو سب یاد تھا۔ زرنگار بیگم کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی جھلک رہی تھی، ان کے بوڑھے ہاتھ کانپ رہے تھے، کتنی محبت اور حلال کی کمائی سے آرزو، ارمانوں سے جمع کیے تھے اور آج سب کچھ مختار کے سپرد کرتے ہوئے دل تڑپ رہا تھا..... دکھ ان کے اندر تک اتر گیا تھا۔

''مختار بیٹا، ایک مشورہ ہے یہ زیورات فروخت مت کرنا، کسی کے پاس رکھوا کر رقم لے لو .....ایسے زیورات تو اب جیولرز بناتے بھی نہیں، بنانے کے بھی ہزاروں روپے مانگتے ہیں۔'' بھیگے لہجے میں مختار شاہ کو مخاطب کیا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا مما، آپ فکر نہ کریں اور پھر ہمارے علاوہ اور کون ہے آپ کا؟ یہ سب چیزوں پر ہمارا ہی تو حق ہے۔'' زرتاشہ نے موقع غنیمت دیکھ کر دل کی بات کہہ دی، زرنگار بیگم کا دل بری طرح دھڑکا، واقعی اس وقت تو صرف اور صرف مختار، اس کی بیوی اور بچے ہی تو تھے، نگین اپنے گھر کی تھی اور زوار..... زوار..... نہ جانے کہاں تھا؟ وہ تو زندگی سے نکل چکا تھا۔ زوار کا خیال آیا تو بے ساختہ آنکھوں سے آنسو نکلے تھے۔

☆.....☆.....☆

وقت کچھ اور آگے سرکا، زوار کی انتھک کوششوں اور محنت، کا نتیجہ تھا کہ وہ پری گل کو لے کر امریکہ شفٹ ہو گیا تھا، امریکہ میں اس کی ملاقات شیخ اعظم سے ہوئی تھی، شیخ اعظم سے ملاقات تو یونہی سرسری سی ہوئی تھی، شاپنگ مال میں زوار سے مد بھیڑ ہوئی، زوار کے دھکے سے اس کے ہاتھ سے شاپرز گر پڑے تھے۔

''اوہ.....آئی ایم سوری سر۔'' زوار نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا اور جھک کر اس کے شاپرز سمیٹنے میں اس کی مدد کی۔

''اٹس اوکے۔'' اعظم شیخ نے خوشدلی سے کہا

''آر یو پاکستانی؟''

''جی.....جی میں پاکستان سے ہوں۔'' زوار شاہ مسکرائے۔ اعظم شیخ کی فیملی بھی ساتھ تھی، مناسب قد و قامت کی خاتون جو حجاب میں تھیں ساتھ تقریباً پانچ سال کا بیٹا بھی تھا۔

''چاچو.....'' منا سا بچہ دوڑ کر زوار کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ زوار نے حیرانی سے بچے کو دیکھا جو اس کی ٹانگوں سے چمٹا کھڑا تھا۔ زوار کو بے ساختہ اس بچے پر پیار آیا تھا۔

''نہیں بیٹا یہ تمہارے چاچو نہیں ہیں۔'' خاتون نے آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے بچے کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''اوہو.....دراصل میرے چھوٹے بھائی کی شباہت ہے آپ میں یقیناً یہی سمجھا ہوگا۔'' اعظم شیخ نے کہا۔

''اچھا.....اچھا۔'' زوار مسکرایا اور بچے کو گود میں اٹھا کر پیار کرنے لگا۔

''ماشاءاللہ بہت پیارا ہے آپ کا بیٹا۔''

''تھینک یو۔'' اعظم شیخ بھی مسکرائے۔ یہ اعظم شیخ سے زوار کی پہلی ملاقات تھی۔ اعظم شیخ کا یہاں ریڈی میڈ گارمنٹ کا چھوٹا سا کاروبار تھا.....ان کو زوار شاہ سے بات کر کے اچھا لگا تھا۔ ویسے بھی

دیار غیر میں جہاں بھی ہم وطن نظر آ جائے تو قدرتی طور پر انسان اس کی جانب کھنچتا چلا جاتا ہے..... مختصر سی گفتگو کے بعد اعظم جیسے جہاندیدہ انسان نے اندازہ لگا لیا تھا کہ زوار شاہ ذہین، قابل اور پر اعتماد بندہ ہے یوں انہوں نے اپنا کارڈ زوار شاہ کی جان بڑھایا۔

''یہ میرا کارڈ ہے ینگ مین..... اگر کبھی دل چاہے تو مجھ سے مل سکتے ہو، مجھے پاکستانی لوگوں سے مل کر اچھا لگتا ہے۔''

''جی ضرور ان شاء اللہ'' زوار نے مسکراتے ہوئے کارڈ تھام لیا۔

''اوکے بیٹا بائے۔'' جاتے ہوئے زوار نے اعظم شیخ کے بیٹے کو پیار کیا۔

''اوکے چاچو۔'' وہ بھی مسکرایا۔ ''عارض علی شیخ۔'' نام ہے میرے بیٹے کا۔'' اعظم شیخ نے کہا۔

''واؤ خوبصورت نام ہے بالکل اس گڈے کی طرح۔'' زوار شاہ نے جاتے ہوئے عارض کے گال تھپتھپائے اور آگے بڑھ گیا۔ یہ چھوٹی سی ملاقات اعظم شیخ سے دوستی کا سبب بن گئی۔ پہلے دونوں اور پھر فیملیز بھی ملیں..... اعظم شیخ کے بھائی وغیرہ پاکستان میں رہتے تھے گزشتہ دس سال سے وہ یہاں پر تھے، اسی دوران دو بار پاکستان گئے۔ اس دوران علیشا سے شادی ہوگئی تو اعظم شیخ علیشا کو لے کر یہیں آباد ہو گئے تھے اور ان کا ایک ہی بیٹا عارض علی شیخ تھا..... اعظم شیخ نے زوار کو گھر آنے کی دعوت دی تھی، پری گل اور ننھی عریج کے ساتھ اعظم شیخ کے کے گھر ڈنر پر آئے تھے۔ علیشا صوم وصلواۃ کی پابند پر خلوص اور سیدھی سادی خاتون تھی۔ اسے پری گل سے مل کر اچھا لگا تھا۔ زوار اور پری گل نے اپنے بارے میں صرف یہی بتایا تھا کہ وہ دونوں ہی ہیں، اپنی فیملی بیک گراؤنڈ یا کن حالات میں شادی ہوئی گھر سے نکل کر کیسے کیسے مصائب کا سامنا کرنا پڑا..... یہ ساری باتیں نہیں بتائی تھیں..... کچھ لوگ ایسی باتوں کو معیوب اور غلط سمجھتے ہیں، اس طرح کی شادی کو اچھا نہیں سمجھتے، خوامخواہ دل میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے اور غلط رائے قائم کر لیتے..... یہی سوچ کر سچائی چھپا گئے تھے..... حالات جس طرح پاکستان کے آج

کل بے حد خراب تھے، معاشی مسائل، مہنگائی اور دیگر مسائل سے عام انسان پریشان تھا، اسی طرح دیار غیر میں رہنے والے پاکستانیوں کو بھی روز نئے نئے مسائل اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا..... گو کہ امریکہ کے تصور سے لوگ سمجھتے ہیں کہ وہاں رہنے والے نوٹوں کے بستر پر سوتے ہوں گے، عیش و آرام اور دنیا کی ساری آسائشات میسر ہوں گی مگر ایسا ہرگز نہیں تھا، محنت اور بے تحاشہ محنت کے بغیر تو دو وقت کی روٹی بھی نہیں ملتی..... اخراجات یہاں پر بھی بے تحاشہ تھے، مہنگائی کا تناسب یہاں پر بھی اچھا خاصا تھا..... اعظم شیخ نے دو تین ملاقات کے بعد ہی اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ زوار شاہ گو کہ مالی طور پر بہت زیادہ مستحکم نہیں، پر ہے ایمان دار، محنتی، پرخلوص، محبت کا بھوکا اور نرم دل انسان..... ذہین اور معاملہ فہم بھی..... اس بات پر کافی سوچ بچار کے بعد اور علیشا سے مشورے کے بعد انہوں نے زوار شاہ کو آفر دی تھی..... اعظم شیخ کو ایسے ہی بندے کی تلاش تھی جو ایمان داری سے ان کا ساتھ دے سکے، وہ نیا کام شروع کرنا چاہ رہے تھے اور زوار شاہ بہترین پارٹنر ثابت ہو سکتا تھا۔ اس بات کا اندازہ ان کو ہو چکا تھا۔ تب ہی اعظم شیخ نے اس حوالے سے اپنا عندیہ زوار شاہ کے سامنے رکھ دیا تھا۔

''آئیڈیا تو بہت اچھا ہے اعظم مگر فی الحال میرے پاس اتنا زیادہ اماؤنٹ نہیں ہے تم کچھ دن صبر کر لو، ان شاء اللہ میں جمع کر لوں گا۔'' زوار شاہ نے اعظم شیخ کی بات سن کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کچھ مہلت بھی مانگ لی تھی۔

''اماؤنٹ کی تم فکر مت کرو یار، بس مجھے محنتی، ایمان دار اور سچے دوست کی ضرورت ہے جو میرے ساتھ خلوص کے ساتھ کام کر سکے۔'' اعظم شیخ نے کہا۔

''نہیں یار، میں چاہتا ہوں کہ اپنا حصہ بھی شامل کروں۔'' زوار شاہ نے اپنے موقف سے آگاہ کیا۔

''چلو ایسا کرتے ہیں 25% اور 75% پر کام شروع کرتے ہیں، اللہ پاک کا نام لے کر پھر آگے آہستہ آہستہ تم بھی برابر کے حصہ دار بن جانا۔'' اعظم شیخ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد مشورہ دیا۔

''چلو یہ ٹھیک ہے، میں پری گل سے بات کرلوں پھر کرتے ہیں جلد میٹنگ ان شاء اللہ۔'' زوار شاہ، اعظم شیخ کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے مطمئن انداز میں بولا۔

''او کے یارا..... جلد ملتے ہیں ان شاء اللہ۔'' اعظم شیخ نے پرامید اور گرم جوشی والے انداز میں کہا۔

''ان شاء اللہ۔'' زوار بھی مسکرایا۔

اپنا کاروبار، اپنا ذاتی اثاثہ، گھر سب کچھ ہونے کے باوجود بھی زوار شاہ کو اتنا جتن کرنا پڑ رہا تھا۔ کبھی کبھی اسے تشنگی کا احساس ہوتا..... رات کو بستر پر لیٹتا تو سوچیں اس کے دماغ پر قبضہ جمانے لگتیں، کبھی کبھی دونوں مل کر سوچتے کہ یہاں کب تک رہیں گے؟ عریج کے بڑے ہونے پر یہاں نہیں رہنا چاہتے تھے، کیا پاکستان لوٹ جانا چاہیے؟ ان سوالوں کے درمیان..... ہاں، نہیں کی گردان سے گرتے نا جانے کتنی دیر تک وہ کروٹیں بدلتا رہتا..... زندگی گو کہ مشکل ضرور تھی مگر اللہ پاک کی مرضی شامل حال تھی، قدرت کی طرف سے راستے ہموار ہونے پر آئیں تو راہ کے کانٹے بھی پھول بن جاتے ہیں، تاریکیاں اجالوں میں بدل جاتی ہیں، راستے خود بخود بنتے چلے جاتے ہیں، زوار کے لیے بھی راہیں کھلتی جارہی تھیں..... اللہ پاک کی کتنی مہربانیاں تھیں کہ نیتوں کا اثر تھا جو دعائیں تھیں، وہ رنگ لا رہی تھیں، اللہ پاک کو وہ ہاتھ پیارے لگتے ہیں جو بندہ صرف اور صرف اس کے آگے پھیلاتا ہے، وہ جھولیاں بھرتا ہے جو اس کے سامنے پھیلا کر بندہ بھیک مانگتا ہے، قبولیت کے در وا ہو جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ کی مہربانیاں عروج پر ہوتی ہیں، سچ ہے کہ زمین پر اللہ پاک اتر کر راستے ہموار نہیں کرتا بلکہ وسیلے بناتا ہے بہتری کے، موافقت کی، کامیابی کی..... اعظم شیخ بھی ایسا ہی وسیلہ بن کر ملے کہ جن سے مل کر، ان کے ساتھ کام شرع کرتے ہی اللہ پاک نے کاروبار میں وسعت پیدا کر دی تھی۔ کامیابی کے در کھلتے چلے جارہے تھے..... بے تحاشہ محنت اور اللہ پاک کی ذات پر مکمل یقین نے ان لوگوں کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی دی اور بہت جلد ہی کاروبار کامیابی کے راستے پر چل پڑا..... چھوٹے پیمانے ہر شروع کیے جانے والے بزنس میں وسعت آتے چلی گئی۔

وقت گزرتا رہا.....اس دوران عریج بھی بڑی ہونے لگی تھی۔ زوار اور پری گل کی مکمل توجہ عریج پر تھی، زندگی میں بظاہر ایک ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ اعظم شیخ سے اتنے اچھے تعلقات ہونے کے باوجود بھی زوار نے اپنی حقیقت اس پر آشکار نہیں کی تھی۔ اعظم شیخ گزشتہ تین سال میں ایک بار پاکستان بھی گیا لیکن زوار نے ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اس کی فیملی پاکستان میں ہے، پری گل جب زیادی اداس ہو جاتی تو نجمہ چاچی اور عبدالکریم طاطا سے بات کر لیتی تھی مگر پچھلے کچھ دنوں سے ان سے بھی رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا ..... پری گل اللہ سے خیر کی دعا مانگتی، دونوں بیمار رہتے تھے، عمر کے اس حصے میں تھے کہ خدانخواستہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ خدانخواستہ اس سے آگے سوچ کر پری گل بے تحاشہ اداس ہو جاتی، اس کو دونوں سے خاص لگاؤ تھا اس لیے وہ ان دونوں کے بارے میں سوچ کر گھبرا جاتی اور کوئی رابطہ تھا نہیں کہ ان کی بابت کوئی علم ہوتا.....بس دعا ہی کر سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

گھر کے حالات دن بدن خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے تھے، مغرب کی نماز کے بعد زرنگار بیگم حسب معمول تسبیح پڑھ رہی تھیں کہ مختار آ گیا.....غیر متوقع طور پر مختار کو آفس سے سیدھا آ کر اپنے کمرے میں موجود دیکھ کر زرنگار بیگم کی چھٹی حس بیدار ہوئی تھی۔

''مما، گھر کے کاغذات کہاں ہیں؟'' نہ سلام نہ دعا.....آتے ہی سوال کیا، اس کے سوال پر زرنگار کے ہاتھوں میں تسبیح لرزی، انہوں نے آنکھیں پھاڑ کر مختار کی طرف دیکھا۔

''کیوں؟'' بس یہی زبان سے نکلا۔

''مجھے ضرورت ہے۔'' مختصر سے جواب پر زرنگار بیگم نے دل پر ہاتھ رکھ کر حیرانی و پریشانی سے اس کی جانب دیکھا۔

''تمہیں کاغذات کی کیا ضرورت ہے مختار؟ تم.....تم ہی تو گھر کے مالک ہو، یہی کافی نہیں ہے

کیا؟'' زرنگار بیگم کی آواز کانپ رہی تھی، لہجہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔

''مما مجھے اپنے مالکانہ حقوق کا پورا پورا احساس ہے..... آپ مجھے کاغذات دے دیں..... یہ گھر سیل کرنا چاہ رہا ہوں..... بہت بڑا ہے، ہم چھوٹا گھر لے لیں گے، اتنے سے تو لوگ ہیں۔'' اس کی بات پر زرنگار بیگم کا سر چکرایا..... اگر وہ بیٹھی ہوئی نہ ہوتیں تو یقیناً چکرا کر گر چکی ہوتیں۔

''مختار.....'' وہ پوری قوت سے چلائیں۔

''تمہیں اتنے بڑے فیصلے کا حق کس نے دیا، تم پاگل ہوئے ہو کیا، دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا..... کیا بکواس ہے یہ سب؟'' زرنگار بیگم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مختار آخر یہ سب کیا کر رہا ہے..... وہ جذبات سے بے قابو ہو رہی تھیں۔

''حق، تو میرا ہی ہے ناں مما..... زیادہ حق دار میں ہی ہوں..... نگین کا حصہ نہیں وہ دستبردار ہو چکی ہے، دوسرا بیٹا آپ کی زندگی سے خود دستبردار ہو چکا ہے..... آپ اور میں..... آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے ان معاملات میں بولنے کی، آپ عمر کے اس حصے میں ہیں کہ آپ کے لیے، عہنے کے لیے آرام دہ کمرہ، وقت پر کھانا، دوائیں، ڈاکٹر کا چیک اپ، بس یہی ضرورت ہے آپ کی جو احسن طریقے سے پوری ہو رہی ہے اور آگے بھی ہو گی، اس لیے خوامخواہ آپ انٹرفیئر نہ کریں..... مجھے ضرورت ہے پیسوں کی اور یہ گھر اتنا بڑا ہے اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے،'' لمبی چوڑی تمہید کے بعد اس نے گویا مکمل طور پر زرنگار بیگم کو سارے معاملات سے بے دخل کر دیا تھا..... زرنگار بیگم کی کنپٹیاں سلگنے لگیں، ہاتھ پیر کپکپانے لگے تھے۔

''مختار تم حد سے بڑھ رہے ہو..... ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو میری خاموشی کا، کیسی الٹی سیدھی بکواس کر رہے ہو تم..... یہ گھر؟ یہ گھر کتنی محبت اور محنت سے تمہارے پاپا نے بنایا تھا..... اپنے بیٹوں کے لیے، میرے اور اپنے لیے، یہاں پر سب کو مل جل کر رہنا تھا..... اب اگر حالات اس نہج پر آ گئے کہ تم صرف تم ہی اس کے حق دار رہ گئے ہو تو اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ تم اپنی من مانی کرو، جو دل

چاہے کرو.....تم نے ایسی بات سوچی بھی کیسے؟ تمہیں شرم نہیں آتی اپنے مرے ہوئے باپ کی اس نشانی کو فروخت کرنے کا سوچتے ہوئے۔ کوئی حیا، کوئی خیال، مروت، محبت کچھ بھی باقی نہیں رہا تم میں .....کن راستوں پر چل نکلے ہو تم، پہلے گاڑی پھر زیورات اور اب ٹھکانے پر نظریں گاڑے بیٹھے ہو، ہمارے سروں سے یہ آسرا بھی چھین لینا چاہتے ہو تم .....میں کسی طور پر تمہیں یہ نہیں کرنے دوں گی .....کاروبار میں گھاٹا پر گھاٹا ہو رہا ہے تو ختم کر دو کاروبار.....کوئی چھوٹا موٹا کام کر لو، کیا فائدہ ہے پیسے لگاتے جا رہے ہو لیکن نتیجہ صفر کا صفر ہے کہ اب نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ سر سے سائبان بھی چھین لینا چاہتے ہو تم۔'' شدت جذبات سے زرنگار بیگم رو پڑی۔

''مما.....مجھے سب کچھ پتا ہے، مجھے اتنے لمبے چوڑے لیکچر کی ضرورت نہیں.....اچھا برا سب سمجھتا ہوں میں، آپ مجھے مجبور نہ کریں کہ میں کوئی دوسرا قدم اٹھا لوں۔'' جھنجھلا کر انتہائی بدتمیزی سے وہ بھی تیز لہجے میں بولا۔

''ہائے، دوسرا قدم.....!'' زرنگار بیگم نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا.....یہ کیا کہہ رہا تھا وہ، کیا مطلب تھا اس بات کا؟ خدانخواستہ کوئی الٹی سیدھی حرکت نہ کر ڈالے.....وہ بچپن سے ہی ضدی، بدتمیز اور خودسر تھا.....وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

''اف خدایا.....یہ حالات کس طرف جا رہے ہیں، کیا ہم.....ہم دربدر ہو جائیں گے؟ ہمیں کس آزمائش میں ڈال رہا ہے میرے پروردگار.....میں کمزور تنہا بوڑھی عورت کب تک ان حالات کا مقابلہ کر پاؤں گی۔'' مختار، زرتاشہ اور بچے ایک جانب تھے اور وہ خود کو بالکل اکیلا محسوس کرنے لگیں تھیں .....کس قدر مجبور اور بے بس ہو گئی تھیں وہ.....ایسے میں زوار شاہ کی شدت سے یاد آئی، زوار شاہ کتنا خیال رکھنے والا بیٹا تھا.....زرنگار بیگم اگر دو منٹ بھی خاموش رہتی تب فوراً ان کے پاس آ کر پوچھتا۔

''مما کیا ہوا، خیریت ہے نا، طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟'' زرنگار بیگم مسکرا دیتیں۔

''ہاں بیٹا بالکل ٹھیک ہوں میں.....تم خوامخواہ پریشان ہو جاتے ہو۔''

''مما میں نہیں چاہتا کہ آپ ایک لمحے کے لیے بھی پریشان ہوں.....کوئی فکر، کوئی ٹینشن لیں، آپ تو بس مطمئن، ہنستی مسکراتی اور رعب جماتی اچھی لگتی ہیں۔ سارے مسائل، فکریں اور پریشانیاں ہمارے لیے اور سکھ، آرام، اطمینان آپ کے لیے ہیں۔'' زوار شاہ پیار سے ان کے کاندھے تھام کر جذبات سے لبریز لہجے میں کہتا تھا۔ اس وقت اس کے لہجے میں بے پناہ پیار، خلوص اور محبت ہوتی، زرنگار بیگم کی آنکھیں جھلملا جاتی تھیں۔

''ہاں میرے بچے، تیرے ہوتے ہوئے مجھے بھلا کیا فکر ہوگی.....الحمد اللہ اللہ پاک میرے بچوں کو سلامت رکھے۔'' زوار کو سینے سے لگا کر جذب سے کہہ دیتی تھیں۔

لیکن.....آج.....آج وہ کتنی پریشان اور ہراساں تھیں، آنے والے حالات کو لے کر کیسے کیسے اندیشے، وسوسے جنم لے رہے تھے.....تب، ٹوٹ کر زوار، کی یاد آئی.....کتنا فرق تھا، زوار اور مختار کی فطرت میں.....سوائے آنسو بہانے کے اور کوئی چارہ نہ تھا وہ نہ جانے کتنی دیر تک جاگتی رہیں.....نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

☆.....☆.....☆

''الٰہی خیر.....'' زوار با آواز بلند تقریباً چیخنے کے انداز میں کہتے ہوئے ہڑبڑا کر نیند سے جاگا اور گھبرا کر اٹھ بیٹھا.....اچھے خاصے خنک موسم میں اس کا سارا جسم پسینے میں بھیگ رہا تھا.....چہرے پر گھبراہٹ تھی، اس کے یوں اتنی تیزی سے چونک کر اٹھنے پر پری گل بھی نیند سے جاگ گئی تھی، اسے یوں سر پکڑے بیٹھا دیکھ کر پریشان ہو کر جلدی سے اٹھ بیٹھی۔

''کیا ہوا زوار، خیریت تو ہے آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا، پریشان کیوں ہیں، کیا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا ہے آپ نے؟''

''ہاں..... ہاں پری میں نے بہت، بہت ڈراؤنا خواب دیکھا ہے..... بہت ہی بھیانک۔''

زوار کے منہ سے بے ربط الفاظ نکل رہے تھے، وہ پسینے میں شرابور تھا، چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، عجیب سا خوف، نمایاں تھا، پری گل بھی اس کی حالت دیکھ کر گھبرائی اور جلدی سے بوتل سے پانی انڈیل کر گلاس اس کی طرف بڑھایا، زوار نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور گلاس تھام کر دو گھونٹ بھرے۔

''پری گل..... پری، میں نے مما کو دیکھا، مما، مما..... اف..... مما کو خدانخواستہ کچھ ہو گیا ہے..... اللہ نہ کرے، بہت بہت بھیانک خواب تھا..... میرا دل بری طرح گھبرا رہا ہے۔''

زوار بہت بے قراری کی حالت میں تھا۔

''نہیں..... نہیں اللہ نہ کرے ایسا کچھ نہ ہو، مما بالکل ٹھیک ہوں گی ان شاء اللہ، آپ گھبرائیں نہیں، لاحول پڑھیں، سب ٹھیک ہوگا ان شاء اللہ۔''

''پری میں نے بہت عرصے بعد مما کو دیکھا، میرا دل بری طرح دھڑک رہا ہے، وہ بہت پریشان ہوں گی، نجانے کیا حالات ہیں وہاں؟ الٰہی سب خیریت رکھنا..... اتنا برا خواب کبھی بھی نہیں دیکھا تھا میں نے۔'' زوار رونے والا ہو رہا تھا، پری گل نے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر تسلی کے انداز میں تھپتھپائے، گھڑی کی طرف نگاہ اٹھائی، اس وقت پاکستان میں دن کا وقت ہوگا سوچتے ہوئے زوار کی طرف دیکھا۔

''زوار..... اگر آپ بہت پریشان ہیں تو اپنی تسلی کے لیے گھر کال کر لیں۔'' ڈرتے ہوئے مشورہ دیا، پری گل کی بات پر زوار شاہ نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

''پری..... مما مجھ سے ناراض ہیں، سخت ناراض۔'' زوار شاہ کے زخمی لہجے میں دکھ بول رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

''بے شک زوار مگر آپ کوشش تو کر سکتے ہیں ناں..... ہو سکتا ہے اتنے سالوں میں ان کے رویہ میں کوئی لچک آ گئی ہو، کوئی سوفٹ کارنر نے جگہ لے لی ہو، زوار وہ ایک ماں بھی ہیں اور ماؤں کے دل موم

جیسے نرم ہوتے ہیں، بظاہر سخت نظر آنے والی یہ ہستی ذرا سی پیار کی گرمی پا کر پگھل جایا کرتی ہے، کیا پتا زوار کہ ان کو بھی آپ کی یاد آ رہی ہو؟ آپ ایک بار کوشش کر کے تو دیکھیں۔"

پری گل نے زوار کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ زوار نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پری گل کی جانب دیکھا۔ پری گل نے اثبات میں سر ہلا کر سیل اٹھا کر اس کی جانب بڑھایا .....زوار کو پری گل کی باتوں سے کچھ حوصلہ ملا، ذرا سی ہچکچاہٹ اور پس و پیش کے بعد زوار نے سیل تھاما، لرزتے ہاتھوں سے فون نمبر ملایا جو بچپن سے ازبر تھا.....دوسری جانب بیل جا رہی تھی، زوار کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی.....ایک بار دل نے کہا کہ کال کاٹ دے مگر پری گل کے پر امید چہرے پر نظر پڑی تو حوصلہ بحال ہوا، اتفاق سے دوسری جانب زرنگار بیگم ہی تھیں۔

"اسلام علیکم!" آواز سن کر زوار کی آنکھیں ایک بار پھر نم ہوئیں، ہونٹ بھینچ کر زوار نیا آنکھیں موند لیں۔ برسوں کے بعد اس آواز کی ٹھنڈک کو پوری طرح سے محسوس کرنا چاہتا تھا۔

"ہیلو....." دوبارہ آواز آئی۔

"مم.....مم.....مما....." بمشکل زوار کے لبوں سے نکلا۔ "اسلام علیکم مما۔"

"کون.....ز.....وار.....زوار۔" دوسری جانب بھی بے تابی عروج پر تھی۔

"مما.....مما آپ.....آپ ٹھیک ہیں ناں، آپ کیسی ہیں مما؟" ضبط جواب دے گیا، آواز کی نرماہٹ نے حوصلہ دیا شکوک دور ہوئے تو زوار بے ساختہ رو پڑا۔

"مما.....مما بولیں ناں.....آپ کیسی ہیں؟" دوسری جانب صرف دبی دبی سسکیوں کی آواز پر زوار تڑپ کر بے تابی سے بولا۔

"ہاں.....ہاں میں ٹھیک ہوں بالکل.....تم.....تم کیسے ہو؟" زرنگار بیگم بھی ضبط نہ کر سکیں، اتنے عرصے بعد زوار کی آواز سن کر پل میں سارا غصہ، سارا جلال ختم ہو گیا تھا، ممتا نے ساری سختی کافور کر

ڈالی اس وقت اتفاق سے زرتاشہ اور مختار بھی گھر پر نہیں تھے، زرنگار بیگم بھی بکھر رہی تھیں۔

''مما..... مجھے معاف کر دیں..... اللہ کے واسطے..... مجھ سے کبھی بھی بات کر لیا کریں آپ۔'' زوار شاہ نے دل کی بات کہہ دی۔

''میں کبھی کبھی خود کو بہت اکیلا محسوس کرتا ہوں، دل کرتا ہے آپ کی آواز سننے کو مما..... سب کیسے ہیں؟'' زوار کی بے تابی عروج پر تھی، دوسری جانب ممتا ہار گئی تھی..... تب نجانے کیسے، زرنگار بیگم بولنے پر آئیں تو بولتی چلی گئیں شاید وہ بھی کسی ہمدرد کانوں کی منتظر تھیں جو ان کے دل کی بھڑاس کو سن سکے، جس کے آگے وہ اپنے اندر پکتا ہوا لاوا بہا سکیں، دلوں پر منوں ٹنوں بوجھ جو گزشتہ کئی ماہ سے وہ اٹھائے تھک چکی تھیں اور اب سارا بوجھ زوار کے آگے ہلکا کر دیا تھا..... روتے روتے ب، ان کی بھی ہچکیاں بند گئی تھیں۔ زوار تڑپ رہا تھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کس طرح سے ماں کو سنبھالے، تسلی، تشفی اور ہمدردی کے الفاظ نہیں مل رہے تھے کہ ماں کو تسلی دے سکے، اس قدر پریشانی، اتنے مسائل؟ اور اب نوبت یہاں تک آ پہنچی تھی۔

''اوہو مما، آپ اس قدر پریشانی میں ہیں؟ آپ بالکل فکر نہ کریں، میں کچھ کرتا ہوں مما..... آپ پریشان نہ ہوں، میرا اتنا پیسہ کس کام کا۔'' زوار جذباتی لہجے میں بولا۔ زرنگار بیگم، مختار شاہ اور زرتاشہ سے سخت نالاں تھیں۔

''نہیں بیٹا تم، تم کو ہم نے ہی بے دخل کیا تھا..... اب تم نے محنت سے کوئی مقام حاصل کر لیا ہے تو اس پر ہمارا کوئی حق نہیں۔''

''نہیں مما..... پلیز ایسا مت کہیں، آپ میری ماں ہیں، میری جنت ہیں، میں کچھ بھی بن جاؤں، کتنا ہی نام کما لوں مگر میری جنت، میری نجات آپ کے قدموں میں ہے اور شاید اس وقت غلطی میری بھی تھی میں نے سب کچھ جلد بازی میں کر کے آپ کو شاکڈ کر دیا تھا، آپ کا ردعمل بجا تھا مما..... مجھے

آپ سے کوئی گلہ نہیں، آپ حق بجانب تھیں، یہ سب تو نصیبوں میں لکھا ہوتا ہے، نہ آپ کے ہاتھ میں تھا اور نہ ہی میرے ہاتھ میں، جو بھی ہوا..... الحمدللہ اب میں اچھی پوزیشن میں ہوں آپ بالکل بھی فکر نہ کریں، ٹینشن مت لیں..... میں، میں پیسہ بھیجتا ہوں..... بس آپ اپنی صحت کا خیال رکھیں۔'' زوار جذب سے بولا۔

''زوار بیٹا واپس آجا۔'' یہ جملہ، یہ ایک جملہ سن کر زوار کے اندر تک سکون اتر گیا، اس کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو بہنے لگے، اس جملے کے کب سے منتظر تھے اس کے کان، اسی بات کو سننے کے لیے وہ بے تاب تھا۔

''مما.....'' وہ سسک کر بولا۔ ''ضرور مما ان شاء اللہ مگر..... اتنی جلدی یہ ممکن نہیں ہے، ابھی کچھ وقت لگے گا، ساری کاروائی میں سب کچھ سمیٹنا اتنا آسان نہیں، لیکن میں وعدہ کرتا ہوں جتنی جلدی ہو سکے آپ کے پاس آؤں گا اور جب تک نہیں آسکا..... آپ سے برابر رابطے میں رہوں گا اور پیسہ بھی آپ کے اکاؤنٹ میں بھیجتا رہوں گا۔'' دیر تک بات ہوتی رہی تھی، زرنگار بیگم نے پری گل سے بھی بات کی، اس سے بات کر بھی روئیں، عریج کا سن کر خوش ہوئیں، وہ بالکل بدل چکی تھیں۔ حالات نے ان کو بالکل بدل دیا تھا، پری گل کو بھی ان سے بات کر کے بہت رونا آیا تھا، سب کچھ یاد آ گیا تھا اپنی ماں کی یاد بھی آ گئی تھی۔

جہاں ایک طرف زاور کو زرنگار بیگم سے بات کر کے بے پناہ خوشی اور اطمینان ملا تھا وہیں وہاں کے حالات، مختار کی لاپرواہی اور زرتاشہ کی باتیں، حتیٰ کہ نویرہ نمیر کی بدتمیزیوں کے بارے میں سن کر شدید دکھ بھی ہوا تھا..... اس نے پہلی فرصت میں معقول رقم بھیجنے کی کوشش تیز تر کر دی، رقم ملی تو گھر کے کاغذات بچ گئے، زرنگار بیگم ہاتھ اٹھا اٹھا کر زوار کو دعائیں دے رہی تھیں، جس نے اس کڑے وقت میں کسی فرشتے کی طرح رابطہ کر کے اتنی بڑی مشکل آسان کر دی تھی گو کہ اتنی زیادہ رقم کی ضرورت مختار کو

تھی بھی نہیں کہ گھر گروی رکھا جاتا مگر زرنگار بیگم تو اس کے ہاتھوں کھلونا بنی ہوئی تھیں مگر اب زوار سے دوبارہ رابطہ بحال ہوا تو زرنگار بیگم کو اپنی حیثیت کا احساس ہونے لگا تھا۔ گھر کے حالات کچھ بہتر ہوئے گو کہ مختار شاہ کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی کہ مما نے زوار شاہ کو معاف کر دیا اور اس سے دوبارہ رابطہ بحال کر لیا، لیکن دوسری جانب یہ بات بھی تھی کہ زوار شاہ نے گزشتہ برسوں میں ٹھیک ٹھاک پیسہ کما لیا تھا، اس کی اچھی پوزیشن تھی اور وہ امریکہ جیسے ملک میں کاروبار میں پارٹنر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا اور وہاں رہ بھی رہا تھا، مفت کے پیسے آتے کس کو برے لگتے ہیں اور وہ بھی مختار جیسے آرام طلب اور ہڈ حرام انسان کو جو بنا محنت کے، بنا سر کھپائے پیسے کمانا چاہتا تھا، زرتاشہ جو کہ پری گل سے نفرت کرتی تھی لیکن اب جب سے اسے پتا چلا تھا کہ وہ لوگ اتنی پر آسائش زندگی گزار رہے ہیں تب سے زرتاشہ کے رویے میں معقول تبدیلی آ گئی تھی، زوار شاہ اور پری گل بہت خوش تھے کہ بالآخر ان کو خاندان والوں نے تسلیم کر لیا گو کہ جن حالات میں بھی رابطہ ہوا مگر یہی کافی تھا کہ وہ پھر سے بات چیت کرنے لگے تھے..... زوار شاہ نے پاکستان جانے کی کوشش بھی تیز کر دی تھی، اعظم شیخ سے یہ تو نہیں کہا کہ وہ فیملی سے ملنے جا رہا ہے بس یہ کہا کہ پاکستان کا چکر لگانا چاہتا ہے..... کچھ پرانے دوست احباب سے ملنا ہے..... اسے پاکستان کی یاد آ رہی ہے، اعظم شیخ کو کوئی اعتراض نہ تھا وہ بھی کبھی کبھی پاکستان کا چکر لگا لیتا تھا، اس کی تو فیملی وہاں تھی جب تک رابطہ نہیں تھا سو نہیں تھا، لیکن جب سے رابطہ ہوا تھا ملنے کی تڑپ اور بے چینیاں عروج پر پہنچ گئی تھی..... زوار اور پری گل کے پاکستان آنے کی خبر سن کر زرتاشہ نے فرمائشی لسٹ بھیج دی تھی، نمیر اور نویر جو کہ آٹھ اور نو سال کے تھے، ان کے دل میں بھی چاچا، چاچی کی محبت ٹھاٹھیں مارنے لگی تھی، کیونکہ ان کو اپنی پسند کی چیزیں اور تحائف جو منگوانے تھے، اسکیٹنگ شوز اور دیگر سامان کی لسٹ ان کے پاس بھی تیار تھی۔ زرنگار بیگم خاموشی سے دیکھتی رہتیں کہ کتنی جلدی بدل گئے تھے یہ لوگ۔

کافی حد تک انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ ننھی چار سالہ عریج بھی بہت خوش تھی۔ اسے تو اب پتا

چلا تھا کہ اس کی دادو، بڑے پاپا، بڑی مما اور دو بھائی بھی ہیں۔ اسے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی تھی کہ وہ اپنی دادو سے ملنے والی ہے، اعظم شیخ ان دنوں کسی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے گو کہ ان کے علم میں تھا کہ زوار پاکستان جانے والا ہے مگر یہ اندازہ نہیں تھا کہ ان کے جاتے ہی زوار پاکستان جانے کا پروگرام بنالے گا، اچانک سے پتا چلا تھا کہ زرنگار بیگم کی طبیعت بگڑ گئی تھی، ان کو مائینر ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ تین دن ہاسپٹل میں رہ کر آئیں یہ سن کر زوار بے حد پریشان ہو گیا تھا، اتنا پریشان کہ فوری رخت سفر باندھ لیا تھا حالانکہ کوشش کی کہ اعظم شیخ کو انفارم کر دے مگر ان سے کوئی رابطہ نہ ہو سکا تھا، ان کی بیوی اور بیٹا بھی اس وقت پاکستان گئے ہوئے تھے، ان کا سیل بھی آف جا رہا تھا گو کہ اب زرنگار بیگم کی طبیعت کافی بہتر تھی زوار نے ویڈیو کال پر کئی بار بات بھی کی تھی مگر جلد از جلد ان کے پاس جانا چاہتا تھا، سرپرائز دینا چاہتا تھا اچانک پہنچ کر..... اعظم شیخ پر مکمل اعتماد تھا کہ وہ کاروبار میں کوئی گڑبڑ نہیں کریں گے، وہ ایماندار اور مخلص آدمی تھے۔

پری گل بے حد خوش تھی جس گھر سے وہ بے عزتی کے ساتھ نوکرانی کی حیثیت سے نکالی گئی تھی آج اس گھر میں وہ عزت، وقار اور رشتے کے بھرم کے ساتھ جا رہی تھی، جہاں پر اس کو "بہو" کی حیثیت دی جا چکی تھی، اسے بھی اپنے ملک سے، اپنی زمین سے بہت محبت تھی، اس کا دل بھی چاہتا کہ پاکستان جائے مگر ہر بار، تلخ یادیں، بے عزتی کے احساس سے وہ آپ ہی آپ شرمندہ ہو جاتی مگر اب بات ہی الگ تھی، ائیر پورٹ پہنچ کر زوار نے سرپرائز نگ کال کی تو سارے گھر میں ہلچل مچ گئی تھی حالانکہ زوار نے کہا تھا کہ وہ آجائے گا لیکن پھر بھی مختار جھٹ پٹ ائیر پورٹ کی جانب دوڑا..... ادھر زرنگار بیگم بے چینی سے ٹہلنے لگی تھیں ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وقت کی ڈور کو کھینچ لیں، ان سے صبر نہیں ہو رہا تھا ..... زوار شاہ کو سینے سے لگانے، پری گل کو پیار کرنے اور..... اور ننھی عریج کو سینے سے بھینچنے کو دل مچل رہا تھا، بے چینی، بے قراری عروج پر تھی، دل بری طرح دھڑک رہا تھا، عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔

مختار شاہ اور زرتاشہ نے ادھر ادھر دیکھا کہیں بھی زوار نظر نہیں آ رہا تھا شاید وہ ائیر پورٹ سے گھر کے لیے نکل چکے تھے، نماز کا وقت بھی نکل رہا تھا۔ سو زرنگار بیگم نماز پڑھنے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں تھیں۔

''مما..... آپ اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟ اب تو وہ آنے والے ہیں، آرام سے نماز پڑھیں ناں۔'' نماز کے دوران ایک بار آواز پر زرنگار بیگم روم سے باہر آئیں تو کچن سامنے کھڑی زرتاشہ نے کہا۔

''پتا نہیں کیوں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے زرتاشہ، عجیب سی حالت ہو رہی ہے۔'' زرنگار بیگم کے لہجے میں پریشانی تھی۔

''آپ ایکسائیٹڈ ہو رہی ہیں اور کچھ نہیں..... زوار کو تو سرپرائز دینے کی پرانی عادت ہے، بس یہ بھی سرپرائز ہی ہے نا اچانک سے اس لیے آپ کا دل خوامخواہ گھبرا رہا ہے۔'' زرتاشہ کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا، زرنگار بیگم گو کہ اس کی بات کا مطلب سمجھ چکی تھیں مگر سنی ان سنی کر کے دوبارہ جائے نماز کی جانب بڑھیں ..... نماز پڑھ کر دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے تب ہی زرتاشہ کا سیل بجا وہیں ڈائننگ ٹیبل پر رکھا ہوا تھا۔

مختار گاڑی میں بیٹھ کر واپس گھر کی جانب روانہ ہوا، اسے امید تھی کہ زوار گھر کے لیے نکل گئے ہیں، زوار کا فون بھی ٹرائی کیا مگر فون بند جا رہا تھا، فلائیٹ آئے ٹائم بھی کافی ہو چکا تھا،

وہ اپنی دھن میں گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا، ائیر پورٹ کے احاطے سے نکل کر مین روڈ پر آ کر کچھ دور چلا تھا کہ روڈ پر کافی رش لگا ہوا تھا۔

''اوہو..... شاید کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے..... یا اللہ رحم۔'' بے ساختہ منہ سے نکلا، لوگوں کا ہجوم لگا ہوا تھا..... مختار کا دل چاہا کہ سائیڈ سے گاڑی نکال لے مگر..... رش اتنا زیادہ تھا کہ کوشش کے باوجود رستہ نہ ملا۔

''اوہو یار اس بچی کو تو اٹھاؤ کوئی، کس قدر گھبرائی ہوئی ہے بے چاری۔'' کسی صاحب کی آواز پر نجانے کیوں مختار چونکا اور فوراً گاڑی سے اترا..... بھیڑ کو ہٹاتا ہوا آگے بڑھا۔

''اف.....'' سامنے کا منظر دیکھ کر وہ دیوانوں کی طرح آگے بڑھا۔ یہ تو زوار اور پری گل تھے ،ساز و سامان کے ساتھ اور وہ بچی سہمی ہوئی، زار و قطار رو رہی تھی.....وہ عریج تھی۔

''زوار.....زوار.....'' مختار پاگلوں کی طرح زوار کی جانب بڑھا۔ ''یہ کیا ہو گیا؟'' اتنا برا ایکسیڈنٹ ہوا تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور، زوار اور پری گل ختم ہو چکے تھے اور معجزانہ طور پر عریج بچ گئی تھی۔

''یہ میرا بھائی ہے..... بھابھی اور یہ اس کی بچی.....امریکہ سے آئے تھے۔'' مختار نے چلا کر کہا۔

''اوہو۔'' مجمع سے چاروں جانب سے آواز آئی۔ یہ کیا ہو گیا تھا زرنگار بیگم کے واہمے غلط نہیں تھے۔

☆.....☆.....☆

''کیا.....کیا کہہ رہے ہیں آپ مختار، کیسے ہوا یہ سب؟'' زرتاشہ کی تیز آواز پر زرنگار بیگم باہر کی جانب بھاگی آئیں۔

''مما.....مما۔'' زرتاشہ کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ کس طرح سے زرنگار بیگم کو اس سانحے کے بارے میں بتائے۔

''کیا.....کیا ہوا؟ مختار کیوں نہیں آیا زوار کو لے کر اس نے کال کیوں کی، وہ کہاں پر ہے؟ دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا..... پتا بھی ہے ہمیں کتنا انتظار ہے ان لوگوں کا.....کہاں رہ گیا وہ؟'' زرنگار بیگم سامنے بت بنی زرتاشہ کو کاندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑنے لگیں، ان کی چھٹی حس بیدار ہو چکی تھی۔ وہ ماں تھیں، ان کی بے چینی بے سبب نہیں تھی، ان کا دل یونہی نہیں بیٹھا جا رہا تھا۔

''یا اللہ.....مما۔'' زرتاشہ ان کو گلے سے لگا کر بری طرح رونے لگی، وہ آنکھیں پھاڑے پہلے زرتاشہ کو پاگلوں کی طرح دیکھتی رہیں پھر چیخ مار کر اس کی بانہوں میں جھول گئیں۔ برسوں بعد آنے والا بیٹا، بہو ملنے سے پہلے ہی ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے تھے، نشانی کے طور پر ننھی بے تحاشہ روتی اور سہمی ہوئی عریج کی ذمے داری ان کے کاندھوں پر ڈال گئے تھے، مزے کی بات یہ تھی کہ زوار کا ہینڈ بیگ، کاغذات

،ضروری سامان، موبائل فونز سب کچھ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی بندہ بشر لے اڑا تھا..... نجانے کیسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی موت کو بھول کر ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، دو عدد سوٹ کیس، ایک ہینڈ کیری، دو عدد ڈیڈ باڈیز اور ایک معصوم بچی یہ سامان امریکہ سے واپس آیا تھا، ننھی عریج کو سینے سے بھینچ کر زرنگار بیگم عجیب و غریب حرکتیں کر رہی تھیں، ان کے ہوش و حواس جواب دینے لگے تھے، اتنے سالوں بعد بیٹے کو دیکھا وہ بھی اس حالت میں..... اپنے پیروں سے چل کر اس گھر گھر سے جانے والا آج کیسے چار کاندھوں پر سوار ہو کر دوبارہ اس گھر میں آیا تھا، زرنگار بیگم تڑپ رہی تھیں، بلک رہی تھیں، پاگلوں کی طرح عریج کو تو کبھی پری گل اور زوار کو چومتیں، عریج بری طرح رونے لگی تھی، چیخ پکار، رونا، چلانا، ساتھ ماں باپ کو اس طرح سے بے حس و حرکت پڑے دیکھ کر عریج بری طرح ڈر گئی تھی ..... وہ تو کتنی خوشی خوشی مما، پاپا کے ساتھ پاکستان آئی تھی، پاپا نے بتایا تھا کہ بڑا سا گھر ہے، ایک دادو ہیں جو بہت پیار کریں گی، دو بھائی ہیں جو تمہیں گھمائیں گے، بڑے پاپا اور بڑی مما گود میں لے کر ڈھیر ساری چیزیں دیں گے لیکن یہاں تو سب کچھ ہی الٹ ہو گیا تھا، مما اور پاپا تو بالکل چپ تھے، گھر میں تو زرا سی آواز پر مما اٹھ جاتی تھیں مگر آج اتنا شور ہو رہا تھا، اتنی آوازیں تھی مگر نہ پاپا جاگے، نہ مما اٹھیں ..... اس اجنبی گھر میں، نئی جگہ، نیا ماحول، سب لوگ بالکل اجنبی تھے اسے تو یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ مما پاپا ہمیشہ کے لیے چلے گئے..... وہ حواس باختہ سی زرنگار بیگم کے سینے سے لگی سب کچھ دیکھ تو رہی تھی مگر سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"یا اللہ تو نے مجھے یہ کس امتحان میں ڈال دیا، میں بہت کمزور ہوں، بہت بودی..... یہ کیسی ذمے داری میرے ناتواں وجود پر ڈال دی تو نے، کیسے بتاؤں گی اس ننھی سی جان کو کہ وہ یتیم ہو گئی ہے، اس کے سر سے ماں باپ کا سایہ اٹھ چکا ہے..... اس حقیقت کو کیسے تسلیم کر پائے گی یہ ننھی سی بچی جو موت کے مفہوم سے بھی نا آشنا ہے، اسے کیسے بتاؤں کہ موت کے آہنی پنجوں نے اس کے ماں باپ دونوں کو

دبوچ لیا ہے، کس طرح سے اس معصوم کو سنبھالوں گی میں؟ یہ تو بہت چھوٹی ہے اور میں، میں بہت بوڑھی اور کمزور..... کب تک اس کا ساتھ دے پاؤں گی میں..... مختار..... مختار میرے بچے، تیرے بھائی نے تجھ پر یہ ذمے داری ڈال دی ہے..... میں اس قابل نہیں مگر تو، تو بھائی کی امانت کی حفاظت کرنا میرے بچے، یہ معصوم تو انجان ہے، اس کو سنبھالنا بہت مشکل ہوگا۔'' زرنگار بیگم مختار کا بازو تھام کر بری طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ مختار چپ چاپ سر جھکائے آنسو بہا رہا تھا، اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسا ہو جائے گا، اس نے تو زوار کے ساتھ مل کر کاروبار سنبھالنے کا پلان بنا لیا تھا۔ زوار کی آمد سے امید بندھ گئی تھی۔ پیسوں کے ساتھ ساتھ زوار کی حکمت عملی اور کاروبار کی داؤ پیچ سے واقفیت کی وجہ سے مختار شاہ پر امید تھا کہ اس حادثے نے اسے بھی ساکت کر کے رکھ دیا تھا..... زوار اور پری گل کو یہاں کی مٹی بلا رہی تھی..... جہاں پیدا ہوئے، پلے بڑھے، وہیں اپنی آخری آرام گاہ بھی بنا بسالی تھی..... تدفین ہو گئی تھی، زرنگار بیگم کی بے قراری کو کسی طور قرار نہ آ رہا تھا..... عریج کو جب دیکھتیں نئے سرے سے دکھ تازہ ہو جاتا، بڑی مشکل سے فیڈر پلا کر عریج کو کچھ دیر کے لیے سلا دیا تھا..... نیند میں بھی عریج برابر ہچکیاں لے رہی تھی، زرنگار بیگم یک ٹک اس کے چہرے کو تکے جا رہی تھی، زوار شاہ کی کتنی مشابہت تھی اس میں ویسا ہی رنگ وروپ، ویسی بڑی بڑی براؤن آنکھیں، لمبی گھنیری پلکیں تو..... پری گل کی طرح کھڑی اور ستواں ناک اور لمبے سلکی بال، اللہ پاک کی مصلحت اللہ پاک ہی بہتر جانتا ہے اگر یہ ایکسیڈنٹ امریکہ میں ہوتا تو عریج نہ جانے کن ہاتھوں میں چلی جاتی..... یہاں پر کم از کم اپنوں کے پاس تو تھی..... اسے دیکھتے ہوئے زرنگار بیگم مسلسل سوچ رہی تھیں..... آنکھوں سے آنسو رواں تھے، زوار کی ایک ایک بات یاد آ رہی تھی۔ بچپن سے لے کر بڑے ہونے تک زوار نے ان کا سب سے زیادہ خیال رکھا تھا۔

نگین کو بھی اطلاع دے دی گئی تھی، نگین بے شک ناراض سہی مگر جب زوار سے بات چیت

دوبارہ ہوئی تب ہی نگین نے اس بات پر زرنگار بیگم کو ہی کہا کہ آپ کو بات نہیں کرنی چاہیئے تھی لیکن جب زوار اور پری گل کی اچانک حادثاتی موت کی خبر ملی تو اسے بہت دکھ ہوا..... زرنگار بیگم کی حالت دیکھ کر نگین نے پاکستان چکر لگانے کا فیصلہ کرلیا، وہ آکر ماں کو تسلی دینا چاہ رہی تھی اسے اندازہ تھا کہ زرنگار بیگم کے دل پر اس وقت کیا قیامت گزر رہی ہوگی۔ اس کا بھی زوار سے خون کا رشتہ تھا اسے بھی ان کی موت کا بے حد ملال تھا۔

ویسے تو نمیر اور نویر کا بھی چاچو سے خون کا رشتہ تھا مگر جب سے ہوش سنبھالا تھا چاچو سے دور ہی رہے، اب کچھ عرصہ پہلے بات چیت ہوئی، دونوں کی گھلنے ملنے والی عادت تھی ہی نہیں اس لیے زیادہ بات چیت کرتے ہی نہیں تھے، ہاں فرمائش ضرور کی تھی..... گھر کا مکدر اور سوگوار ماحول چند روز تک دونوں پر اثر انداز ہوا اس کے بعد اپنی روٹین میں مصروف ہوگئے، ان کو تو ننھی عریج سے بھی کوئی دلچسپی ولگاؤ نہ تھا..... دراصل اتنے سے بچوں کے ذہنوں میں زوار اور پری گل کے متعلق منفی باتیں ڈالی گئی تھیں، ہمیشہ اپنی ماں سے ان دونوں کے بارے میں غلط باتیں ہی سنی تھی، یہی کہ دادو کے نافرمان تھے، گھر سے چلے گئے تھے..... پاپا کو اکیلے سارا کام کرنا پڑتا ہے، پاپا بے چارے تھک جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اس قسم کی باتیں سنتے سنتے وہ دونوں ویسے بھی چاچو اور چاچی سے متنفر تھے۔

سوئم کے تیسرے روز مختار و زرتاشہ نے زوار اور پری گل کے بڑے بڑے سوٹ کیسز کھولے حالانکہ سوئم والے دن سے ہی نمیر و نویر پیچھے لگے ہوئے تھے کہ سامان کھولیں مگر زرتاشہ نے بمشکل صرف زرنگار بیگم کی وجہ سے دو دن ان دونوں کو ٹالا پر آج سب لوگ بڑے کمرے میں جمع تھے جب مختار شاہ سوٹ کیس اور دوسرا سامان لے آیا۔

بے تحاشہ سامان تھا، نمیر و نویر کے لیے الگ الگ پیکٹس نام کے ساتھ تھے، جس میں ٹی شرٹ، جینز، کھلونے، بیگ اسکٹنگ شوز تھے، ڈھیر ساری چاکلیٹس، مختار شاہ کے؛ یے سوٹ پیس، زرتاشہ کے

لیے سوٹ پیسز، پوفیوم، جیولری، میک اپ کا سامان، میکسیاں، پرس اور بے شمار چھوٹی بڑی چیزیں .....زرنگار بیگم کے لیے پرفیوم، سویٹر، پیسز، شال، کاجو، بادام، چاکلیٹس، بیگ، موبائل اور نہ جانے کیا کیا، زرنگار بیگم ایک ایک چیز سینے سے لگا کر رو رہی تھیں، ایک بیگ میں ڈھیر سارے کھلونے تھے۔ ریموٹ کنٹرول گاڑیاں اور کافی ساری گڑیا، کھلونے دیکھ کر عریج کچھ بہل گئی تھی۔

نمیر اور نویر نے اپنی اپنی مرضی سے گاڑیاں اٹھالیں، ایک بہت پیارا سا ٹیڈی بیئر جو بٹن دبانے پر ہنستا، روتا اور پوئم سناتا تھا وہ نمیر نے اٹھالیا۔

''یہ..... یہ میرا، یہ مجھے میرے پاپا نے برتھ ڈے پر گفٹ کیا تھا..... یہ مجھے دے دو۔'' ننھی عریج نمیر کی طرف دیکھ کر توتلی زبان میں بولی۔

''پاپا.....'' کہتے ہی اچانک، عریج کو پاپا کی یاد آ گئی۔

''دادو میرے پاپا کب آئیں گے؟ میری مما بھی نہیں آئیں؟ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔'' اچانک ہی عریج نے پلٹ کر زرنگار بیگم کو دیکھا اور توتلی زبان میں وہی سوال کیا جس کا جواب دے دے کر زرنگار بیگم تھک گئیں تھیں، زرنگار بیگم نے عریج کو سینے سے بھینچ لیا بھلا وہ اسے کیسے مطمئن کرتیں، اس چار سالہ ننھی بچی کو کیسے کہتیں کہ تمہارے مما پاپا کبھی بھی نہیں آئیں گے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلے گئے ہیں، ہر بار اس سوال پر زرنگار بیگم اسے لپٹا کر رونے لگتیں..... لاکھ ضبط کرنے کی کوشش کرتیں لیکن آنسو تو بے اختیار ہوتے ہیں، یہ ہماری مرضی سے ہماری آنکھوں میں نہیں آتے بلکہ لاکھ کوشش، بے تحاشہ ضبط آخری حدوں کو چھونے کی کوششیں بھی ناکام کر دیتے ہیں۔ ہم کتنے بے اختیار ہو جاتے ہیں کہ اپنی تمام تر کوشش کے باوجود بھی انہیں روک نہیں پاتے، بے بس ہو کر ان کے رحم و کرم پر اس وقت کے منتظر ہوتے ہیں کہ کب یہ تھک ہار کر خود ہی تھم جائیں۔ یہی حال آج کل زرنگار بیگم کا تھا..... جب بے بس ہو جاتیں تو آنسو خود بخود بہنے لگتے، دادو کو روتا دیکھ کر ننھی عریج سہم جاتی، اسے دادو کا رونا بہت برا لگتا تھا۔

اتنا ڈھیر سارا سامان تھا لیکن..... جس چیز کی تلاش زرتاشہ اور مختار کو تھی وہ نہیں ملا، نہ والٹ، نہ سیل فون، نہ چیک بک اور نہ ہی پری گل کا پرس..... یعنی اس حادثے میں بظاہر ہمدردی کرنے والے لوگوں میں وقت کا فائدہ اٹھانے والے لوگ فائدہ اٹھا گئے تھے، کاروبار، جائیداد، روپیہ پیسہ، اس بارے میں کوئی اتا پتا نہ تھا۔ زرنگار بیگم کو تو روپیہ پیسہ سے کوئی لگاؤ نہ تھا ان کے لیے زوار سے ملنا ہی سب سے بڑی خواہش تھی لیکن زرتاشہ..... زرتاشہ کو مادی اشیاء کی زیادہ ضرورت تھی وہ تہ پری گل کو برداشت کرنے پر بھی اسی سوچ کے تحت راضی ہوئی تھی کہ اب زوار اور پری گل کسی قابل ہو چکے تھے، ان کا سٹیٹس بن گیا تھا۔

ابتدائی کچھ دن تو تازہ تازہ معاملہ تھا..... کچھ سوٹ کیسز سے ملنے والی اشیاء تھیں گھر کا مکدر ماحول تھا کہ زرتاشہ برداشت کر گئی لیکن تھوڑا وقت گزرا..... نگین بھی اپنے دو بچوں خضر اور ماریہ کے ساتھ آ گئی تھی۔ اب اس کے شوہر کا ارادہ بھی یہی تھا کہ وطن واپس لوٹ آئے اور یہاں آ کر رہے، اس سلسلے میں کوششیں کر رہے تھے، زرتاشہ کو اب نگین کی بھی شہہ مل گئی تھی، وہ دونوں ننھی عریج سے مختلف قسم سے سوالات کرتی۔

''عریج تمہارے پاپا آفس جاتے تھے، وہ کیا کام کرتے تھے، پاپا کے ساتھ تم لوگ گھومنے کہاں کہاں جاتے تھے، پاپا کے کون کون سے دوست گھر آتے تھے، پاپا ان سے کیا باتیں کرتے تھے۔'' ننھی عریج ان بے تکے اور بے معنی سوالوں سے گھبرا جاتی، پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگتی، ہونٹ لمبا کر کے، آنکھیں گھما کر کچھ سوچتی۔

''بس پاپا کے ایک فرینڈ انکل آتے تھے اور آنٹی بھی مما کی فرینڈ تھیں، ایک بھائی بھی تھا۔'' مجھ سے بڑا اتنا، وہ ہاتھ لمبا کر کے بتاتی۔ ''وہ میرے ساتھ کھیلتا تھا۔'' اچانک اس کا معصوم چہرہ دمک جاتا، جیسے کچھ یاد آ رہا ہو، کوئی سنہری یاد۔

''ارے واہ گڈ..... یہ بتاؤ پاپا انکل سے کیا باتیں کرتے تھے؟'' زرتاشہ اس کو مزید کریدتی۔

''پتا نہیں۔'' وہ کاندھے اچکا دیتی۔

''تمہیں اپنے انکل کا نام تو پتا ہوگا ناں؟ اور فون نمبر۔'' نگین بھی سوال کرتی۔

''نہیں۔'' وہ سر کھجاتی۔ ''جی جی پتا ہے۔'' ایک لمحے کو رک کر دوبارہ کہتی۔ ''انکل..... نام تھا ان کا۔''

''اف۔'' وہ دونوں سر پکڑ لیتیں۔

''زرتاشہ تم پاگل ہوگئی ہو کیا؟ بھلا چار پانچ سال کی بچی کیسے یہ سب باتیں بتا سکتی ہیں، کیسے فضول سوال کر رہی ہو تم دونوں، فون نمبر یاد رکھ سکتی ہے کیا وہ..... وہ بھی کسی اور آدمی کا۔'' مختار جو کافی دیر سے نگین اور زرتاشہ کو کھوجتے دیکھ رہا تھا آخر کار جھنجلا کر بولا۔

''کر دیکھی ہے کوشش کوئی ثبوت، کوئی ایسی نشانی نہیں ملی کہ جس سے زوار کے بارے میں پتا چلے..... کم بخت لوگ کیسے ہیں، اپنی اپنی موت بھول کر دوسروں کی نعشوں پر بھی اپنے مفاد تلاش کرتے ہیں، ذرا بتاؤ بھلا ان کے کس کام کے ہوں گے زوار کے ڈاکومنٹس۔'' مختار کی جھنجلاہٹ برقرار تھی۔

''اس کا تو یہی مطلب ہے کہ ہم چپ کر کے بیٹھ جائیں اور اس سے اچھے تو پہلے ہی تھے اب خوامخواہ کی یہ مصیبت بھی گلے میں ڈال کر ڈھول پیٹتے رہیں گے کیا؟'' زرتاشہ کے دل کی بات آخر کار لبوں پر آ ہی گئی۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو زرتاشہ؟ ممانہ سن لیں۔'' مختار کو مما کے سننے کا ڈر ہوا۔

''پھر..... پھر کیا کہوں..... ہم تو اس وجہ سے خوش تھے کہ ہمیں مالی سپورٹ مل رہی تھی، ہمیں کیا پتا تھا کہ الٹا یہ مصیبت آپڑے گی، اس بچی کی ذمے داری اور خاص طور پر لڑکی کی ذمے داری اٹھانا کوئی آسان بات نہیں ہوتی..... آج کی چھوٹی کل کی بڑی..... ہزاروں اخراجات ہوں گے۔ ہم اپنے بچوں کے خرچے پورے نہیں کر پا رہے ڈھنگ سے، اب اس کے کیسے کر پائیں گے؟ کل شادی بھی کرنی ہوگی

،اتنی بڑی ذمے داری.....اتنا بڑا خرچہ، آسان تو نہیں ہوتا ناں؟ اچھے بھلے دور ہی ٹھیک تھے، خوامخواہ کے چاؤ چونچلے جاگے، برسوں بعد محبت نے جوش مارا اور رابطہ ہو گیا، نہ ہی ہوتا تو اچھا تھا۔'' زرتاشہ کی جھنجلاہٹ عروج پر تھی، نگین اٹھ کر کمرے سے جا چکی تھی۔

''زرتاشہ.....اللہ کے واسطے چپ ہو جاؤ تم.....ابھی دس دن بھی نہیں ہوئے اس معصوم بچی کو یتیم ہوئے، اسے تو حالات کا اندازہ بھی نہیں ہے، جہاں دو بچے پل رہے ہیں یہ بھی پل جائے گی۔'' مختار کے اندر شاید کوئی سوفٹ کارنر موجود تھا، زرتاشہ نے پلٹ کر کھا جانے والی نظروں سے پہلے ننھی عریج کو دیکھا جو سر جھکائے اپنی ڈولی سے کھیل رہی تھی پھر مختار پر تیکھی نظر ڈالی اور منہ بنا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

''نانو اسے ہٹائیں اپنی گود سے، ہر وقت آپ کے پاس کیوں گھسی رہتی ہے یہ؟ آپ مجھے پیار بھی نہیں کرتیں، اس کو پیار کرتی ہیں، یہ کون آ گئی ہے؟'' پانچ سالہ حاویہ نے عریج کو زرنگار بیگم کے پہلو سے گھسیٹ کر ہٹانے کی کوشش کی تو عریج بری طرح ڈر گئی۔

''ارے.....ارے نہیں حاویہ ایسے نہیں کرتے، بہنا ہے یہ بھی آپ کی۔'' زرنگار بیگم نے آگے بڑھ کر حاویہ کی گرفت سے عریج کا بازو چھڑاتے ہوئے پیار سے کہا۔

''کوئی نہیں تھی نا آپ کی بہن، اب اللہ پاک نے دے دی ہے۔''

''بہن.....مجھے نہیں کھیلنا اس سے، یہ اچھی نہیں ہے مما کہتی ہیں یہ گندی ہے.....اس نے اپنے پاپا اور مما کو بھی مار دیا ہے، یہ گندی والی بچی ہے۔''

''نہیں.....نہیں بیٹا ایسی باتیں نہیں کرتے، توبہ کرو بری بات ہوتی ہے، اللہ پاک نے اس کے مما پاپا کو اپنے پاس بلوا لیا ہے، یہ بے چاری اکیلی رہ گئی ہے، یہ گندی بچی تو نہیں ہوئی ناں؟'' زرنگار بیگم کا دماغ حاویہ کی بات پر گھوم گیا تھا، یہ ننھے ننھے ذہنوں میں ان کی مائیں کیسی کیسی باتیں ڈال رہی تھیں کہ بچے بدگمانی کی حدوں کو چھو رہے تھے، عریج کی دوسرے معنوں میں منحوس سمجھنے والے کوئی اور نہیں اس

کے اپنے سگے تھے، سگی پھوپی، تائی؟

''یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے؟'' خونی رشتوں کی اتنی منفی سوچ کہاں سے آ گئی، کیسی کیسی اوٹ پٹانگ باتیں ہو رہی تھی گھر میں۔ ''حاویہ چلو تمہیں باتھ لینا ہے جلدی سے باہر آؤ۔'' باہر سے نگین کی آواز آئی تو حاویہ عریج کو غصے سے گھورتی ہوئی باہر کی طرف چلی گئی۔ زرنگار بیگم نے عریج کے حواس باختہ چہرے کو دیکھا تو انہیں رونا آ گیا۔

''اللہ پاک..... اس معصوم بن ماں باپ کی بچی پر اپنا رحم کرنا میرے مولا..... کیسی آزمائش ڈال دی ہے تو نے؟ میں، میں کب تک اسے زمانے کے سرد و گرم، لوگوں چبھتی نظروں، کٹیلے جملوں اور اور زہریلے الفاظ کے نشتروں سے بچا پاؤں گی؟'' ان کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

رات کے کھانے کے لیے عریج زرنگار بیگم کے برابر والی کرسی پر بیٹھنے لگی تھی کہ نویر آ گیا۔

''ہٹو..... یہ میری چیئر ہے۔'' نویر نے پرے دھکیلتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

''مجھے دادو کے پاس بیٹھنا ہے۔'' وہ منمنائی۔

''تو ادھر والی چیئر پر بیٹھو'' ہاتھ پکڑ کر دوسری جانب دھکا دیتے ہوئے نویر خود کرسی پر بیٹھ گیا۔

''نویر بیٹا آرام سے..... یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' مختار ابھی آیا تھا اور نویر کو عریج کے ساتھ دھکم پیل کرتے دیکھ کر بولا۔

''پاپا کتنی دفعہ منع کیا ہے اس کو ہمیشہ یہیں پر بیٹھنے کی کوشش کرتی ہے۔'' نویر اسے گھورتے ہوئے بولا۔

''بچی ہے نویر..... بھول جاتی ہو گی۔'' زرنگار بیگم کو بھی نویر کی بدتمیزی اچھی نہیں لگی تب ہی بولی۔

''بھول جاتی ہو گی..... اتنی بھی بچی نہیں۔'' نویر کہاں چپ رہتا حاویہ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، اسے ویسے بھی عریج سے چڑ ہونے لگی تھی جو نانو پر قبضہ کر کے بیٹھی تھی۔

''اوکے..... اوکے بیٹا غصہ نہیں کرتے چلو کھانا سٹارٹ کرو ٹھنڈا ہو جائے گا۔'' زرتاشہ نے نویر

کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی توجہ کھانے کی جانب کروائی، ویسے زرتاشہ کو بھی خوامخواہ عریج سے چڑ ہونے لگی تھی۔

''مختار بیٹا تم ذرا بچوں کو سمجھاؤ، اب عریج کو ہمارے ساتھ ہی رہنا ہے تو بچوں خصوصا حاویہ کو سمجھاؤ کہ اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار نہ کرے، اس سے بھی کھیلا کرے..... نمیر اور نویر کو بھی سمجھاؤ کہ عریج ان کی بہن ہے، وہ جس طرح حاویہ کا خیال رکھتے ہیں، اس کے ساتھ کھیلتے ہیں، ویسے ہی عریج کا بھی خیال رکھیں، اس طرح سے تو حالات خراب ہوں گے..... آگے چل کر مزید خرابی پیدا ہو سکتی ہے، دلوں میں دوریاں اور نفرتیں جنم لیں گی، عریج کو اس وقت ہمارے اچھے رویے کی ضرورت ہے، اس کی شخصیت پر برے اثرات پڑ سکتے ہیں، میں بہت سمجھاتی ہوں مگر بچے عریج کے ساتھ بہت غلط بی ہیو کرتے ہیں۔'' موقع دیکھ کر زرنگار بیگم نے مختار سے بات کی، وہ کافی دن سے اس کوشش میں تھیں کہ مختار سے بات کریں۔

''اوہو مما اگر عریج بچی ہے تو، وہ بھی بچے ہی ہیں، ظاہر ہے اپنے گھر میں، اپنی چیزوں میں حتیٰ کہ رشتوں میں جب کسی کی اچانک شراکت داری دیکھیں گے تو ری ایکٹ تو کریں ناں..... بچے بھی ذہنی طور پر چاچو کے منتظر تھے اچانک سے اتنا سب کچھ ہو گیا اور وہ رہ گئی ایک روتی بسورتی بچی، وہ بھی آپ سے چمٹی رہتی ہے، بچوں کے لیے بھی یہ سب شاکڈ ہے، آپ کو چاہیے کہ آپ عریج کو بھی سمجھائیں، اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کریں دونو جانب دیکھیں مما، ایک طرف دیکھ کر خوامخواہ شاکی ہونے کی ضرورت نہیں۔'' زرتاشہ نجانے کب آئی تھی کہ مختار کے جواب دینے سے پہلے اس نے لمبی چوڑی تقریر کر کے سارا ملبہ زرنگار بیگم پر ہی ڈال دیا تھا..... زرنگار بیگم زخمی نظروں سے خاموش اور مطمئن بیٹے کو دیکھنے لگیں جو بیوی کی بات پر اثبات میں سر ہلا کر اس کی بات کی تائید کر رہا تھا گویا زرنگار بیگم کو چپ رہنے کا اشارہ تھا، زرنگار بیگم ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں۔

''یا اللہ پاک، مجھے ہمت دے، حوصلہ دے کہ اس نازک صورت حال کو احسن طریقے سے ہینڈل کر پاؤں..... میرے لیے تو نے بڑی آزمائش چن لی ہے میرے رب، مجھے ثابت قدم رہنے کی توفیق دے، آمین ثم آمین۔'' وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھیں۔

''مختار کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ اتنے مہنگے اسکول میں داخل کروانے کی کیا ضرورت ہے؟ اپنے بچوں کا پورا کرنا مشکل ہے اوپر سے اس کی ذمے داری بھی سر پر آ پڑی ہے، سمجھ نہیں آتا کہ زوار کو اتنا سیکریٹ رکھنے کی کیا ضرورت تھی..... جو ہر چیز چھپا کر رکھی، نہ جائیداد کا اتا پتا ہے، نہ ہی کسی دوست احباب کا ذکر..... اچھا کھیل کھیلا ہے دونوں میاں بیوی نے مل کر پہلے بھی ہمیں پاگل بنا کر ہمارے ناک کے نیچے ڈرامے چلتے رہے اور اب..... ایک بار پھر ہمیں بے وقوف بنا گئے۔''

''زرتاشہ اللہ کا خوف کرو کچھ، کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟'' مختار نے عریج کے اسکول میں داخلے کا ذکر کیا تو زرتاشہ ہتھے سے اکڑ گئی۔

''آپ ہی بتائیں مختار، کیا میں غلط کہہ رہی ہوں، ہم پہلے ہی کیا کم پریشان تھے، آمدنی ہے کہ کم سے کم ہوتی جا رہی ہے اور اخراجات بڑھتے جا رہے ہیں، یہاں اپنا گھر چلانا، اپنے بچے پالنا ہی مشکل تھا کہ ناگہانی ذمے داری بھی سر پر آ گئی ہے، لو بھئی پڑھاؤ، لکھاؤ، کھلاؤ، پلاؤ حتیٰ کہ دل بھی بہلاؤ، سارے دھندوں کے لیے ہم ہی رہ گئے ہیں ناں؟'' زرتاشہ بڑبڑاتی ہوئی کچن کی سمت چل دی، اس نے جان بوجھ کر قدرے اونچی آواز میں کہا تاکہ لاؤنج میں بیٹھی زرنگار بیگم اس کی آواز سن سکیں۔

کچھ لوگوں کے نصیب میں نسل در نسل آزمائشیں لکھی ہوتی ہے، پہلے گل مینا پھر پری گل اور اب عریج..... ہر کسی کی الگ کہانی لیکن دکھ ایک جیسا..... سب کی زندگی میں آزمائشیں مگر نوعیت الگ الگ، گل مینا کی زندگی کتنے دکھوں، آزمائشوں میں گزری پھر پری گل نے کیسے کیسے حالات دیکھے اور اب عریج یتیمی، یسیری اور بے اعتنائی، بے توجہی اور غلط رویوں کی زد میں تھی، وہ معصوم جوان باتوں کا

مطلب تک نہیں جانتی تھی، اس پر کیا کڑا وقت آ گیا تھا۔

''اللہ پاک اس ننھی بچی کے لیے آسانیاں پیدا کر دے میرے مالک، تیرے پاس تیرے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے، اس کے لیے بھی بہتر راستے کھول دے میرے پروردگار، ان لوگوں کے دل میں رحم ڈال دے جن کے در پر تو نے اس بچی کو ڈال دیا ہے۔'' زرنگار بیگم کی پلکیں نم ہوئی تھیں۔

پھر عام سے پرائیویٹ اسکول میں عریج کا ایڈمیشن کروا دیا گیا تھا، اس کو اسکول سے لانے اور لے جانے کی ذمے دار نیاز بابا (گھر کے نوکر) کی تھی کہ گاڑی کا اضافی خرچہ برداشت کرنے کی ہمت زرتاشہ میں نہیں تھی، ویسے بھی اسکول فیس، ایڈمیشن، یونیفارم، اور کورس کی مد میں خرچ ہونے والی رقم کا رونا پورے ہفتے زرتاشہ روتی رہی تھی۔

ایک دو بار نیاز بابا کو یہ بات بری لگی کہ صبح صبح نمیرا اور نویر کی تو گاڑی آ کر انہیں اسکول لے جاتی اور ننھی عریج پیدل کافی لمبا راستہ طے کر کے نیاز بابا کی انگلی تھامے اسکول جاتی۔ اکثر نیاز بابا اسے گود میں اٹھا لیتے، ان کو ننھی عریج پر ترس آتا، حالات کا انہیں علم تھا زرتاشہ نمیرا اور نویر کا رویہ بھی محسوس کرتے، نگین آ جاتی تو اس کے بچے کیف اور حاویہ کا بھی رویہ عریج کے ساتھ بہت ہتک آمیز ہوتا..... چار بچے مل کر کھیلتے اگر عریج چلی جاتی تو وہ لوگ کھیل ختم کر دیتے یا اسے بھگا دیتے صاف کہہ دیتے کہ جگہ نہیں ہے ہم چاروں ہی کھیلیں گے، عریج منہ بسورتی ہوئی وہاں سے لوٹ جاتی۔ ایسے میں نیاز بابا کا چھوٹا سا پوتا جو عریج سے کچھ ہی سال بڑا تھا..... وہ عریج کو دیکھ کر اسے اپنے پاس بلا لیتا زیدان کے ساتھ مل کر وہ خوش ہو جاتی..... وہ معصوم بچی تھی جس کو توجہ اور ساتھ کی ضرورت تھی لیکن یہاں پر تو کسی کے پاس نہ پیار کے دو لفظ تھے نہ ہی وقت جو عریج کو دے سکے..... کبھی کبھی کھیل کھیل میں بچے کہہ دیتے۔

''تم مت آؤ، ہم لوگوں کو ڈر لگتا ہے تم سے، میری مما کہتی ہے تم یتیم ہو۔''

''ہائے اللہ یہ یتیم .....'' لفظ کیا ہوتا ہے وہ آنکھیں پھیلاتے سوچنے لگتی۔ وہ زرنگار بیگم کے

سامنے کھڑی سوال کر رہی ہوتی۔

''دادو یہ یتیم کسے کہتے ہیں، میں یتیم ہوں..... مطلب گندی بچی ہوں، اس لیے سب بچے مجھ سے نہیں کھیلتے دادو..... میں ہاتھ لے کر صاف ہو جاؤں گی ناں، ویسی گندی ہوں؟''

''اف.....'' زرنگار بیگم تڑپ جاتیں، یہ کیسی روش پر چل رہے تھے، کیسی کیسی باتیں ان کے ذہنوں میں ڈالی جا رہی تھی؟

''زیدان..... یتیم کسے کہتے ہیں؟'' جب دادو سے جواب آنسوؤں کی صورت میں ملا تو، تو اسے زیدان ہی نظر آیا جو اس سے باتیں کرتا تھا، اس کے ساتھ کھیلتا تھا، آٹھ سالہ زیدان مرتضیٰ جو عریج کو بہت بڑا اور عقل مند لگتا تھا اس کی ہر بات کا جواب جو دیتا تھا۔

''یتیم؟'' زیدان نے زیر لب دہرایا۔ ''مطلب جن کے ابو جی نہیں ہوتے میری طرح..... میرے ابو جی بھی اللہ کے پاس چلے گئے ہیں اور میں دادا جی اور دادی اماں کے ساتھ رہتا ہوں۔''

''اوہو۔'' عریج کو زیدان اپنے جیسا لگا، تب اسے احساس ہوا جن کے پاپا نہیں ہوتے وہ یونہی دوسروں کے پاس رہتے ہیں۔

اسکول کی چھٹیاں ہوئیں تو نگین بچوں کے ساتھ آ گئی، گرمیوں کی خوشگوار شام تھی سارے بچے لان میں جمع تھے کرکٹ کھیلنے کا موڈ ہوا تو نمیر اندر سے گیند بیٹ اور وکٹیں لے آیا..... عریج اندر سے باہر لان کی طرف آئی تو بچوں کا شور و غل مچا ہوا تھا، خوب مزے سے کھیل جاری تھا، عریج کو زیدان کا انتظار تھا، آج نیاز بابا کے ساتھ آنے والا تھا، کل وعدہ کر کے گیا تھا کہ آج اس کے لیے ویڈیو گیم لے کر آئے گا، پھر دونوں مل کر کھیلیں گے، زرنگار بیگم بھی عصر کی نماز پڑھ کر لان میں آئیں اور کرسی پر بیٹھ گئیں۔ نمیر کی بیٹنگ تھی، حاویہ بولنگ کروا رہی تھی اور کیف اور نویر فیلڈنگ کر رہے تھے، حاویہ نے بال پھینکی نمیر نے زوردار شاٹ مارا بال سیدھا نویر کے ہاتھ میں آ جاتی اس سے پہلے نیاز بابا اور زیدان کو گیٹ سے اندر

داخل ہوتے دیکھ کر عریج خوش ہو کر بھاگی، اس کے بھاگنے سے بال نویر کے ہاتھ میں آنے کے بجائے نویر عریج سے ٹکرایا اور بال اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

''اوئے پاگل، جاہل، منحوس بیچ میں آ گئی۔'' نویر کو بال چھوٹنے پر اتنا غصہ آیا کہ جھنجلا کر غصے اور بدتمیزی سے گالیاں دیتا ہوا زور سے عریج کو دھکا دے کر گرا دیا۔ عریج کی کمر میں کیاریوں کے ساتھ لگا بڑا سامنی پلانٹ کا گملا لگا، وہ بری طرح سے گری تھی، تکلیف اور درد کی شدت سے زور زور سے رونے لگی، زرنگار بیگم بھاگیں، نیاز بابا اور زیدان بھی تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

''ارے نویر بابا، بری بات ہے بیٹا جی..... بہنا کو چوٹ لگ گئی ہے نا۔'' نیاز بابا ملائمت سے کہتے ہوئے عریج کو پکڑ کر گھاس پر سے اٹھاتے ہوئے بولے۔

''کیچ چٹوا دیا اس پاگل نے۔'' نویر بدستور غصے سے جھنجلایا ہوا تھا۔

''تو کیا ہوا پھر لے لیں گے آپ۔'' نیاز بابا نے کہا از وقت زرتاشہ، نگین اور مختار باہر آئے۔

''آپ چپ کریں بابا..... آپ کو کیا پتا؟ یہ ہمیشہ بیچ میں آ کر ہمارا کھیل بگاڑ دیتی ہے۔'' نمیر بھی بدتمیزی سے بولا۔

''نیاز بابا آپ اپنی حد میں رہیں۔ شرم نہیں آتی بچوں کے منہ لگتے ہوئے؟'' زرتاشہ کو یہ بات گوارا نہ تھی کہ ملازم عریج کے لیے اس کے بیٹے کو نرمی سے ہی سہی مگر کچھ بھی کہے۔

''بی بی میں نے تو کچھ نہیں کہا یہ نمیر بابا اور نویر بابا خوامخواہ غصی کر رہے ہیں، بچی کو اتنے زور سے گرا دیا تو میں نے سمجھایا ہے بس۔'' نیاز بابا نے صفائی دی۔

''آپ کو سمجھانے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ ہوتے کون ہیں میرے بچوں کو سمجھانے والے؟ اپنی اوقات میں رہیں آپ ملازم ہیں، اس گھر کے مالک نہیں کہ گھر کے مالکان پر انگلی اٹھائیں، جتنے ہیں اتنے ہی رہیں، زیادہ بڑبڑ کرنے کی ضرورت نہیں، کئی بار میں نے نوٹ کیا ہے آپ کا کلیجہ بہت پھڑکتا

ہے یہ آپ کی نہیں، ہماری رشتے دار ہے، ہم آپ سے بہتر خیال رکھ سکتے ہیں اس کا آپ کو یہاں رہنا ہے تو اپنے کام سے کام رکھیں..... بے جا مداخلت کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے آئی سمجھ؟'' زرتاشہ بدتمیزی کی ساری حدیں پار کر کے بول رہی تھی۔

''زرتاشہ اتنا غصہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' زرنگار بیگم کو زرتاشہ کی بدتمیزی اچھی نہیں لگی جبکہ چاروں بچے دھیمے دھیمے مسکرا رہے تھے..... زیدان کے چہرے پر بے تحاشہ غصہ تھا۔

''معاف کیجیے بی بی بے شک میں نوکر ہوں مگر ایک انسان بھی ہوں، میرے سینے میں جو دل ہے اس میں ہمدردی ہے اس لیے مجھے یہ اچھا نہیں لگا بے شک یہ بچی آپ کی رشتے دار ہے میری نہیں مگر میرا اس یتیم بچی سے انسانیت کا رشتہ ہے شاید خون کے رشتوں میں وہ کشش، خلوص خیال، محبت باقی نہیں رہی جو انسانیت کے ناتے بننے والے رشتے میں ہے اور میں اسی رشتے کو نبھاتے ہوئے صحیح بات کہنے کی گستاخی کر بیٹھا۔'' نیاز بابا کی بات پر زرتاشہ کو پتنگے لگ گئے۔

''تم..... دو کوڑی کے انسان، تمہاری کیا اوقات ہے ہمارے ساتھ بک بک کرنے کی، ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والے، ہمارے سامنے غرا رہے ہو..... دفع ہو جاؤ یہاں سے، اپنے انسانیت کے رشتے کے ساتھ، اس رشتے سے بھوک مٹا لینا..... اس رشتے سے بیماری میں دوا دارو لے آنا، آج کے بعد ہمارے گھر میں قدم رکھنے کی کوشش بھی مت کرنا، تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں ایسے گھر میں ملازمت بھی کر سکو، تم جھونپڑوں میں رہنے والے چھوٹے لوگ تمہیں وہی راس آتے ہیں۔''

''جی بی بی جی شکریہ آپ کا..... مجھے بھی یہاں رہنے کا شوق نہیں ہے، جو لوگ اپنے خون سے وفا نہیں کر سکتے وہ بھلا غیروں کو کیا دے سکیں گے، بس اس معصوم بچے کے لیے ہمیشہ دل سے دعا ہی نکلے گی۔'' نیاز بابا نے طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے ایک گہری نظر زرتاشہ پر ڈالی اور زیدان کا ہاتھ تھام کر تیز تیز قدموں سے بیرونی گیٹ کی جانب چل دیئے، عریج اپنا درد بھول کر حران پریشان پہلے شور شرابے سے

خوفزدہ زرنگار بیگم کی گود میں منہ چھپا کر دم بخود دیکھتی رہی، پھر نیاز بابا اور زیدان کو جاتا دیکھنے لگی.....

زیدان نے ایک بار مڑ کر اسے دیکھا بھی تھا۔

''بی بی جی، یہ بنگلہ، یہ شان وشوکت، یہ امارت، یہ سب عارضی ہے.....یہیں چھوڑ جانا ہے، ہمارے ساتھ ہمارے اعمال اور نیتیں جائیں گی اگر رب آپ کا ہے تو وہی رب میرا بھی ہے، اس ننھی سی بچی کا بھی ہیاور جو زوال دینے والا اگر وہ آپ کو نواز سکتا ہے تو ہم بھی اس کی عطا سے مایوس نہیں ہے .....وہ ہمیں بھی نواز سکتا ہے، اچھے دنوں میں اتنا غرق نہیں ہونا چاہیے کہ بریدنوں کی اذیت کو دوسروں کے لیے گالی بنا کر اس کا طعنہ ان کے منہ پر دے ماریں۔'' جاتے ہوئے نیاز بابا نے رک کر زرتاشہ کو دیکھتے ہوئے بڑے ٹھہرے ٹھہرے اور گھمبیر لہجے میں کہا، قبل اس کے کہ مختار جذبات میں آگے بڑھ کر ان کو دھکے دے کر نکالتا وہ خود ہی گیٹ سے باہر نکل گئے تھے۔

اچھا ہو یا برا.....کٹھن ہو یا آسان، خوشی سے گزرے یا دکھ کے ساتھ، یہ وقت گزر ہی جاتا ہے، وقت آہستہ آہستہ چال چلتے ہوئے گزرتا چلا جا رہا تھا، گزرتے وقت نے عریج کو بہت سے سبق سکھا دیئے تھے، اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی زندگی اس طرح گزرے گی لہذا اس نے خود کو حالات کے سانچے میں ڈھالنا سیکھ لیا تھا، اتنی سی عمر میں اسے صحیح غلط کا اندازہ ہو چکا تھا، اس کو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ چکی تھی کہ وہ اس بڑے سے گھر میں اضافی شے کی طرح ہے، دوسروں کے لیے غیر اہم اور غیر ضروری لیکن اس کی حیثیت نوکرانی جیسی تھی، چھوٹے موٹے کام کرنا اس کی ذمے داری تھی، زرتاشہ اور بچے تو بچے مختار بھی وقت کے ساتھ بدل چکا تھا.....ابتدا میں تو پھر بھی کبھی کبھی وہ عریج ج کی حمایت کر لیتا مگر وقت کے ساتھ ساتھ وہ بھی زرتاشہ کی زبان بولنے لگا تھا اور زرتاشہ کے ذہن سے سوچنے لگا تھا۔ نمیر، نویر، کیف اور حاویہ کا رویہ بدستور ہتک آمیز ہی تھا، صرف دادو کا دم غنیمت تھا جہاں آ کر عریج کو تحفظ کا احساس ہوتا۔

☆.....☆.....☆

اعظم شیخ واپس لوٹے تو زوار کی غیر موجودگی سے حیران رہ گئے .....زوار بنا بتائے جا چکا تھا .....اندازہ تو تھا کہ وہ پاکستان ہی گیا ہوگا، مگر یوں اچانک بغیر بتائے وہ کیسے جا سکتا ہے اور پھر نہ ٹیلی فونک رابطہ نہ ہی دوسرا کوئی ذریعہ.....اعظم شیخ منتظر ہی رہے.....لاکھ کوششیں کیں مگر ساری تلاش بے کار ثابت ہوئی، کوئی رابطے کا ذریعہ ہی نہیں تھا نہ ہی ان کو اس بات کی خبر تھی کہ زوار اپنی فیملی سے ملنے گیا ہے.....زوار نے اصلیت تو چھپا رکھی تھی، اعظم شیخ ایک ایمان دار انسان تھے، زوار کا یوں غائب ہو جانا وہ بھی فیملی کے ساتھ ان کے لئے خاصا پریشان کن تھا۔ زوار شاہ کا پیسہ کاروبار میں لگا ہوا تھا، کاروبار دونوں کا تھا، زوار کا حصہ بنتا تھا، مگر زوار سے کوئی رابطہ ہی نہیں تھا، بے چارے پریشان ہو رہے تھے، زوار کے دوست احباب بھی نہیں تھے کہ کس پوچھتے؟ کس سے پتا کرتے.....کوششیں کر کے تھک ہار کر حالات کو اللہ کے سپرد کر کے بیٹھ گئے.....نہ زوار کا سیل آن تھا، نہ ہی پری گل کا یہ معمہ بن کر رہ گیا تھا .....اعظم شیخ اور علیشا بے چارے سوچ سوچ کر پریشان ہوتے رہتے تھے۔

☆.....☆.....☆

عریج عمر کی منزلیں طے کرتے ہوئے جوانی کی دہلیز تک پہنچ گئی تھی.....حسن و خوبصورتی میں پری گل کی طرح تھی، پڑھائی میں ہمیشہ اچھی رہی، اس نے گھر کے کاموں کے ساتھ ساتھ پڑھائی کو اپنا مصرف بنا لیا تھا اور دوسرا کوئی کام نہ تھا اور نہ مصروفیت، دادو کے ساتھ رہنا، ان کی خدمت کرنا اور اپنے کام سے کام رکھنا.....نمیر اور نویر نے بھی جیسے تیسے گریجویشن کر کے کاروبار میں شرکت کر لی.....کاروبار بس نام کا رہ گیا تھا، نگین کے شوہر کا دل پاکستان میں نہیں لگا سو وہ آئے ضرور تھے کہ یہیں کاروبار کریں گے مگر یہاں کے حالات دیکھ کر دوبارہ واپس چلے گئے تھے، نمیر اور نویر بھی باپ کی کاپی تھے مغرور، لاابالی ،اور خود پسند.....وہ تو دو اچھے ورکرز تھے کہ کاروبار چل رہا تھا ورنہ ان لوگوں میں اتنی اہلیت نہیں تھی کہ کاروبار ٹھیک طریقے سے چلا سکتے، محنت سے جی چرانے میں صرف اپنے اوپر دھیان دیتے، اچھے

کپڑے، بہترین جوتے غیر ملکی پرفیوم، نئے سیل فون، یہی شوق تھے دونوں کے، مختار کچھ کہتا تو الٹا زرتاشہ اسے ہی ٹوک دیتی۔

''یہی عمر تو ہے ان کی، یہ شوق پورے نہیں کریں گے تو کون کرے گا، کسی سے بھیک تو نہیں مانگتے ناں؟ جب دوسرا آ کر ہمارے پیسوں پر ٹھاٹ سے زندگی گزار رہا ہے تو..... جن کا حق ہے ان کو تو مرضی کرنے دیں اپنی اور ویسے بھی آپ نے کون سا کاروبار کو کاروبار کی طرح سنبھالا ہے شروع سے یہی حال رہا ہے، گھر تک تو گروی رکھنے کی نوبت آ گئی تھی۔''

''اف توبہ کیسی باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو زرتاشہ۔'' مختار کھسیا کر بولا۔

''جب حالات پھر بھی بہتر تھے اب حالات بدل چکے ہے، اگر اس طرح سلسلہ چلتا رہا، تو بھیک مانگنے کی نوبت بھی آ سکتی ہے۔ تمہیں اندازہ بھی ہے دونوں بیٹے کتنا پیسہ لٹا رہے ہیں..... پہلے تو زوار نے گھر بچا لیا تھا مگر اب..... اللہ مالک ہے۔''

''بڑے پاپا میں آ جاؤں۔'' دروازے میں عریج کو کھڑا دیکھ کر مختار کچھ کہتے ہوئے چپ ہوا اور عریج کو اشارے سے آنے کے لیے کہا۔

''بڑے پاپا میں پرائیویٹ ماسٹرز کرنا چاہتی ہوں۔'' سر پر سلیقے سے دوپٹہ جمائے وہ نظریں جھکا کر بولی۔

''او بی بی، اللہ کو مانو، بس بہت ہو چکا، بی ایس سی کر لیا ہے ناں کافی ہے، نہیں ہے ہمارے پاس مزید پیسہ۔'' مختار کے جواب دینے سے پہلے زرتاشہ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''بڑے پاپا آپ اجازت دیں تو میں جاب کر کے پڑھائی کا خرچہ اٹھا لوں گی۔'' وہ دوبارہ گویا ہوئی۔

''کیسی جاب؟'' مختار نے پوچھا۔

''آج کل جاب میں اچھی سیلری ملتی ہے آپ کہیں تو میں ٹرائی کر لوں؟''

''ہاں.....ہاں کرلو.....اچھی بات ہے کرنا چاہیے تم کو بھی کچھ، کل کو شادی بھی کرنی ہوگی، کم از کم کچھ تو تمہارا حصہ بھی شامل ہو، اب ہم کتنا کریں گے؟'' زرتاشہ شاید دل سے اس بات کی منتظر تھی تب ہی مختار کے بولنے سے پہلے ہی جھٹ پٹ اجازت دے دی۔

''جی ٹھیک ہے تھینک یو بڑی مما۔''

عریج کچن کی صفائی کر کے باہر نکل رہی تھی کہ سامنے سے نمیر آ گیا۔

''دو کپ چائے بنا کر ڈرائنگ روم میں لے آؤ۔'' آرڈر دیا۔

''جی اچھا۔'' وہ واپس پلٹ گئی، جب سے عریج بڑی ہوئی تھی کام والی عورت کی چھٹی کر دی گئی تھی۔ اب صرف جھاڑو پوچا کرنے آتی تھی، نیاز بابا کے بعد زرتاشہ بہت بددل ہوگئی تھی، اس کے خیال میں چھوٹے لوگ اپنی اوقات دکھا جاتے ہیں۔

عریج نے چائے کپ میں نکال کر سلیقے سے ٹرے میں رکھے ساتھ شوگر پوٹ بھی رکھ دی، ایک بار نمیر سے اس بات پر بہت ڈانٹ پڑی تھی۔ تب سے وہ اس بات کا خیال رکھتی تھی، بچپن سے وہ جوانی کی دہلیز تک آ گئی تھی اس کو اپنی حیثیت کا اچھی طرح سے اندازہ ہو گیا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ کن حالات میں یہاں آئی اور اگر دادو کا دم نہ ہوتا تو شاید وہ اتنا عرصہ زندہ بھی نہ رہ پاتی.....اب زرنگار بیگم کافی بوڑھی ہو چکی تھیں مگر ان کا دم غنیمت تھا۔

''نمیر بھیا۔'' ڈرائنگ روم کے دروازے پر آ کر ہلکے سے آواز لگائی۔

''اوہو لے کر آ جاؤ ناں۔'' نمیر نے جھنجلا کر کہا، وہ اس وقت اپنے دوست ساحر کے ساتھ کوئی مووی دیکھ رہا تھا، وہ پہلے ہچکچائی، اس طرح سے دوستوں کے سامنے عموماً نہیں آتی تھی، مگر اب آرڈر تھا سو پورا ہی کرنا تھا۔

''السلام علیکم!'' آواز پر ساحر نے نظر اٹھائی، آسمانی لانگ شرٹ، سفید چکن کا ٹراؤزر، آسمانی پرنٹڈ

دوپٹہ سر پر اوڑھے اپنی سفید رنگت اور خوبصورت نقوش کے ساتھ ساحر کے حواسوں پر بجلی گرا رہی تھی۔

''وع.....الیکم.....السلام۔'' ساحر خواب کی کیفیت میں بولا۔

''اوکے.....ٹرے رکھ کر جاؤ۔'' نمیر نے کہا تو ٹرے رکھ کر وہ واپس پلٹی۔

''تمہاری بہن ہے؟' نا چاہتے ہوئے بھی ساحر پوچھ بیٹھا۔

''نہیں یار.....کزن ہے۔'' وہ بیزاری سے بولا۔

''اچھا۔''

''تمہاری پھپھو تو دوبئی میں ہوتی ہے ناں؟'' ساحر نے کریدا۔

''ہاں کیوں؟'' نمیر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''یہاں پھپھو کا کیا ذکر؟''

''میرا مطلب ہے تمہاری صرف ایک ہی پھپھو ہی ہیں ناں..... یہ ان کی بیٹی ہے کیا؟'' ساحر نے گڑبڑا کر وضاحت دی۔

''اوہ نہیں یار، تم کیا ذکر لے بیٹھے.....مووی کمپلیٹ کرو۔'' وہ بور ہو کر بولا۔ ساحر کو مجبوراً خاموشی اختیار کرنی پڑی مگر اسے تجسس ضرور ہوا کہ یہ کون سی کزن ہے۔ گزشتہ دو سال سے ساحر کی نمیر اور نویر سے دوستی تھی، کبھی بھی ذکر نہیں کیا حالانکہ ساحر پہلے بھی آتا رہتا تھا

ساحر نے چائے کا کپ اٹھا کر سپ لیتے ہوئے سوچا.....نمیر کی پوری توجہ پکچر پر تھی، مگر ساحر کی سوچ اور توجہ، اسی پری چہرہ آسمانی دوپٹے کے ہالے سے چمکتے چاند پر تھی۔

ساحر کوئی معمولی لڑکا نہیں تھا، شہر کے مشہور بزنس مین کا آوارہ اور بگڑا ہوا بیٹا تھا، جو دو سال نمیر کے ساتھ کالج میں بھی رہا تھا۔ بے تحاشا پیسے نے ساحر کو بھی دل پھینک نوجوان بنا ڈالا تھا، کئی گرل فرینڈ تھی گھومنا پھرنا، باپ کے پیسے پے عیش کرنا، اپنی مرضی کی لڑکی سے فلرٹ کرنا، جب تک دل چاہے اس

کے ساتھ رہنا، اور پھر چھوڑ دینا یہ ساحر کے مشغلے تھے۔

''کیا ہوا؟'' نمیر نے ساحر کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا، اسے لگا ساحر کہیں ناراض نہ ہو جائے، ساحر نمیر کے لیے اچھا سپورٹر تھا، ساتھ ساتھ وہ مختار کے بزنس کو بھی سٹیبل کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا، اسی لیے نمیر آج کل اس کے ساتھ رہتا، اس کے آگے پیچھے پھرتا، وہ ساحر کی ناراضگی افورڈ نہیں کر سکتا تھا، اس لیے کچھ لمحے بعد اسے احساس ہوا ساحر چپ چپ ہے۔

''کچھ نہیں۔'' ساحر نے کہا۔

''سوری یار فلم میں دھیان تھا میرا اس لیے تمہیں عریج کے بارے میں نہیں بتایا۔.....'' پھر نمیر نے ساری تفصیل ساحر کے گوش گزار کر دی کہ کس طرح زوار گھر سے چلا گیا اور کس طرح لوٹ کر دوبارہ آتے ہوئے وہ اور پری گل جاں بحق ہو گئے اور عریج کس طرح سے اس گھر کا حصہ بنی۔

''اوہو..... یہ بات ہے۔'' ساحر نے ساری داستان بڑی چل چسپی اور غور سے سنی، اس کا دل عریج پر آ گیا تھا، ایک لمحے میں ایک نظر میں ہی وہ عریج پر مر مٹا تھا۔ لیکن اس بار عریج کے لیے، اس کی سوچ یہ تھی کہ وہ عریج سے شادی کرے گا، عام لڑکیاں کی طرح اس کا استعمال نہیں کرے گا۔

جلد ہی عریج کو بینک میں فون بیکنگ آفیسر کی جاب مل گئی، گو اس کے لیے یہ کام بالکل نیا تھا اسے تو زیادہ بولنا بھی نہیں آتا تھا، اعتماد کی بھی کمی تھی مگر پھر بھی اللہ کے کرم سے اسے جاب مل گئی تھی ،زرنگار بیگم کو بہت عجیب سا لگ رہا تھا کہ ان کی پوتی یوں جاب کرے گو کہ اپنا کاروبار مختصر سہی مگر اب بھی برقرار تھا لیکن نمیر اور نویر بالکل بھی اس بات پر راضی نہیں تھے کہ اپنے آفس میں عریج کو نوکری کرے ،ویسے بھی ان کے اسٹاف میں خواتین کی ضرورت بھی نہیں تھی، وقت بھی کیسے کیسے رنگ دکھلاتا ہے۔ پہلے دن صبح عریج کو آفس کی تیاری کرتے دیکھ کر زرنگار بیگم سوچ رہیں تھیں ان کی حیثیت تو گھر میں معذول حکمران جیسی تھی، سب اپنی اپنی من مانی کرنے والے تھے، عبایا پہن کر عریج نے دوپٹہ اچھی طرح سے

لپیٹ کر نقاب لگا لیا، پک اینڈ ڈراپ کی سہولت بھی فی الحال موجود نہ تھی سو وقت سے کچھ پہلے نکلنا تھا۔ اسکول اور کالج جا کر عریج کو راستوں اور گاڑیوں کے حوالے سے خاصی معلومات ہو چکی تھی سو اس کے لیے جانا مشکل نہیں تھا۔ بینک برانچ کا منیجر شیخ عارض نوجوان اور انتہائی شریف النفس انسان تھا، اپنے کام سے کام رکھنے والا، اپنے طور سے مستحق لوگوں کی مدد کرنے والا اور ساتھ ساتھ اس کی یہی کوشش ہوتی کہ جاب پر بھی ایسے لوگوں کو موقع دیا جائے جو حقیقتاً اس جاب کی مستحق اور ضرورت مند ہو ورنہ تو انٹرویو کے لیے آنے والی لڑکیوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ کون صرف وقت گزاری کے لیے اپنی نمائش کرنے آنا چاہتی ہے اور کون سی ایسی لڑکی ہے جو مجبوری اور ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلی ہے۔ عارض بھی انٹرویو کے لیے آنے والی کچھ لڑکیوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا، اف اتنے تنگ لباس، ٹائٹس اتنی اسکن فٹنگ کہ اچھے بھلے مردوں کے ایمان ڈگمگا جائیں..... سیلولیس شرٹس، کسی کی کمر تک کی ٹی شرٹ تو کسی کی پنڈلیوں سے اوپر چڑھی ہوئی ٹائٹس لاحول ولاقوۃ..... عارض نے نگاہیں پھیرتے ہوئے لاحول پڑھی ..... اب تک تو انٹرویو اس کے والد ہی لیتے تھے مگر کچھ عرصہ پہلے ریٹائرمنٹ کے بعد اس نے یہ چارج سنبھالا تھا۔ اس کے لیے سلیکشن کا پہلا تجربہ تھا، جس نے اسے مایوس کر دیا تھا، ایسے میں جب عریج زوار شاہ کا نام پکارا گیا اور وہ کمرے میں داخل ہوئی تو عارض نے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

''السلام علیکم! سر۔''

''وعلیکم السلام۔۔۔'' سب سے پہلے یہ تبدیلی ورنہ اب تو آنے والی چھ لڑکیوں نے کمرے میں آتے ہی ''ہائے سر..... ہیلو سر'' ہی کہا تھا۔ عارض نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی وہ ٹیبل کے پاس آئی، بلیک فل عبایا، چہرہ مکمل طور پر حجاب سے ڈھکا ہوا تھا خوب صورت مگر ذہانت سے بھرپور براؤن آنکھیں، صرف آنکھیں ہی نظر آ رہی تھیں، ہاتھوں پر بلیک گلووز اور ہاتھوں میں تھامی بلو کلر کی فائل ساتھ چھوٹا سا کلچ۔

''بیٹھیے۔'' عارض نے مکمل جائزہ لینے کے بعد کرسی کی جانب اشارہ کیا۔

''شکریہ سر۔'' وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''مس عریج آپ کو اس طرح کی جاب کا کوئی تجربہ؟''

''جی نہیں سر۔'' عریج نے کہا۔

''اوہو..... اس جاب کے لیے تو تھوڑا بہت ایکسپیرینس ضروری ہے، مجھے نہیں لگتا آپ احسن طریقے سے یہ جاب کر پائیں گی۔'' عارض نے اس کی فائل پر سرسری سی نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''سر آپ مجھے موقع دیں ان شاء اللہ میں کرلوں گی۔'' وہ اعتماد سے بولی۔

''ہنہ..... آپ کی تعلیم جاری ہے تو آپ کس طرح سے مینج کریں گی..... یہ جاب بھی ٹف ہے اور پھر آگے پڑھائی.....'' عارض کی نظر بدستور فائل کا احاطہ کر رہی تھی۔

''سر..... میں تعلیم جاری رکھنا چاہتی ہوں اس لیے مجھے اس جاب کی ضرورت ہے اور ایکسپیرینس کام کرنے سے ہی آتا ہے سر..... کہیں نہ کہیں سے تو ابتدا تو کرنی ہی پڑتی ہے، میرے لیے یہی ابتدا ہے، مجھے موقع ملے گا تو ہی میں کچھ کر پاؤں گی، ٹھیک ہے تھینک یو سو مچ سر..... میں کہیں اور ٹرائے کرلوں گی۔'' عریج کے لہجے میں مایوسی در آئی تھی اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ شاید وہ اس قابل نہیں۔

عارض نے دوسری بار نظر اٹھا کر اسے بغور دیکھا، اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی، اداس اور گہری آنکھیں یقیناً وہ ضرورت مند تھی۔

''میں جاؤں سر؟'' اس نے سوال کیا۔

''نہیں ون منٹ پلیز۔'' عارض نے فون اٹھایا۔

''آپ اندر آیئے گا پلیز۔'' کہہ کر کال بند کی، عریج کی نگاہیں عارض پر تھی، وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیا کہنے والا ہے، دروازے پر ناک کر کے کوئی اجازت لے کر اندر آیا۔

''مرتضیٰ یہ مس عریج ہیں آج سے یہ آپ کی ٹیم کا حصہ ہیں پلیز آپ کو ان پر خاص دھیان دینا ہوگا۔ میرے خیال میں یہ جلدی سیکھ جائیں گی۔''

''او ہو تھینک یو سو مچ سر۔'' عارض آنے والے شخص سے مخاطب تھا جو اس اینگل سے کھڑا تھا کہ عریج کی جانب ہلکا سا سائیڈ پوز نظر آ رہا تھا۔ گرے ڈریس پینٹ، بلیک لائننگ والی شرٹ پہنے، ہلکی ہلکی شیو، مناسب قد و قامت والے نوجوان نے پلٹ کر عریج کی جانب دیکھا۔

''ویلکم مس عریج۔''

''تھینک یو سو مچ سر۔'' وہ اپنی خوشی کو چھپا نہیں پا رہی تھی۔ اسے اسی بات کا ڈر تھا کہ وہ تو اس کام میں بالکل ناتجربہ کار ہے، پتا نہیں سلیکٹ ہو پائے گی یا نہیں۔

''آپ پیر سے جوائن کر سکتی ہیں، بس ایک بات کا دھیان رکھیے گا کہ وقت کی پابندی اور کام پر مکمل دھیان ہمارا نصب العین ہے۔ جب آپ اس بینک کا حصہ بن جائیں گی تو یہ شرائط آپ پھر بھی لاگو ہوں گی..... محنت اور اچھی پرفارمنس پر آپ کو سرٹیفکیٹ اور ایوارڈ بھی مل سکتے ہیں اور سیلری بھی بڑھ سکتی ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ ان اصولوں پر کاربند رہ کر ہمارے ساتھ مکمل تعاون کرتے ہوئے جلد از جلد کام کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے پوری محنت اور لگن کے ساتھ ٹیم ورک کریں گی، بینک کا فائدہ ہم سب کا فائدہ ہے۔'' عارض نے لمبی چوڑی بات کی۔

''جی..... جی سر ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا..... جزاک اللہ خیر، میں ایمانداری اور محنت کے ساتھ کام کروں گی۔'' وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

''او کے..... بیسٹ آف لک۔'' عارض نے مسکراتے ہوئے فائل بند کر کے اس کی جانب بڑھائی۔

''مرتضیٰ مس عریج کو ان کا کیبن دیکھا دیں تاکہ منڈے کو آ کر اپنے کیبن میں بیٹھیں۔''

''اوکے سر۔''

''آئیں مس۔'' مرتضیٰ نے پہلے عارض کو اور پھر عریج کو دیکھتے ہوئے کہا، اور داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا، عریج بھی اس کے پیچھے چل دی۔ چھوٹا سا بینک تھا، چند کیبن، دو کمرے، ایک عارض کا باقی کیبنز چھ لڑکیاں، دس بارہ لڑکوں پر مشتمل ان کا پورشن تھا۔

''اوکے سر..... تھینک یو سو مچ..... ان شاء اللہ منڈے کو نو بجے آجاؤں گی۔'' اپنا کیبن بغور دیکھا، کمپیوٹر، چیئر ضرورت کی ساری چیزیں سلیقے سے رکھی تھی، وہ اللہ پاک کا شکر ادا کر رہی تھی کہ جاب کے سلسلے میں خوار نہیں ہونا پڑا، ورنہ وہ جاب کو لے کر اس ٹینشن میں تھی کہ نہ جانے کتنے چکر لگانے پڑیں، کہاں کہاں دھکے کھانے پڑے۔ زرتاشہ نے ابتدا میں ہی یہ کہہ کر حوصلہ شکنی بھی کی تھی۔

''نوکری کوئی پلیٹ میں سجا کر نہیں دے دیتا، تم کو تو بالکل بھی تجربہ نہیں ہے، یہ سوچ کر گھر سے باہر نکلنا کہ دھکے بھی کھانے پڑیں گے، در در کی خاک بھی چھاننی پڑے گی جگہ جگہ منہ ماری کرنی پڑے گی۔''

''بیٹی اللہ پاک کا نام لے اس کی امان میں گھر سے نکلو وہ بہتر کرنے والا ہے..... اللہ پاک تم کو اپنے مقصد میں کامیاب کرے، تمہارے لیے آسانیاں پیدا کرے، آمین ثم آمین۔'' یہ الفاظ زرنگار بیگم کے تھے۔ زرنگار بیگم کی باتوں سے اس کو حوصلہ ملا تھا، ٹوٹتی ہوئی ہمت کو زرنگار بیگم کے الفاظ نے سہارا دیا تھا، وہ بے شمار دعائیں مانگ کر گھر سے نکلی تھی، اور اللہ پاک کا کرم ہی تھا کہ پہلے انٹرویو میں ہی اسے سلیکٹ کر لیا گیا تھا گو کہ وہ اتنی اہل نہیں تھی مگر عارض کی نظروں نے اس کی شرافت اور اس کی ضرورت دونوں چیزوں کو جانچ لیا تھا..... اسے ایسی ہی لڑکی کی ضرورت تھی، جو ضرورت مند ہوں تا کہ کام کو کام سمجھ کر کریں نا کی انجوائے منٹ سمجھ کر۔

''کہاں جاب ملی ہے، آفس کہاں ہے، کیا کام کرنا ہے، کیا ٹائمنگ ہیں؟'' مختار نے سرسری طور پر سوالات کیے تو عریج نے ساری تفصیل بتا دی۔

''ہنہ.....اپنے شوق اور مرضی سے باہر نکل تو رہی ہو اپنے کام کو کام کی حد تک ہی ٹائم دینا .....اس کے علاوہ مزید آگے بڑھنے کی کوشش مت کرنا.....ہماری عزت کا خیال رکھنا۔'' زرتاشہ نے اپنے طور پر سمجھایا۔

''جی بڑی مما۔'' سر جھکا کر سعادت مندی سے جواب دیا وہ تو خود یہی سوچ رہی تھی، کہ صرف اپنے کام سے کام رکھے گی، اسے بھی اپنی عزت سے زیادہ گھر والوں کی عزت کا خیال تھا، ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا۔

مرتضیٰ نہایت شریح نوجوان تھا، وہ عریج کی کام کے حوالے سے ہر قسم کی مدد کرتا، کام کے دوران بھی بیشتر وقت اس کی نظریں نیچی ہوتیں، اس کے ساتھ تیس سے زیادہ لڑکے اور لڑکیاں تھیں مگر کسی سے بھی وہ تیز آواز میں بات نہیں کرتا تھا۔ انتہائی دھیمے انداز میں سلجھی ہوئی گفتگو کرتا، عریج کا مکمل دھیان اپنے کام پر ہوتا، وہ بڑی محنت کر رہی تھی، اس کے ذمے جو کام تھا وہ بہت جلد ہی سیکھ گئی تھی۔ سیلز بھی اچھی خاصی کر لیتی، سارا دن کال پر مغز کھپانا ہوتا مگر عریج ذرا سا بھی نہیں جھنجلاتی، اس سے مرتضیٰ بھی خوش اور مطمئن تھا، عارض بھی اس کی پرفارمنس سے مطمئن تھا، اپنے کام سے کام رکھتی، وقت سے دس منٹ پہلے ہی آجاتی، منیجر عارض اور ٹیم لیڈ مرتضیٰ کو اس سے کوئی شکایت نہ تھی، ساتھ ساتھ عریج نے ماسٹرز کی تیاری بھی شروع کر دی تھی، ان دنوں زرنگار بیگم کی طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی.....رات تہجد کے لیے اٹھیں تو اچانک سے ہاتھ پیر بے جان ہونے لگے، زبان لڑکھڑانے لگی، واش روم کا دروازہ کھول کر انہوں نے وضو کے لیے جیسے ہی نل کھولا اچانک چکر سے آنے لگے، ایسا لگا جیسے ہاتھ پیروں سے جان نکلی جا رہی ہو۔

''ع.....عریج۔'' انہوں نے بمشکل اپنی قوت سے نحیف سی آواز میں پکارا۔ عریج خود بھی دادو کے واش روم سے نکلنے کی منتظر بستر پر لیٹی تھی تا کہ ان کے نکلنے پر وہ بھی وضو کرے، آواز سن کر ہڑبڑا کر اٹھی اور واش روم کی سمت دوڑی مگر اتنی دیر میں زرنگار بیگم زمین پر گر چکیں تھیں۔

''دادو.....دادو۔'' عریج زور سے آوازیں دینے لگی، وہ بے حس وحرکت پڑی تھی۔

''بڑے پاپا.....جلدی آجائیں دادو بے ہوش ہوگئی ہے۔'' عریج دیوانہ وار باہر کی جانب بھاگی مختار کے دروازے کو زور زور سے پیٹتے ہوئے چلائی۔ ساتھ رو بھی رہی تھی، شور کی آواز سن کر مختار، زرتاشہ، نمیر اور نویر بھی اپنے اپنے کمروں سے آنکھیں ملتے ہوئے باہر آئے۔

''بڑے پاپا، دادو واش روم میں گر گئیں، پتا نہیں کیا ہوا ہے، جواب نہیں دے رہیں.....جلدی سے آجائیں۔'' وہ ہاتھ ملتے ہوئے بے تحاشہ روتے ہوئے مختار شاہ سے کہہ رہی تھی، سب لوگ دادو کے کمرے کی جانب بھاگے، نویر نے گاڑی نکالی اور زرنگا بیگم کو بے ہوشی کی حالت میں ہاسپٹل لے کر بھاگے، عریج ساتھ تھی۔ گاڑی میں بھی مسلسل روتے ہوئے وہ دعائیں مانگ رہی تھی، سورتیں پڑھ کر دادو پر دم کر رہی تھی، زرنگار بیگم کا جسم اکڑنے لگا تھا۔

''یا اللہ پاک میری دادو کو صحت عطا فرما.....میرے اللہ ان کی حات پر رحم فرما۔'' زرنگار بیگم ایمرجنسی میں تھیں، مختار، نویر کاریڈور میں بیٹھے تھے۔ عریج جائے نماز پر تہجد کی نماز ادا کر کے رو رو کر دادو کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی۔ ڈاکٹرز کے مطابق انہیں فالج کا شدید اٹیک ہوا تھا، بی پی بہت شوٹ ہونے کی وجہ سے دماغ پر بھی دباؤ پڑا تھا.....انتہائی تشویش ناک حالت تھی، مختار پیچھے ہاتھ باندھے مسلسل ٹہل رہا تھا.....نویر کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھا تھا اور زرتاشہ کو صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا، ڈاکٹرز ناامید ہو چکے تھے، زرنگار بیگم کی حالت لمحہ لمحہ گرتی جا رہی تھی۔ فجر کی اذانیں شروع ہوئی تھی.....عریج مستقل جائے نماز پر بیٹھی رو رو کر دادو کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی، اللہ پاک نے ہر چیز کے ہونے کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، پھر جو چیز اس نے لکھ کر مہر لگا دی ہو ان پر نہ دعائیں قبولیت کا درجہ پاتی ہیں نا ہی آنسوؤں کے نمکین پانی سے وہ مہر مٹائی جا سکتی ہے، یہاں آ کر ساری خدائی، سائنس، ٹیکنالوجی اور آنسو بھی ناکام ہو جاتے ہیں کیونکہ ہوتا وہی ہے جو رب کی مرضی ہو، جو فیصلی اس نے محفوظ کر دیا ہو، اس

میں رومیم کی گنجائش تو بنتی ہی نہیں، ردوبدل ہو ہی نہیں سکتی، عریج کا گڑگڑانا، مختار کی بے چینی، عریج کے بے تحاشہ آنسو سب دھرے کے دھرے رہ گئے اور فجر کی آذان کے ساتھ ہی ڈاکٹرز کی انتھک کوششیں ناکام رہیں اور تیس گھنٹے کی زندگی اور موت کے بیچ جاری جنگ میں آخر کار زندگی ہار گئی اور موت اپنی کامیابی پر فتح کا جشن منانے لگی تھی۔

''نہیں.....نہیں۔'' عریج لڑکھڑاتے ہوئے جائے نماز سے اٹھی، اس کی آنکھیں شدت غم سے پھٹنے لگی تھی، دکھ اور غم کی لہر اس کے اندر تک اتر گئی۔ ہاں، نہیں کے بیچ تلوار کی دھار پر گزشتہ ساڑھے تین گھنٹے لٹکتے لٹکتے وہ ہار گئی تھی، شدت جذبات سے مغلوب ہو کر دیوانہ وار مختار کی جانب دوڑی۔

''بڑے پاپا بڑے..... پاپا یہ کیا ہو گیا؟ دادو بھی چلی گئیں۔'' ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے، آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا تھا، مختار جو کہ ابھی تک ڈاکٹرز کی جانب توجہ دیئے ہوئے کھڑے ہوئے تھے، ذہنی طور پر وہ ماؤف ہو گئے تھے، عریج کو یوں شدت غم سے بے حال ہوتے ہوئے دیکھا تو خود بھی دو قدم آگے بڑھے اور عریج کو بانہوں میں سمیٹ لیا، عریج ان کی بانہوں میں جھول گئی تھی۔ جب ہوش آیا تو دادو کی ساری رسومات ہو چکی تھیں۔

''دادو.....دادو۔'' وہ تیزی سے اٹھی اور ڈولے سے چمٹ گئی۔ ''دادو.....پلیز آپ تو مجھے چھوڑ کر نہ جائیں.....دادو بولیں ناں.....دادو.....آپ چپ کیوں ہیں.....ابھی تو میں نے آپ سے آفس کی باتیں کرنی ہیں، آپ کے ساتھ نماز پڑھنی ہیں، دادو، مما، پاپا چلے گئے، تب میں کچھ نہیں بولی تھی، مجھے پتا نہیں تھا کہ موت کیا ہوتی ہے؟ جانے والے کبھی لوٹ کر نہیں آتے۔ برسہا برس میں، مما پاپا کے لوٹ آنے کی منتظر رہی، اور جب جب یقین ہو گیا کہ وہ لوٹ کر نہیں آنے والے تب آپ کی نرم اور گرم گود میں سمٹ کر مما جیسا سکون، پاپا جیسی شفقت ملی، مگر اب میں بڑی ہو گئی ہوں دادو، اب کیسی بہل پاؤں گی، آپ کا انتظار بھی نہیں کر سکتیا آنے تو لوٹ کر نہیں آنا دادو پلیز آنکھیں کھولیں، بات کریں مجھ

سے، پاپا کی، مما کی، وہ ساری باتیں جو آپ روز رات کو مجھ سے کرتی تھیں، آپ کے منہ سے وہ باتیں سن کر مجھے سکون ملتا تھا..... مجھے بے سکون تو مت کریں دادو..... دادو۔'' وہ تڑپ رہی تھی، بکھر رہی تھی، اس کی باتوں پر ہر آنکھ اشک بار تھی، ہر دل تڑپ رہا تھا، زرتاشہ نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا، مرد اندر آئے اور دادو اپنے آخری سفر پر جا رہیں تھیں، اس گھر میں کئی دہائیاں گزار کے اچھے برے حالات سے گزر کے کبھی ہنس کے بھی رو کے آخر کار اپنے ابدی سفر پر روانہ ہو گئی تھیں۔

مختار بھی بہت غمگین تھا، زرتاشہ کو بھی بہت دکھ تھا، وہ بے ضرر سی ساس تھیں، ساتھ ساتھ خالہ بھی تھیں، ساری زندگی زرتاشہ نے اپنی مرضی چلائی تھی، کسی معاملے میں اپنی مرضی تھوپنے کی کبھی بھی زرنگار بیگم نے کوشش نہیں کی تھیں، یہاں تک کہ عریج جس کو زرنگار بیگم دل و جان سے چاہتی تھیں اس پر زرتاشہ اور بچوں کی جانب سے ہوتی زیادتی پر بھی احتجاج نہیں کیا بلکہ دھیمے لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی تھی، مختار اور زرتاشہ کی فطرت وہ اچھی طرح سے جانتی تھیں، کہ وہ عریج کو محض بوجھ ہی سمجھتے ہیں، عریج جوان کے مرحوم بیٹے اور بہو کی امانت تھی..... بیٹا بھی وہ جو فرماں بردار اور محبت کرنے والا تھا اور بہو ..... بہو وہ جس کو اپنے ہی گھر میں سوائے طعنے، تشنے، زیادتی اور بے اعتنائی، بے عزتی کے سوا کچھ نہیں ملا تھا، اور جب زرنگار بیگم کے دل میں بہو کی محبت جاگی تو قدرت مے ان کو اپنے ارمان پورے کرنے کا موقع نہیں دیا، اور بہو اللہ کو پیاری ہو گئی تھی، اس سوچ کو لے کر زرنگار بیگم نے اپنی تمام تر توجہ، محبت عریج کے لیے وقف کر دی تھی۔ حتیٰ کہ اپنا کچھ ذاتی زیور بھی مختار اور زرتاشہ کی نظروں سے بچا کر عریج کے زپرد کر دیا تھا، جس کا علم صرف عریج کو تھا۔

زرنگار بیگم کی موت سے سب سے زیادہ اثر عریج پر ہوا تھا، بچپن سے آج تک عریج کو صرف ان کی بھرپور توجہ اور محبت ملی تھی باقی تو صرف ضرورت ہی پوری ہوتی..... ضرورت پوری کرنے والے بھی حالانکہ اپنے اور خون کے رشتے تھے، مگر ہر قدم پر احسان جتانے والے تھے، یہ احساس دلانے والے کہ

عریج ان لوگوں کے لیے ناپسندیدہ اور غیر اہم ہے، صرف اور صرف ایک بوجھ ہے..... دکھ کے تپتے صحرا میں زرنگار بیگم کی سنگت چھاؤں جیسی تھی جن کے نحیف، کمزور اوت ناتواں بازوؤں میں عریج کو سکون ملتا تھا، دو دن اسے اپنا ہوش نہ تھا، تیسرے دن صبح صبح کولیگ ثمرہ کا میسج آیا تھا۔

''خیر تو ہے؟'' تب عریج کو احساس ہوا کہ وہ بنا بتائے چھٹی پر ہے، اس وقت گھڑی پر نظر ڈالی اور آفس جانے کے لیے تیار ہوئی۔ ابھی تین دب پہلے وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی تب زرنگار بیگم نے اس کی چٹیاں بنائی تھی، لمبے الجھے بالوں میں برش پھیرا تو بے ساختی دادو کی یاد آئی، آنکھیں جھلملانے لگیں، ناشتہ بھی نہیں کیا تھا دل عجیب سا ہو رہا تھا..... یونہی ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی کر وہ آفس کے لیے نکل گئی تھی، نئی نئی جاب تھی اسے شروع میں ہی وقت کی پابندی اور پابندی سے آفس آنے کی تاکید کی گئی تھی، خیال آیا تو دل ہی دل میں شرمندہ بھی ہوئی کہ اطلاع کر دینی چاہیے تھی۔ بے شک وجہ کا علم صرف اسے ہی تھا۔

''مس عریج تشریف لے آئیں آپ؟ میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے کم از کم مجھے انفارم کرنے کی زحمت بھی کیوں نہیں کی؟ یہ آفس ہے محترمہ کوئی کھیل نہیں، آپ کو کتنی کالز کیں میں نے، حد ہوتی ہے غیر ذمے داری کی کم از کم کال تو اٹینڈ کرتیں آپ..... آپ کو اندازہ بھی ہے کہ آگے مجھ سے پوچھا جاتا ہے، مجھے جواب دینا پڑتا ہے، کام کو سیریس نہیں لینا ہے، آفس کی ذمے داریوں کے آگے اپنے گھر اور فیملی کی ذمے داریوں کو ترجیح دینا ہے تو پھر بہتر یہی ہے کہ آپ جاب چھوڑ دیں۔'' ابھی اپنی کرسی پر بیٹھ کر پرس رکھا ہی تھا کہ مرتضیٰ سر پر آ کھڑا ہوا تھا نہ سلام نہ دعا اور آتے ہی برس پڑا تھا۔ لہجہ قدرے برہم تھا ،انداز بھی قطعی الگ تھا، وہ تو ہمیشہ نرم اور دھیمے لہجے میں بات کرتا تھا..... عریج گھبرا کر کھڑی ہوئی..... اس کے ہاتھ پیر کپکپا رہے تھے، نے تحاشہ رونا آ رہا تھا، ایک تو پہلے ہی دل بے حد خراب تھا اوپر سے اس طرح سے بے عزتی۔

''سر.....آئی ایم سوری.....میری.....میری دادو کی اچانک ڈیتھ ہوگئی تھی۔'' آواز اٹکنے لگی، آنکھیں برسنے کو بے تاب تھیں۔

''اوہ.....'' مرتضٰی نے اس کے کپکپاتے وجود اور اس کی لرزتی آواز کو محسوس کر کے تاسف سے دیکھا۔غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

''سوسیڈ آئی ایم سوری بٹ.....آپ کو انفارم کرنا چاہیے تھا ناں۔'' مرتضٰی کا لہجہ وہی نرم انداز والا ہوگیا تھا،عریج نے اچانک اس کے بدلتے لہجے کو محسوس کیا،اس کا دل بری طرح بھر آیا۔

''دیکھیں مس انسان کے ساتھ کو یہ بھی پرابلم ہوسکتی ہے،مسائل ہوسکتے ہیں،اس بات کا ایشو نہیں ہے،بس اچانک سے رابطہ بحال نہ رکھنا یہ تو ٹھیک بات نہیں ہے.....آپ ایک ادارے سے منسلک ہو تو،اس بات کا خیال رکھنا فرض بھی ہے،مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ کی دادو اللہ کو پیاری ہوگئیں،بس آپ ایک میسج کر دیتیں تو خوامخواہ یوں آپ کو ہرٹ نہ کرتا۔'' وہ شرمندہ ہوا،عریج نے سر اٹھایا،ٹپ ٹپ بے شمار آنسو لڑی کی صورت میں اس کی آنکھوں سے بہہ کر اس کے نقاب میں جذب ہو رہے تھے۔

''سر میں.....ہوش میں نہیں تھی.....غلطی میری ہے.....مجھے کچھ بھی پتا نہیں تھا،میرے سر سے چھت چلی گئی،میرے پیروں تلے زمین نکل گئی،میں اپنے آپ میں نہیں تھی سر.....یہ غم،میرے لیے بہت بڑا ہے،ناقابل برداشت۔'' لاکھ ضبط کی کوششیں کرتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''اوہ.....آئی ایم سوری عریج پلیز.....اللہ پاک آپ کو صبر دے،آپ کے والدین کو آپ کے گھر والوں کو صبر عطا فرمائے۔'' مرتضٰی نے سامنے رکھی پانی کی بوتل سے ٹھنڈا پانی گلاس میں نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔

''سر میرے والدین بھی نہیں ہیں،میں چار یا پانچ سال کی تھی جب ان کا انتقال ہوگیا تھا تب سے دادو نے ہی ماں باپ بن کر پالا۔'' پانی کا گھونٹ بھر کر گلاس واپس رکھ کر،وہ دلگیر لہجے میں بولی۔

''اوہ میرے اللہ، ویری سیڈ۔'' مرتضیٰ نے اپنا سر تھام لیا، وہ خود بھی بے حد دکھی ہو گیا تھا۔ ''اگر آپ گھر جانا چاہیں تو جا سکتی ہیں، میں سر سے کہہ دوں گا اور ہاں آپ اپنا ایڈریس دے دیں خدانخواستہ کسی اسٹاف ممبر کے یہاں کسی کا انتقال ہوتا ہے تو عارض صاحب کی طرف سے قرآن خوانی اور فاتحہ کا اہتمام ہوتا ہے اگر آپ کے گھر والے مناسب سمجھیں تو آپ کے ہاں بھی کروا دیں۔''

''سر ایڈریس تو ایزی ہے۔'' اس نے ایڈریس لکھ کر دیا۔

''لیکن میں پہلے اپنے بڑے پاپا سے پتا کر لوں پھر بتاتی ہوں کہ اس فاتحہ خوانی کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں۔'' عریج نے آنکھیں ٹشو سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے، میں سر سے کہتا ہوں اور ہاں اگر آپ آج اپ سیٹ ہیں تو چھٹی کر کے جا سکتی ہیں، مجھے اندازہ ہے کہ آپ اس وقت بہت اپ سیٹ ہیں۔''

''نہیں سر، آئی ایم او کے ناؤ۔'' عریج نے کہا۔

''او کے ٹیک کیئر۔'' مرتضیٰ نے اٹھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی ایڈریس والی پرچی اٹھانے کے لیے جھکا، ایڈریس دیکھا پہلے اچٹتی سی نظر ڈالی پھر چونک کر دوبارہ سے پڑھا، ایک دو تین بار پڑھا ..... یہ ایڈریس تو اسے اچھی طرح سے ازبر تھا۔ بچپن کی بڑی تلخ یاد اس ایڈریس سے جڑی تھی۔ یہیں سے اس کے دادا کو بے عزت کر کے نکالا گیا تھا، وہ جب ننھا بچہ تھا آٹھ یا نو سال کا بے بس اور کمزور، وہ صرف بل کھا کر رہ گیا تھا۔ اسے نفرت ہو گئی تھی اس گھر کے مکینوں سے، سوائے ایک معصوم اور ننھی منی براؤن آنکھوں والی خوبصورت گڑیا جیسی بچی کے جو خود وہاں دوسروں کے رحم و کرم پر تھی۔ الگ تھلگ رہنے والی، دوسرے بچوں سے دور دور اپنی دادو کے بازو سے لگی رہتی جو صرف زیدان سے بات کرتی، کیونکہ زیدان واحد بچہ تھا جو اس سے باتیں کرتا تھا، اس کے ساتھ کھیلتا تھا، ننھی بچی زیدان کی منتظر رہتی، اس عمر میں زیدان یہ محسوس کرتا تھا کہ بچے اس گھر کا حصہ ہوتے ہوئے بھی بالکل اجنبی کی طرح رہتی تھی

فالتو اور فضول شے کی مانند..... پھر یاد آیا، گھر والے یاد آئے، خرانٹ خاتون خانہ، بدتمیز اور مغرور بچے، بوڑھی دادی اور وہ..... وہ معصوم بچی عریج..... عریج ہی تھی وہ..... ہاں عریج ہی نام تھا اس کا۔

''تم..... تم..... اس گھر میں رہتی ہو؟'' حیرانی سے پوچھا۔

''جی سر۔'' عریج نے کہا۔

''عریج ہو تم؟''

''جی سر۔'' وہ حیرانی سے مرتضیٰ کے عجیب سے سوالوں کا جواب دے رہی تھی۔

''عریج..... عریج اوہ تمہیں یاد ہے وہاں پر ایک بابا تھے اور ان کے ساتھ ایک بچہ تمہارا دوست تھا..... تم سے کھیلتا تھا؟''

''زیدان..... زیدان نام تھا اس کا۔'' عریج کی بے ساختگی پر مرتضیٰ بری طرح چونکا یعنی اسے یاد تھا۔

''عریج..... میں..... زیدان ہوں۔ زیدان مرتضیٰ، اوہ بہت افسوس ہوا کہ تمہاری دادو کا انتقال ہو گیا۔'' زیدان نے ایک بار پھر افسوس کرتے ہوئے کہا۔

''زیدان..... اوہ تو آپ زیدان ہیں؟'' عریج بھی حیرت زدہ تھی۔ کام کا ٹائم شروع ہونے والا تھا، اس لیے وقت کا احساس کرتے ہوئے زیدان نے کہا۔

''چلو آفس ٹائم کے بعد تفصیل سے بات کرتے ہیں، ویسے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ اس طرح سے ہم ایک بار پھر مل گئے۔'' زیدان نے پرچی تہہ کر کے مٹھی میں پکڑتے ہوئے کہا۔

''جی سر ٹھیک ہے۔'' عریج کو بھی یہ جان کر نجانے کیوں اچھا لگا تھا کہ وہ زیدان مرتضیٰ ہے۔ بچپن میں ملنے اور بچھڑنے والے بچے یوں اچانک اس طرح سے مل گئے تھے۔ اس طرح کی سچویشن تو فلموں میں دکھائی دیتی تھی۔

آفس میں سب کو ہی عریج کی دادو کے انتقال کی خبر مل چکی تھی، سارا دن سب نے عریج کا خیال

رکھا، عریج کو اندازہ ہو رہا تھا کہ نہ صرف منیجر عارض، ٹیم لیڈرز زیدان بلکہ سارا اسٹاف حتیٰ کہ سوئیپر اور واچ مین تک کتنے اچھے اور ہمدرد لوگ تھے۔ وہ شکر ادا کر رہی تھی اللہ پاک نے اسے جاب دی بھی تو اتنے اچھے ماحول میں ورنہ نوکری کے حوالے سے اس نے بہت سارے قصے سن رکھے تھے۔ آوارہ بدقماش باس، اسٹاف کی لڑکیوں سے بدتمیزیاں، الٹی سیدھی حرکتیں، کہیں اگر کوئی لڑکی پھسل گئی تو اس کی ویڈیو بنا کر بلیک میلنگ، اس قسم کے واقعات آئے دن سننے کو ملتے تھے، پہلے ہی دن دادو نے اسے خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ وہ صرف اپنے کام سے کام رکھے گی، ہمیشہ اپنے پرس میں یسینشریف رکھے، گھر سے نکلتے وقت ضرور آیۃ الکرسی پڑھ کر خود پر دم کرے، اپنا حصار کر کے گھر سے باہر نکلے ن۔ اکیلے میں کسی سے زیادہ بات چیت نہ کرے، یہاں کا ماحول بہت اچھا تھا، آج اسے اندازہ ہو رہا تھا۔ اس کے درد کو ہر کسی نے محسوس کیا تھا۔ اس کے ساتھ سب نے تھوڑا تھوڑا وقت گزارا تھا۔ عارض نے کہا تھا کہ وہ آج ریسٹ کرے کام کل سے سٹارٹ کرے، اتنا خلوص، اتنا مان تو کبھی اپنوں سے نہیں ملا تھا یہاں دو ماہ کے دوران مل گیا تھا۔

''عریج کیا آفس ٹائم کے بعد ہم کچھ وقت بات کر سکتے ہیں؟ مجھے کافی کچھ پوچھنا ہے، سارا دن وہ گھر اور وہ لوگ ہی ذہن پر سوار رہے۔'' زیدان مرتضیٰ زیادہ اتاؤلا ہو رہا تھا۔

''سر، میں آفس ٹائم کے بعد دیر سے گھر جاؤں تو خوامخواہ مشکوک ہو جاؤں گی، مجھے خود آپ سے باتیں کرنی ہیں، نیاز بابا کے بارے میں تو پوچھا ہی نہیں میں نے ماشاءاللہ وہ حیات تو ہیں ناں؟'' عریج نے پہلے اپنی پوزیشن واضح کی پھر نیاز بابا یاد آ گئے۔

''اوہو..... مطلب اس گھر کے مکین اور ان کے رویے آج بھی ہنوز ویسے ہی برقرار ہیں۔' زیدان کے چہرے پر سختی آ گئی تھی۔ ''دادا جی الحمدللہ بالکل فٹ فاٹ ہیں اور دوسری بات یہ کہ سر کی پخ درمیان سے ہٹا دو اب۔'' زیدان نے کہا۔

''یہ آفس ہے اور آفس میں آپ میرے سر ہیں اس لیے یہاں کے رولز الگ ہیں، یہاں آپ میرے سر ہیں، ویسے سچ میں دلی خوشی ہوئی آپ کو یہاں اور اس پوزیشن میں دیکھ کر۔'' عریج کی بات میں دم تھا۔ زیدان نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔

''تھینک یو سو مچ..... میں نے بہت سخت محنت کی ہے اس مقام تک آنے میں، یہ بتاؤ کہ ہم بات کیسے اور کہاں کریں؟'' زیدان نے کہا۔

''کل لنچ ٹائم میں ویسے کال پر بھی کر سکتے ہیں۔'' عریج نے صحیح تجویز پیش کی۔

''اوکے..... تم آئی کیسے ہو آفس؟'' زیدان نے پوچھا۔ نقاب اچھی طرح سیٹ کر کے وہ کھڑی ہوئی تھی۔ چھٹی ہو چکی تھی۔

''کبھی رکشہ اور کبھی ویگن سے۔'' پلٹ کر پرس اٹھاتے ہوئے بولی۔

''اوکے اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔'' سب لوگ جانے کے لیے تیار تھے۔

ایک دوسرے سے رخصت ہو کر باہر کی جانب بڑھے۔

زیدان، عارض شیخ کے کمرے کی جانب چلا گیا، آج کی جملہ پرفارمنس کے بارے میں ڈیٹیل دینی تھی۔ عریج دھیمے دھیمے قدم اٹھاتی آگے بڑھ گئی، زیدان کو یہاں اس حالت میں دیکھ کر اسے واقعی دلی خوشی ہوئی تھی۔ ذہن کے کسی گوشے میں بچپن کی اچھی یاد کی صورت میں زیدان محفوظ تھا، اسے کبھی کبھی زیدان اور نیاز بابا یاد بھی آجاتے، کبھی کوئی بزرگ نظر آتا تو ان میں نیاز بابا کی مشابہت محسوس ہوتی، دھندلا دھندلا سا تصور تھا پر آج زیدان کو دیکھا تو وہ دبلا پتلا سا سانولا سا بچہ چھ فٹ کا مضبوط و توانا مرد بن کر اسمارٹ اور پرکشش شخصیت کا مالک تھا۔ نفیس اور اچھے کپڑے، اسے پہننے کا سلیقہ بھی تھا اور سمجھ بھی، ویسے تو عریج جو دادو کی موت کی وجہ سے بے حد دل گرفتہ اور رنجیدہ تھی خود کو بالکل تنہا محسوس کر رہی تھی،

لیکن زیدان کے اس طرح سے مل جانے سے اسے تنہائی کا احساس نہیں ہو رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ کوئی اپنا مل گیا ہے جس سے وہ دل کی بات کر سکتی تھی۔ گھر پہنچی تو زرتاشہ، نمیر اور نویر میں کچھ بحث چل رہی تھی ۔مختار گھر پر نہیں تھا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''فریش ہو جاؤ تو چائے بنا لینا۔'' زرتاشہ نے اسے آواز دے کر کہا۔

''جی اچھا۔'' وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔ روزانہ اس وقت دادو کے ساتھ چائے پیتی تھی، دادو کبھی بھی اس کے بغیر شام کی چائے نہیں پیتی تھیں، چائے بناتے ہوئے ایک بار پھر شدت سے دادو کی یاد آئی..... ظاہر ہے نیا نیا زخم تھا، بھرتے بھرتے وقت تو لگنا ہی تھا۔ پر موقع پر، ہر وقت، سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، اسے دادو کی یاد آ جاتی، جیسے کہیں سے سامنے آ جائیں گی اور اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں گی، وہ ٹھنڈی سانس بھر کر چائے کپوں میں نکالنے لگی، سب کو چائے دے کر وہ اپنی چائے لے کر ٹیرس پر آ گئی تھی۔

بھاگتی دوڑتی زندگی، اپنے اپنے کاموں میں مصروف لوگ، اپنے اپنے گورکھ دھندوں میں گھرے ہوئے، زندگی کو اچھے بہت اچھے طریقے سے گزارنے کے لیے، اپنے لیے آسائشیں، آرام اور ضرورت کے علاوہ غیر ضروری اسراف کرنے والے، یہی سمجھتے ہیں کہ ان کو بس دنیا میں ہی رہنا ہے، کتنی جلدی بھول جاتے ہیں، اپنے پیاروں کو، اپنے آپ سے بچھڑ جانے والی ہستیوں کو، اسے دکھ ہو رہا تھا، کیونکہ زرتاشہ نمیر اور نویر اس وقت نمیر کی شادی کے حوالے سے کسی لڑکی کے گھر جانے کی بات کر رہے تھے۔ کس قدر خود غرضی، بے حسی تھی، ابھی تو دادو کو رخصت ہوئے ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا کہ ان لوگوں کو خوشیاں منانے کی پڑی ہوئی تھی، دادو کے دم سے تو یہ گھر، یہ سہولت، یہ آسائشات نڈیب ہوئی تھیں، دادا جی نے محبت سے کاروبار جمایا تھا جس پر ان سب کی شاہ خرچیاں چل رہی تھی، کاروبار لاپرواہی کی وجہ سے دن بدن نقصان کی طرف ہی جا رہا تھا، دادو..... اس کے لب سے آہ کی صورت نکلا۔

بچھڑ کر ہم نے نہ جانے
کون سے دیس جاتے ہیں
جہاں سے آ نہیں سکتے
ہمیں سمجھا نہیں سکتے
انہیں ہم بھول نہ پائیں
وہ اکثر یاد آتے ہیں
کبھی راتوں کے سناٹے میں
کبھی صبح کے اجالے میں
کبھی بارش کی بوندوں میں
کبھی چندا کے ہالے میں
جھلک اپنی دکھاتے ہیں
ہو چاہیں دوریاں کتنی
ہیں مجبوریاں کتنی
ہمیں ہر ہر لمحے میں
وہ بے حد یاد آتے ہیں
وہ چاہے جہاں بھی رہتے ہو
وہ ہم سے مل نہیں سکتے
نظر جو آ نہیں سکتے
نگاہوں سے وہ اوجھل ہیں

جھلک دکھلا نہیں سکتے

لیکن

ہماری پرنم آنکھوں میں

ہماری نیند، خوابوں میں

ہماری روح میں بستے ہیں

ہماری آنکھ کا موسم

ہمیشہ آبار رکھتے ہیں

وہ ہمارے دل میں بستے ہیں

رات کو بستر پر لیٹی تو زیدان کا میسج آ گیا، سلام کے بعد پوچھا تھا کہ اگر بات ہو سکتی ہے تو وہ کال کر لے؟ جواب میں عریج نے ہاں کا میسج کر دیا تھا۔ رات کو وہ کمرے میں اکیلی ہی ہوتی تھی اس لیے بات کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ایک منٹ بعد ہی زیدان کی کال آ گئی تھی۔

''ڈسٹرب تو نہیں ہوئیں؟''

''نہیں، مجھے ویسے بھی نیند کہاں آتی ہے؟ کبھی کبھی تو ساری رات یونہی آنکھوں میں کٹ جاتی ہے،'' عریج نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''کیوں عریج؟ اس طرح تو تمہاری صحت پر برا اثر پڑے گا، اپنا بھی خیال رکھا کرو، دن بھر آفس میں مغز ماری کرنی ہوتی ہے، طرح طرح کے ڈرامے جیسے کسٹمرز کو ڈیل کرنا اور رات کو جاگنا یہ اچھی بات تو نہیں۔'' زیدان کا اس طرح سے کہنا اسے اچھا لگا، یوں تو کسی نے کبھی نہیں کہا تھا۔

''ہمم.....'' وہ بولی۔

''ویسے سچ بتاؤں آج مجھے بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ دل کر رہا تھا کہ تم سے بات کر لوں، اتنے

سالوں کی روداد سناؤں اور تم سے سنوں۔" زیدان نے سادگی سے کہا۔

"جی سر۔" وہ عادتاً بولی۔

"افففف.....اللہ کے واسطے لڑکی یہ فارمیلیٹی کم از کم یہاں تو مت جھاڑو۔" زیدان جھنجلایا۔

"اوہ.....چلیں زیدان۔" اس کو ہنسی آئی۔

"گڈ۔" وہ بھی مسکرایا۔ "اچھا پہلے تم بتاؤ.....اتنے سال کی روداد۔" زیدان بولا۔

"میں؟" عریج نے آہ بھر کر ٹھنڈی سانس لی۔

"تم تو ضد کر رہے ہو، ہم کیا تمہیں سنائیں
نغمے جو کھو گئے ہیں، ان کو کہاں سے لائیں"

"میری زندگی میں کوئی نیا پن، کوئی خواہش، کوئی اچھوتا پن نہیں رہا زیدان، ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی، جن حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا اس سے آپ بھی واقف ہیں....."

"قطع کلامی کی معافی چاہتا ہوں مس مگر.....گفتگو میں اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ ہم اس وقت یعنی آفس کے باہر صرف اور صرف دوست ہیں اس لیے فارمل گفتگو سے اجتناب کرتے ہوئے، دوستانہ ماحول میں بات چیت کی جائے جیسے کہ فرینڈز کرتے ہیں مطلب تم.....سمجھ چکی ہوگی یہ "آپ" نہیں چلے گا۔ آئی سمجھ؟" درمیان سے بات کاٹ کر زیدان خوشگوار لہجے میں لفظ تم اور آپ پر زور دے کر بولا۔

"جی بہت بہتر جناب۔" عریج کا لہجہ بھی بدل گیا تھا۔

"ہمم.....ویری گڈ۔" وہ بولا۔

"زیدان میری زندگی کے بارے میں شاید تم بھی کچھ، کچھ جانتے ہی ہو۔"

کچھ یادیں ہیں، کچھ باتیں ہیں
اور ذہن میں ادھورے خواب بھی ہیں

کچھ دکھ کے خزانے پاس میرے
اور غم جو ملے، نایاب بھی ہیں
دکھوں کے سمندر گہرے ہیں
کچھ سپنے زیرِ آب بھی ہے
آنکھوں میں آ کر جو بکھر گئے
کچھ ٹوٹے پھوٹے خواب بھی ہیں
یادوں کے بھنور میں پھنسے ہوئے
پیروں میں ابھی گرداب بھی ہیں
سب چاہتیں تو ہوئیں فنا
اور محبتیں غرقاب بھی ہیں

"روزِ اول سے میرے ساتھ جو رویہ ہے ہنوز آج تک برقرار ہے۔ میں اس گھر میں ایک اضافی شے کی مانند ہوں..... نہ کسی سے سروکار، نہ کسی سے دکھ سکھ بانٹنے کے لیے دو لمحے ملے، اپنے غم، ہمیشہ دادو کے کاندھے پر ڈال دیئے، اپنی ضروریات دادو کے آگے بیان کیں، بے شک بڑے پاپا نے میری ضروریات ہمیشہ پوری کی، لیکن میرے ساتھ دو بول کسی نے بھی محبت کے نہیں بولے، مجھے اچھی طرح معلوم ہے دادو نے مجھے بہت کچھ بتایا، بہت ساری یادیں، باتیں وہ مجھ سے ہر رات شیئر کرتیں، ہم دادو پوتی اکثر رات دیر تلک روتے..... دادو، پاپا اور مما کے لیے تڑپتیں اور میں، میں دادو کی تڑپ پر تڑپتی رہتی، مجھے دادو کے ناتواں کاندھوں کے علاوہ کبھی کوئی توانا اور مضبوط کاندھا نہیں ملا جس پر سر رکھ کر میں اپنے ماضی پر دو آنسو بہا سکوں، کہنے کو میرے دو بڑے بھائی نمیر اور نویر بھائی گھت میں ساتھ رہتے ہیں مگر آج تک..... آج تک کبھی میرے سر پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے پیار سے ایک بات نہیں کی، ہمیشہ مجھے

اگنور کیا، میرے ساتھ سوتولیوں جیسا سلوک کرتے رہے، میں نے اپنی زندگی کا مقصد پڑھائی کو بنالیا، قدم قدم پر مجھے ساری زندگی یہی سننے کو ملا کہ میں ان لوگوں پر بوجھ ہوں، میرے اخراجات اٹھا کر یہ لوگ مجھ پر احسان کر رہے ہیں، میرے پاپا کی طرف سے ان کو ایک دھیلا بھی نہیں ملا (ان کی موت کے بعد) پاپا پاکستان آنے سے پہلے کافی ساری رقم بھیجتے رہے، یہ بات دادو نے بتائی، دادو نے یہ بھی بتایا کہ بڑے پاپا اور بڑی مما نے پاپا اور مما سے بہت ساری توقعات وابستہ کر رکھی تھی کہ جب پاپا نے وہاں سے اتنا پیسہ بھیجا اور آنے کے بعد کرتے ہوئے کاروبار میں بھی پیسہ لگانے کا کہا تھا، لیکن پاپا اور مما کی ناگہانی موت، پاپا کے ڈاکیومنٹس غائب ہو جانا..... کوئی بھی ثبوت نہ ملنے پر خاص طور پر بڑی مما اور بڑے پاپا کو بہت صدمہ پہنچا تھا اور اس کا ری ایکشن انہوں نے مجھ پر اتارا کیونکہ میں تو اضافی بوجھ ہی بن کر آ گئی تھی ناں..... میں آگے پڑھنا چاہتی تھی، جانتی تھی کہ یہ سن کر بڑی مما ضرور واویلا مچا دیں گی اس لیے جاب کا اشتہار دیکھ کر جاب کرنے کا سوچا اور آج اسی جاب کی وجہ سے اپنے ''سر'' سے بات کر رہی ہوں اور اپنے سر کی بچپن کی جھلک آج بھی میرے ذہن کے گوشے میں دھندلی دھندلی سی موجود ہے، جب..... جب..... گھر کے بچے مجھے دھتکار دیتے، اپنے ساتھ گیم میں شریک نہ کرتے تب وہ بچہ میرے ساتھ کھیلتا..... کبھی کبھی اپنے کھلونے بھی لاتا اور میرے ذہن میں وہ..... وہ آخری جھلک بھی کسی یاد کی طرح محفوظ ہے جب میں کمپیوٹر گیم کی منتظر تھی اور تم لے کر بھی آئے تھے مگر پھر نیاز بابا، ہاں نیاز بابا نے مجھے گود میں اٹھا لیا تھا، مجھے بہت زور کی چوٹ لگی تھی جب تم اور نیاز بابا سر جھکا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گھر سے جا رہے تھے اور میں، میں اپنی کمر کی چوٹ بھول کر تمہیں اور نیاز بابا کے جانے پر دادو کی گود میں سر رکھ کر بہت روئی تھی۔'' کہتے ہوئے عریج کی آواز بھرائی تھی ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''عریج..... عریج..... پلیز رونا نہیں..... دیکھو اللہ پاک کا کرم ہے ناں کہ وہ بچہ اتنا بڑا ہو کر ایک بار پھر تم سے مل گیا۔'' زیدان نے اس کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی محسوس کر کے جلدی سے کہا۔

''چلو ایسا کرو، ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی کر آ جاؤ پھر میں تم کو اپنی کہانی سناتا ہوں۔'' زیدان نے کہا۔

اس نے فوراً اس کی بات مانی اور پانی پی کر عریج نے دوبارہ سیل فون انبھالا۔ زیدان نے کہنا شروع کیا۔

''میرے پاپا کا انتقال جب ہوا تب میں پانچ سال کا تھا، میری اماں میرے پاپا کی فرسٹ کزن یعنی تایا کی بیٹی تھیں۔ میری دادو بھی نہیں تھیں، اس لیے بابا کے انتقال کے بعد میری اماں دادا جی کے گھر سے نہیں گئیں، کہ دادا جی اکیلے ہو جائیں گے، دادا جی حالانکہ پڑھے لکھے بندے تھے مگر ایک آفس میں معمولی سی جاب تھی، ساتھ میں وہ تمہارے بڑے پاپا کے گھر اوپر کے کام کر دیا کرتے تھے، کیونکہ گھر چلانے کے لیے تنخواہ ناکافی ہوتی، کبھی کبھی میں بھی ان کے ساتھ آ جاتا، وہاں میں نے تم کو دیکھا اندازہ اسی وقت ہو گیا تھا، خیر رشتوں کے بارے میں تو نہیں پتا تھا مگر دادا جی اماں سے کبھی کبھی تمہارے حوالے سے بات کرتے کہ کس طرح تمہارے پیرنٹس کی ڈیتھ ہو گئی اور تمہارے ساتھ گھر والوں کا رویہ کیسا ہے؟ میں بے شک چھوٹا تھا مگر اتنا چھوٹا بھی نہیں تھا، اس لیے وہ سب سن کر اس وقت سے ہی تم سے خاص ہمدردی ہو گئی تھی اور نادانستہ ہی دل تمہارے لیے نرم ہو گیا تھا..... دل کرتا تھا کہ تمہارے ساتھ کھیلوں، تم ہنسو، باتیں کرو، اور دوسرے بچوں کی طرح شور مچاؤ، شرارت کرو مگر تم کو ہمیشہ چپ چپ اور سہما ہوا دیکھا، تب سے ہی تمہاری فیملی سے مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی نفرت ہونے لگی تھی اور تم سے ہمدردی، بہر حال جن حالات میں تمہارے گھر سے نکلے، مجھے بھی بہت افسوس ہو رہا تھا کہ تم سے کھیل نہیں پاؤں گا، میں تو تم کو اداسی سے باہر نکالنا چاہتا تھا مگر حالات ایسے بدلے کہ دادا جی کی برداشت بھی جواب دے گئی اور وہ بھی چپ نہ رہ سکے اور تمہارے حق میں بولے تو ان کو بے عزت کر کے نکال دیا گیا..... میں بھی پڑھنے میں اچھا تھا، میں نے بھی خود کو پڑھائی میں مصروف کر لیا، تین چار سال گزر گئے شاید میں نویں کلاس میں تھا، ایک بار دادا جی کے کسی دوست کی طبیعت خراب ہو گئی تھی تو دادا جی ان کے لیے خون کا بندوبست کرنے بلڈ بینک گئے وہاں پر عارض کے والد بھی موجود تھے، وہ بے حد امیر اور پیسے والے تھے، عارض کا

بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا تھا، اسے خون کی اشد ضرورت تھی اور متعلقہ خون موجود نہیں تھا.....اس کے والد بہت پریشان تھے اس وقت دادا جی کی صحت اچھی تھی اتفاق سے بلڈ گروپ بھی ''سیم'' تھا سو دادا جی نے فوراً آفر کر دی تھی، ویسے بھی دادا جی فطرتاً نرم مزاج ہیں اس لیے ان کی پریشانی دیکھی نہ گئی تھی۔ انکل نے دادا جی کو دیکھ کر باقاعدہ ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا کہ آپ جتنے چاہیں پیسے لے لیں مگر بلڈ دے دیں میرا اکلوتا بچہ اس وقت موت و زیست کی کشمکش میں ہے۔ فوری خون کی ضرورت ہے۔'' دادا جی نے ان کے ہاتھ تھام کر عاجزی سے کہا تھا۔

''اگر میرا خون آپ کے بچے کی جان بچا سکے تو اللہ کی مہربانی ہوگی آپ ایسا مت کریں، میں ابھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔'' اور عارض کی جان بچ گئی اور انکل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دادا جی کا کیسے شکر ادا کریں.....دراصل عارض انکل کا ایک ہی بیٹا تھا اور ماں باپ دونوں کی مکمل توجہ اس پر تھی .....انکل فیملی کے ساتھ امریکہ میں رہتے تھے اور جب ہی پاکستان شفٹ ہوئے تھے اور یہ حادثہ ہو گیا تھا ،تب دادا جی کے بارے میں تفصیل معلوم کر کے انکل نے دادا جی کو اپنے آفس میں جاب دینے کی آفر کر دی۔ دادا جی نے ہامی بھر لی اور اکاؤنٹس کا کام دیکھنے لگے، انکل بہت شفیق انسان ہیں ویسے ہی ان کی اہلیہ بھی تھیں، اب تو ان کا انتقال ہو گیا ہے، مجھے بالکل دونوں اپنے بیٹے کی طرح سمجھتے تھے، کہتے ہیں ناں ایک در بند ہو تو ستر کھل جاتے ہیں.....الحمدللہ ہمارے لیے بھی اچھے دنوں کی شروعات ہو چکی تھیں، گھر میں معقول آمدنی آنے لگی تھی، میں تعلیمی مدارج طے کرتا گیا، الحمدللہ ہمیشہ ٹاپ کلاس رہا، عارض سے بھی میری دوستی اچھی رہی، انکل کی اسٹیٹ ایجنسی تھی اور عارض نے پڑھائی مکمل کی اور یہاں منیجر بن گیا، اور مجھ سے بھی ریکویسٹ کی کہ میں بھی یہاں آ جاؤں، بس پچھلے تین سالوں سے یہاں پر ہوں اور اب تمہارے سامنے ہوں لیکن مجھے بھی کبھی کبھی تمہاری یاد آتی تھی، کتنی بار دل کرتا تھا کہ ایک بار اس ایریے کا چکر لگاؤں لیکن پھر مجھے تمہاری بڑی مما کی وہ باتیں، وہ انداز یاد آ جاتا اور میرا خون کھول جاتا

.....دیکھو ویسے اللہ پاک کی شان کہ اس نے کہاں اور کیسے ہمیں ملا دیا؟ مطلب ہماری دوستی سچی اور پکی والی ہے۔'' زیدان کی بات پر عریج ہنسنے لگی۔ کتنے دن بعد آج وہ ہنسی تھی، اسے زیدان سے اتنی دیر تک بات کر کے اچھا لگا تھا۔

''اوکے یار، صبح ملتے ہیں بہت رات ہو چکی ہے شب بخیر۔'' زیدان نے وقت کا احساس دلایا، واقعی تہجد کا وقت ہو رہا تھا، اس وقت وہ تہجد پڑھتی تھی دادو کے ساتھ مگر آج تو ہلکی سی آنکھ بھی نہیں لگی تھی، آج کا جاگنا اسے برا نہیں لگا..... بے چینی نہیں ہوئی بلکہ زیدان سے بات کر کے سکوں کا احساس ہوا تھا۔

''اوکے شب بخیر..... ٹیک کیئر۔'' عریج نے جواباً کہا۔

''سیم ٹو یو۔'' زیدان کی آواز آئی۔

☆.....☆.....☆

شام کا وقت تھا گرمیوں کی خوشگوار شام تھی مختار شاہ اور نویر آفس میں تھے، نمیر آج کل آفس نہیں جا رہا تھا بلکہ اپنے دوست ساحر کے ساتھ مل کر نیا کام شروع کرنے کے چکر میں تھا۔ ساحر نے اسے بہت سبز باغ دکھائے تھے اور نمیر اس کی باتوں میں آ گیا تھا..... بجائے اپنے کاروبار کو وسعت دے، وہ اس ڈوبتے کاروبار سے دستبردار ہو کر ساحر کے ساتھ کام کرنے کو ترجیح دے رہا تھا حالانکہ زرتاشہ نے باز رکھنے کی بہت کوشش بھی کی کہ اپنا کام اپنا ہوتا ہے لیکن وہ بھی اپنے باپ اور اپنی ماں کی طرح ضدی تھا سو اپنی بات پر اڑ کر ساحر کے ساتھ اسی سلسلے میں بھاگ دوڑ کرنے لگا..... زرتاشہ اور ایک ملازمہ گھر پر تھے، زرتاشہ لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھی، ساتھ ہی نگین سے کال پر بات بھی ہو رہی تھی، نگین کی بیٹی حاویہ کی شادی وہ وہیں کر رہی تھی، اس کے شوہر کے دوست کا بیٹا تھا، دوست کی فیملی وہیں آباد تھی اور نگین اور اس کے شوہر کا بھی وہیں رہنے کا پروگرام تھا، اس لیے کیف کا رشتہ بھی وہیں طے کر دیا تھا۔ نگین نے پاکستان سے کچھ چیزیں منگوانی تھیں اسی سلسلے میں بات ہو رہی تھی۔ ابھی کال بند کر کے موبائل رکھا ہی

تھا کہ نمیر گیٹ سے اندر داخل ہوا۔ گاڑی بڑی تیزی سے اندر لایا تو زرتاشہ گھبرا گئی۔

''الٰہی خیر۔'' بے اختیار منہ سے نکلا۔

''مما..... بہت گڑبڑ ہوگئی ہے۔'' نمیر گاڑی سے اتر کر تیزی سے اس کی جانب آیا۔

''کیا ہوا..... سب خیریت تو ہے ناں، تمہارے پاپا، نویر؟'' زرتاشہ نے اس کو اتنا ہراساں دیکھا تو گھبرا کر کرسی سے اٹھ گئی اور دل پر ہاتھ رکھ کر پریشانی سے سوال کیا۔

''جی مما وہ تو ٹھیک ہیں..... آپ اندر آئیں۔''

''یا اللہ یہ لڑکا کیسی پہیلیاں بجھوا رہا ہے؟'' زرتاشہ تیزی سے اس کے پیچھے اندر کی طرف گئی۔

''مما میری گاڑی سے ایک لڑکی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور وہ..... وہ مر گئی..... میرے ساتھ ساحر تھا شکر ہے وہ سنسان سڑک تھی، ساحر نے مجھے وہاں سے بھگا دیا اور کہا میں دیکھتا ہوں..... پتا نہیں اب کیا ہوگا، بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے..... وہاں سی سی ٹی وی کیمرے بھی ہوں گے، میں اریسٹ ہو جاؤں گا مما..... سمجھ نہیں آ رہا کیا کروں؟''

''اوہ میرے اللہ، اب کیا ہوگا؟'' زرتاشہ دو ہتڑ مار کر کرسی پر ڈھے گئی۔ نمیر رونے والا ہو رہا تھا۔ لاؤنج میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

''کتنا سمجھایا تھا کہ ادھر ادھر منہ مت مارو..... اپنے کام میں دلچسپی لو مگر تم پر تو بھوت سوار تھا..... اب کیا ہوگا؟'' زرتاشہ باقاعدہ رونے لگی، ظاہری بات تھی نمیر کے ہاتھوں ایک جان ضائع ہوئی تھی اسے سزا ملتی بھی تو موت کی..... یہ سوچ کر زرتاشہ کے پیروں تلے زمین نکلی جا رہی تھی، تھوڑی دیر میں مختار اور نویر بھی آ گئے تھے، سب لوگ اس نئی افتاد پر پریشان تھے، سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کریں، کسی وقت بھی پولیس آ سکتی تھی، ساحر سے کوئی رابطہ نہیں ہو رہا تھا..... پل پل گزارنا مشکل ہو رہا تھا، عزیج گھر آئی تو آج گھر کے ماحول کو عجیب سا محسوس کیا۔ زرتاشہ رو رہی تھی، مختار شاہ دونوں ہاتھ باندھے ٹہل رہے تھے،

نمیر اور نویر کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھی۔

''اسلام علیکم! بڑی مما خیر تو ہے؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھی۔

''ہاں سب خیر ہے..... بس کاروباری مسائل ہیں۔'' زرتاشہ نے آنکھیں چراتے ہوئے جواب دیا۔

''اوہ اچھا اللہ پاک خیر کرے۔'' عریج نے محسوس کیا کہ بات کچھ اور ہے، کاروباری مسائل تو ہمیشہ سے رہے تھے..... جب سنا نقصان ہی سنا تھا مگر یوں سوگ مناتے ہوئے پہلی بار دیکھا تھا، عریج نے بھی مزید ٹھہرنا یا کریدنا مناسب نہیں سمجھا اور آگے بڑھ گئی۔ کچھ دیر میں اصلیت واضح ہوگئی جب گھر پر پولیس آگئی۔

''الٰہی رحم کرنا۔'' عریج مے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا تو گھبرائی۔ زرتاشہ روتے ہوئے باہر نکلی، مختار شاہ کے کندھے مزید جھکے ہوئے لگ رہے تھے۔ نمیر سر جھکا کر پولیس اہلکاروں کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا..... بات چھپ تو نہیں سکتی تھی، عریج کو بھی پتا چل گیا کہ نمیر کی گاڑی سے ایک لڑکی کی موت ہوگئی ہے، رسوائی، بے عزتی اپنی جگہ لیکن معاملہ نہایت سنگین تھا، جس میں بچنے کے چانسز بھی نہیں تھے۔ گھر کا ماحول ایسا ہوگیا جیسے کہ گھر میں موت ہوگئی ہو۔ زرتاشہ پر غشی کے دورے پڑنے لگے..... رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی، مختار شاہ الگ پریشان تھے، نویر اپنی تمام تر کوششیں صرف کرنے میں مصروف تھا، دوستوں سے روابطے اور کال، صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا۔

مختار شاہ اپنے طور پر رابطہ کر رہے تھے مگر سب ہی جانتے تھے کہ معاملہ سنگین ہے۔ ثبوت موجود تھے، ساحر نے کافی امید دلائی تھی حالات کی بہتری اور سنبھالنے کا وعدہ کیا تھا کہ کسی نہ کسی صورت وہ معاملہ ٹھیک کرلے گا..... بظاہر تو کوئی امکانات نظر نہیں آرہے تھے کہ معاملہ بہتر ہوتا، ایسے معاملات میں تو عوام اور میڈیا بھی انوالو ہو جاتے ہیں، وہ تو شکر تھا کہ یہاں پر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

عریج اور زیدان کو آفس میں جب وقت ملتا، خاص طور پر لنچ ٹائم میں یا نماز کے اوقات میں

دونوں بات چیت کر لیتے۔ ایک دوسرے سے بات کر کے، اپنی اپنی مسائل بتا کر اچھا لگتا..... عریج کا نیاز بابا سے ملنے کا دل کر رہا تھا، کیونکہ نیاز بابا بھی دوا کی طرح لگتے تھے۔ جیسے دادو نے اسے اپنے ساتھ آخری دم تک لگا کر رکھا تھا بالکل اسی طرح نیاز بابا بھی زیدان کے ساتھ تھے۔ اب جبکہ دو سال پہلے زیدان کی والدہ بھی فوت ہو چکی تھیں تو صرف زیدان اور نیاز بابا ہی رہ گئے تھے۔ عریج نے نمیر والی بات بھی زیدان کو بتا دی تھی۔

''اللہ پاک کی لاٹھی بے آواز ہے عریج..... لوگوں کا دل دکھانے والے سمجھتے ہیں کہ وہ پوچھ گچھ سے مستثنیٰ ہیں لیکن ایسا نہیں ہوتا..... کبھی فی الفور اور کبھی دیر سے لیکن اپنے کیے کی سزا ہر کسی کو ضرور ملتی ہے ..... چاہے ہم ظلم سہہ کر، زیادتیاں برداشت کر کے بددعا نہ بھی دیں، لیکن ہمارے دل سے نکلی آہ، اور آنکھ سے بہنے والا آنسو بھی کبھی ایسے بڑے بڑے طوفان اٹھا دیتا ہے کہ جس میں سارا غرور و تکبر اور ساری انا چھوٹے سے تنکے کی طرح بہہ جاتی ہے..... اس کے ہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں، زمین پر خدا (نعوذ باللہ) بننے والے اپنی اوقات بھول جاتے ہیں لیکن وہ ذات ہے ناں جو ان کو ان کی اوقات یاد دلا دیتا ہے، اللہ پاک سب کے لیے بہتر کرے، آمین۔'' لمبی چوڑی تقریر کرنے کے بعد آخر میں خیر کی دعا بھی کر دی۔

''زیدان مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، ایسی باتیں مت کرو پلیز۔'' عریج کا دل گھبرایا، بے شک زیدان کی ہر بات سچ پر مبنی تھی مگر پھر بھی اس کا ننھا سا دل کانپ گیا تھا۔

''بہت معصوم ہو تم قسم سے اور شاید پاگل بھی۔'' زیدان نے غور سے اسے دیکھا۔

''شاید تم سچ کہتے ہو۔'' عریج نے ابرو اٹھا کر زیدان کو دیکھا تو زیدان کا دل ڈول گیا۔ بلاشبہ عریج بے حد خوبصورت تھی۔ حسن و سادگی کا مرقع، معصومیت اور بھولپن کا نمونہ، زیدان کو عریج دل سے اچھی لگنے لگی تھی۔ وہ اس جذبے کو کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا..... ادھر دادا جی زیدان کے پیچھے پڑے تھے۔

''کب تک میں ملازمہ کے ہاتھ کے کھانے کھاؤں گا، مجھے جلدی سے بہو لا کر دو، بڑی خواہش

ہے کہ گھر میں پھر سے رونق دیکھوں، عورت کے بنا گھر بالکل ایسے جیسے بغیر ستون کے مکان کا کھنڈر، جب تک عورت خواہ ماں ہو، بیوی ہو، بہن یا بیٹی گھر میں نہ ہو تب تک وہ مکان صرف کھنڈر رہتا ہے، گھر نہیں بن پاتا..... گھر عورت سے بنتا ہے، عورت کی موجودگی سے گھر میں رونق ہوتی ہے، صحیح معنوں میں آباد ہوتا ہے۔" زیدان ہر بار ٹالتا..... اس بار دادا نے پھر شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔

"بھئی زیدان دیکھو اب تو عارض کی شادی بھی طے ہو گئی ہے، تم سے سال بھر چھوٹا ہی ہو گا وہ، ایک تم ہو جو کہ تیار ہی نہیں ہوتے..... صاف صاف کہہ دو اگر تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے تو، کب تک مجھے ٹرخاتے رہو گے۔" ان کے اس جملے کے ساتھ ہی کتاب پر جھکا زیدان چونکا۔

"پسند۔" زیر لب بڑبڑایا..... آج تو دادا جی نے شادہ کا ذکر چھیڑ کر اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا تھا، اچانک سے عریج کا معصوم چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ زیدان نے سر جھٹک کر ادھر ادھر دیکھا سامنے دادا جی بیٹھے اسے ہی گھور رہے تھے۔

"ارے میاں کیا ہو گیا، فارسی میں بات کر رہا ہوں کیا میں؟ ایسے بی ہیو کیوں کر رہے ہو اور ایک بات بتاؤ، تم نے مجھے اب تک عریج بی بی سے کیوں نہیں ملوایا..... اسے لے کر کیوں نہیں آئے؟" دادا جی کی بات پر وہ کرسی سے اچھلا۔

"کیا....." دادا جی نے اس کے دل میں جھانک کر دیکھ لیا تھا..... یوں چانک سے عریج کو یاد کر کے، عریج کا ذکر انہوں نے زیدان کے دل کے چور پر ڈائریکٹ ہاتھ مارا تھا۔

"اوہ..... دادا جی آپ تو جانتے ہیں ناں وہ بھی آپ سے ملنے کے لیے بے چین ہے مگر آفس ٹائم کے بعد کہیں جا نہیں سکتی اس لیے تو آپ سے کا پر بات کروادی تھی..... ان شاء اللہ جلد ہی ملاقات بھی کرواؤں گا۔" زیدان قدرے سنبھال کر بولا۔

"اچھا میں نماز پڑھ لوں ٹائم نکلا جا رہا ہے۔" فی الوقت بھاگ جانے میں عافیت تھی تب ہی نماز

کا کہہ کر وہ دبے قدموں سے جانے لگا۔ دادا جی سر پیٹ کر رہ گئے۔

''پتا نہیں کیا چاہتا ہے یہ لڑکا۔''

''یہ لڑکا عریج کو چاہتا ہے دادا جی۔'' دوسری جانب وہ کان میں گنگنایا، نیاز بابا جو رخ موڑ کر بیٹھے تھے اس بار وہ چونک کر کرسی سے اچھل پڑے۔

''ہائیں..... یہ کیا کہہ رہا ہے؟''

''سچی یہی بات ہے۔'' اس نے کان کھجاتے ہوئے اعتراف کیا۔

''مگر..... جانتا بھی ہے کہ وہ کس گھر کی بیٹی ہے؟'' نیاز بابا نا امیدی سے بولے۔

''دادا جی وہ وقت گزر گیا..... بے شک وہ بیٹی اسی گھر کی ہے مگر اب وہ ننھی بچی نہیں ہے، وہ اپنے فیصلے خود کر سکتی ہے اور باقی ہمت میں اسے دلاؤں گا..... بس اک بار اس سے بات کر لوں۔' زیدان نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

''اوئے بدمعاش تو۔ تو بڑا چھپا رستم نکلا۔ اپنے دادا جی سے فنکاریاں کرتا رہا لیکن..... لیکن میں اس گھر کس منہ سے جاؤں گا بیٹا؟'' پہلے قدرے خوشگوار لہجے میں کہا اور پھر دادا جی کا لہجہ اداس ہو گیا۔

''اس منہ سے دادا جی، آپ فکر نہ کریں ان شاء اللہ سب بہتر ہو گا..... تھوڑا سا ٹائم دے دیں مجھے۔'' زیدان نے ان کے کاندھوں کو تھام کر پر یقین لہجے میں کہا۔

''آمین۔'' دادا جی نے سر ہلا کر کہا۔

☆.....☆.....☆

''کیا آج ہم لنچ کے لیے باہر جا سکتے ہیں؟ تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔'' زیدان نے صبح عریج سے پوچھا تو عریج نے سر اٹھا کر اسے دیکھا..... آنکھوں میں والہانہ پن نمایاں تھا۔ عریج نے جلدی سے نظریں جھکا لیں، اس کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔

''جی ٹھیک ہے۔''

''تھینک یو سو مچ۔'' زیدان نے مسکرا کر کہا اور آگے بڑھ گیا، بے چینی سے لنچ ٹائم کا انتظار تھا۔

اکثر لڑکے لڑکیاں لنچ کے لیے آفس سے باہر بنے مختلف ریستوران میں جاتی تھیں، عریج لنچ کرتی ہی نہیں تھی، کبھی بسکٹ، کبھی سینڈوچ کھا لیتی۔

''ہاں پہلے یہ بتاؤ لنچ میں کیا لینا ہے؟'' کرسیوں پر بیٹھ کر زیدان نے دونوں کہنیاں میز پر ٹکا کر ایک ہاتھ ٹیبل پر اور دوسرا اپنے گال پر رکھ کر سوال کیا۔

''لائٹ سا منگوالیں، مجھے تو عادت نہیں لنچ کرنے کی۔'' میز پر پرس رکھ کر عریج نے زیدان کی طرف دیکھا۔

''او کے، چائنیز رائس اور شاشلک منگوالیتا ہوں، دل کر رہا ہے چائنیز کھانے کا۔'' زیدان نے کہا تو عریج نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہاں جی عریج یہ بتاؤ دادا جی سے ملنے کب چلو گی؟'' زیدان نے کھانا شروع کرتے ہی سوال کیا۔

''جیسے ہی موقع ملا، بہت دل کر رہا ہے ملنے کا ان سے۔'' وہ بھی ملنے کو بے چین تھی۔

''میں موقع فراہم کرنا چاہ رہا ہوں اگر تم تیار ہو جاؤ تو.....'' زیدان نے کہا۔

''کیا مطلب؟'' عریج نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''عریج ایک بات بتاؤ کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے، اعتماد کرتی ہو مجھ پر کہ میں تمہارے لیے اچھا کر سکتا ہوں؟''

''یہ کیسا سوال ہے زیدان؟ ایک تم ہی تو ہو کہ جس پر میرا بھروسہ اور اعتماد اتنا زیادہ ہے کہ میں ..... مجھ جیسی لڑکی تمہارے ساتھ کھانا کھانے چلی آئی ہے..... کیا اس سے بڑا ثبوت ہے بھروسے اور اعتماد کا؟'' جامع انداز میں سوال پر سوال کر کے زیدان کو لاجواب کر دیا۔

''ونڈرفل.....گڈ گرل، مجھے اسی اعتماد اور بھروسے کی ضرورت ہے.....اسی طرح سے اس سوال کا جواب بھی دے دو کہ کیا زندگی کے سفر میں تم میری ہمسفر بن کر میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو یا دوسرے لفظوں میں میرے بچوں کی جنت بنو گی؟'' شوخی سے کیے گئے مزاحیہ انداز کے اس بے باک سوال پر عریج گڑبڑائی.....اس کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگیں، کھانا چھوڑ کر وہ ایک دم چپ ہو کر زیدان کو تکنے لگی۔

''کیا ہوا عریج.....کیا تمہیں میری بات اچھی نہیں لگی، آئی ایم سوری اگر تم کو برا لگا ہو تو؟' زیدان اس کے انداز سے گھبرایا۔

''نہیں.....نہیں زیدان ایسی بات نہیں، سچ تو یہ ہے کہ اس بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں۔''

''تو اب سوچ لو ناں یار۔'' زیدان بولا۔

''لیکن یہ بھی سچ ہے کہ تمہارے حوالے سے ہمیشہ اچھا محسوس کیا.....تم سے بات کر کے، تم سے مل کے، تمہیں سوچ کر ہمیشہ فریش ہوئی ہوں، زیدان تم بہت اچھے انسان ہو، تمہاری نیچر بچپن سے ہی ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے، تم سے کوئی بھی لڑکی شادی کر سکتی ہے۔''

''افوہ یار، یہ کیا فلسفہ بگھار رہی ہو تم، کوئی بھی لڑکی کا کیا ذکر، میں نے تمہاری بات کی ہے، تم سے سوال کیا ہے، میں سیدھا سادا بندہ ہوں، داؤ پیچ نہیں آتے، نہ ہی عشق و عاشقی میں کوئی ڈپلومہ کر رکھا ہے، اس سلسلے میں بالکل صفر ہوں، اس لیے اتنے آسان اور سلیس انداز میں تم سے بات کی.....سچ تو یہ ہے کہ تم وہ واحد لڑکی ہو جو بچپن سے آج تک مجھے یاد رہی، میں اس جذبے کو کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا، یہ جذبے کی سچائی ہے کہ اتنے سالوں بعد تم مجھے ملی ہو، اور یہ جذبہ یقیناً محبت ہی ہے، ہاں مجھے تم سے محبت ہو چکی ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم کس گھر کی لڑکی ہو۔ آئی لو یو سو مچ۔'' زیدان نے اس بار صاف لفظوں میں دل کی بات کہہ ڈالی۔

''زیدان.....آئی لو یو ٹو۔'' مختصر سے جواب پر زیدان کے ہاتھ سے چمچہ چھوٹ کر ٹیبل پر گرا، شیشے پر چمچہ گرنے کی آواز پر آس پاس ٹیبل پر بیٹھے لوگ چونکے۔

''اوہ.....'' زیدان نے شرمندگی سے ادھر ادھر دیکھا، بے ساختہ عریج کو ہنسی آ گئی۔

''ایک بار.....ایک بار پھر کہنا یار.....میں جذباتی ہو گیا تھا۔'' زیدان کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔اس کے منہ سے خوشی کے مارے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

''آئی لو یو ٹو زیدان اور میں نے ساری زندگی اپنے گھر والوں کے احکامات کی پابندی کی، ان کے احکامات پر سر جھکایا، ان کی زیادتیوں کو سہتی رہی، لیکن اب زندگی کے سب سے بڑے فیصلے کا اختیار صرف اور صرف اپنے آپ کو دوں گی، مجھے تمہارا ساتھ مل جائے میرے لیے خوشی کی بات ہو گی.....بے شک اس بات کو ایشو ضرور بنایا جائے گا، کیونکہ میری مما اور پاپا کو بھی اسی جرم کی سزا ملی تھی کہ پاپا نے مما سے شادی کی .....اس بات کو پھر سے دہرایا جا رہا ہے لیکن اب مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں، میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔'' وہ زعم سے بولی۔''اپنے لیے وہی کروں گی جو میں چاہتی ہوں.....اپنا حق استعمال کروں گی۔''

''اوئے ہوئے.....واہ بھئی واہ، وہ دبو، کمزور اور سہمی ہوئی لڑکی نے تو کمال کر ڈالا یار زبردست.....اسی ہمت، حوصلے کی ضرورت ہے، بس اسے برقرار رکھنا۔'' زیدان حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے بولتا دیکھ رہا تھا، اس کی بات ختم ہوئی تو مارے خوشی کے اس کی بلائیں لے ڈالیں، عریج بری طرح جھینپ گئی، لنچ ٹائم ختم ہو چکا تھا، سو وہ دونوں اٹھ کر آفس کی طرف چل دیئے۔آج جہاں زیدان بے انتہا خوش اور مسرور تھا وہیں عریج بھی اپنے اندر نئی ہمت اور حوصلہ محسوس کر رہی تھی.....سچ ہے سب سے بڑی طاقت محبت میں ہوتی ہے، محبت ہی ہے جو تخت و تاج پر ٹھوکر مار دیتی ہے، محبت ہی ہے جو سولی پر چڑھ جاتی ہے، محبت ہی ہے جو دودھ کی نہر نکال سکتی ہے، یہ محبت ہی ہے جو ستونوں کو ہلا دیتی ہے، کمزور سے کمزور انسان کو بھی طاقتور بنا دیتی ہے، عریج نے اپنے لیے لڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا.....

ساری زندگی اس کو ضرورت سے زیادہ کچھ ملا ہی نہیں تھا.....کھانا اور پہننا، پڑھائی پر ہونے والے اخراجات کے طعنے ساری زندگی سنتی رہی، کبھی پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ میرے پاپا کا حصہ کہاں ہے؟ وہ بھی اس گھر کا فرد تھے، ان کا بھی کاروبار میں حصہ تھا، اور بعد میں بھی انہوں نے گرتی ہوئی ساکھ کو اس وقت سنبھالا، جب وہ پستی کی طرف جا رہا تھا، جب کہ وہ اس گھر سے نکالے جا چکے تھے، اس کے باوجود انہوں نے کاروبار کو دوبارہ سے کھڑا کیا تھا۔ اتنا سب کچھ جانتے ہوئے بھی عریج نے ہمیشہ خاموشی کی چادر کو ہی اپنا لباس رکھا، کبھی منہ در منہ جواب نہیں دیا، آج نجانے کہاں سے اتنی ہمت آ گئی تھی کہ وہ جب وہاں سے اٹھی تو اپنے لیے فیصلہ کر کے اٹھی تھی.....وہ فیصلہ جو محبت کے حق میں تھا۔

☆.....☆.....☆

ساحر نے اپنے طور سے بھاگ دوڑ کی، جس لڑکی کی موت ہوئی تھی وہ گھروں میں کام کرنے والے خانہ بدوش لوگوں کی لڑکی تھی جو اپنی بیٹیوں کو گھروں میں چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے، ساحر نے اس لڑکی کے باپ سے بات کی، کہ اگر وہ پیسے لے کر اپنا کیس واپس لے لے تو اس کی زندگی بن جائے گی۔

''اب تمہاری بیٹی تو واپس نہیں آ سکتی.....کم از کم پیسہ ہی مل جائے گا۔'' وہ لوگ جاہل سہی مگر گھاک اور چالاک ہوتے ہیں، ان کے ہاتھ نمیر کی کمزوری آ گئی تھی، مختار شاہ بھی ادھر ادھر بھاگ کر ہلکان ہو رہے تھے.....لڑکی کے گھر والوں نے جو ڈیمانڈ کی وہ تو بہت زیادہ تھی، کاروبار ویسے ہی نقصان میں جا رہا تھا اوپر سے اب تو توجہ بالکل ہی ہٹ گئی تھی، بینک میں کچھ پیسہ تھا، باقی کا حصہ ساحر نے اپنی طرف سے ڈالا، نمیر کو اپنے دوست کی دوستی پر فخر تھا، مصیبت میں وہ کام آیا تھا، اور پچاس لاکھ کی بھاری رقم درکار تھی.....ساحر نے بہت آسانی سے رقم کا بندوبست کر دیا تھا، یوں معاملہ رفع دفع ہو گیا اور نمیر واپس آ گیا.....ساحر کو سب ناخدا سمجھ رہے تھے کہ اس نے مشکل وقت میں ساتھ دیا تھا، اور ایک طرح

سے نمیر کی زندگی بچائی تھی۔ زرتاشہ مختار شاہ بہت خوش تھے، ساحر نے کہہ دیا تھا۔

''انکل آپ پیسوں کی بالکل فکر مت کریں..... مجھے کوئی جلدی نہیں، نمیر میرا یار ہے اور میں نے اپنی دوستی بچائی ہے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا..... آپ آرام سے لوٹاتے رہیے گا۔'' ہر کوئی ساحر کے اخلاق کے گن گا رہا تھا، عریج کو پتا چلا نمیر گھر واپس آ گیا تو اسے بھی سکون ملا تھا..... کیسے آیا؟ یہ بات اس نے پوچھی اور نہ ہی کسی نے بتائی لیکن ساحر کا مقصد کیا تھا اس بات سے بھی سب لاعلم تھے۔ ساحر بھی شاطر کھلاڑی تھا، اس نے اتنا بڑا کھیل کھیلا تھا جو کام وہ آسانی سے نہیں کر پاتا اتنا سب کچھ ہونے کے بعد، نہ صرف وہ کام آسانی سے ہو جاتا بلکہ سامنے والے مجبور و بے بس ہو کر ہر حال میں وہ کام کرنے پر تیار ہو جاتے..... ساحر نے بڑی پلاننگ کے ساتھ یہ جال بچھایا تھا۔

☆.....☆.....☆

''بڑی مما، آج آفس سے واپسی میں مجھے تھوڑی دیر ہو جائے گی۔'' صبح آفس کے لیے نکلنے سے پہلے عریج نے زرتاشہ کو مخاطب کر کے کہا۔

''کتنی دیر؟'' زرتاشہ نے گردن اٹھا کر اس کو دیکھا۔

''ایک ڈیڑھ گھنٹہ۔'' کہہ کر وہ جواب سنے بغیر آگے بڑھ گئی۔

''ہنہ..... مجھے کون سا تم سے ہاتھ پیر دبوانے ہوتے ہیں۔'' زرتاشہ کی اونچی آواز اس کے کانوں میں آئی مگر وہ سنی ان سنی کر کے آگے بڑھ گئی۔ آج اس کا ارادہ تھا کہ زیدان کے دادا سے ملے، آفس سے فارغ ہو کر وہ اور زیدان باہر نکلے، نیچے ریسٹورنٹ میں نیاز بابا ان لوگوں کے منتظر تھے، عریج نے ان کو دیکھا تو بے اختیار عریج کی آنکھیں نم ہوئی۔ دادا جی نے آگے بڑھ کر عریج کے سر پر ہاتھ رکھا، انکی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ ان کو بے اختیار وہ چھوٹی سی بچی یاد آ گئی تھی جو ہمیشہ سہمی سہمی سی رہتی تھی، جس کو دیکھ کر ان کو بہت برا محسوس ہوتا تھا، خود بخود دل میں ہمدردی آ جاتی اور وہ ننھی بچی کے کام کر دیتے

.....اس کا خاص خیال رکھتے، آج رہی بچی ان کے سامنے تھی، تینوں نے مل کر ایک گھنٹہ خوب باتیں کیں .....دادا جی عریج کی فیملی کی وجہ سے تھوڑے پریشان ضرور تھے کیونکہ ان کو اندازہ تھا کہ وہ کتنے مغرور اور اناوالے ہیں۔لیکن عریج خاصی مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔

''ان شاء اللہ ہم جلد ہی باقاعدہ رشتہ لے کر آئیں گے بیٹی۔'' دادا جی نے جاتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر یقین دلایا۔

''ان شاء اللہ۔'' زیدان اور عریج نے ایک ساتھ کہا۔

زیدان اور دادا جی نے چھوٹے سے مگر اپنا پرانا گھر فروخت کر کے اچھے ایریا میں فلیٹ لے لیا تھا ۔دادا جی اب بھی عارض کے بابا کے ساتھ دفتر میں کام کرتے تھے، زیدان اور دادا جی کی اچھی خاصی آمدنی تھی، ایک ملازمہ تھی جو کھانا وغیرہ پکاتی تھی، صفائی کرتی تھی، اور شام کو اپنے گھر چلی جاتی تھی ۔عریج کو بھلا کسی چیز پر کیا اعتراض ہوتا.....وہ پرسکون زندگی چاہتی تھی، جہاں اس کی عزت ہو، اہمیت ہو، وہ گھر کے معاملات میں کھل کر حصہ لے سکے، جہاں اس کو اضافی شے نہ سمجھا جائے، بلکہ اہم اور فیصلہ کرنے کا حق دیا جائے۔باقی تو اسے نہ روپے پیسے کی طمع تھی نہ آسائشات کی چاہ، اسے زیدان سے لگاؤ ہی نہیں بلکہ سچی اور معصوم محبت تھی، وہ اپنی ذات کی تکمیل چاہتی تھی، زیدان کی محبت بھری باتوں سے اسے بہت سکون ملتا، دادا جی جب سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیتے تب اس کو ڈھیر و ڈھیر سکون ملتا .....دادا جی کے پاس سے دادو جیسی مخصوص مہک آتی، شاید تمام دادا اور دادو ایک جیسے ہوتے ہیں۔محبت کی مٹھاس سے گندھے نرم و ملائم اور نازک جذبوں سے سرشار، جن سے بات کر کے اندر تک سکون اتر جاتا تھا.....جن کی صحبت میں گزارا ہو وقت ایک ایک لمحہ، ایک ایک صدی پر محیط ہوتا، کتنا اچھا لگتا تھا اسے دادا جی سے بات کر کے۔وہ آج بھی ویسے نظر آرہے تھے توانا، چست اور پھرتیلے۔

☆.....☆.....☆

''کیا کہہ رہے ہو نمیر دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟ ایسا ناممکن ہے.....نہیں ہوسکتا ایسا۔'' رات کے کھانے کے بعد نمیر مختار شاہ کے کمرے میں آیا اور ان سے بات کرنا چاہی تھی۔ بات سن کر مختار شاہ نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔

''ناممکن کیوں ہے پاپا.....وہ اتنا بڑا بزنس مین ہے، شادی تو ہمیں کرنی ہی ہے نا اس کی پھر ساحر میں کیا برائی ہے؟''

''نمیر تم کو پتا نہیں ہے کہ اس میں کیا برائی ہے؟ وہ پہلے ہی دو بیویوں کو طلاق دے چکا ہے .....شراب پیتا ہے، آوارہ اور عیاش ہے، دولت نے اسے بگاڑ کر رکھ دیا ہے اور تم کو برائی نظر نہیں آرہی، عمر میں بھی اچھا خاصا بڑا ہے وہ.....کچھ بھی ہو میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا، عریج ہمارے گھر کی بیٹی ہے .....کیا ہوا جو میری بیٹی نہیں مگر میری بیٹی کی جگہ ہے، تم اس کے بھائی ہو، تم ایک بھائی بن کر سوچو اگر تمہاری سگی بہن ہوتی تو کیا تم اس شخص سے اس کی شادی کر دیتے۔'' مختار شاہ گھمبیر لہجے میں بولے۔

''مختار۔'' زرتاشہ بولی۔ ''یہ امیر لوگوں کے شوق ہوتے ہیں، شادیاں بھی ایک سے زیادہ کر لیتے ہیں اور ظاہر ہے بڑی بڑی پارٹیوں میں آنا جانا لگا رہتا ہے تھوڑی بہت پینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا .....یہ تو خوش نصیبی کی بات ہے کہ اتنی امیر فیملی سے رشتہ آیا ہے، ویسے یہ بھی تو دیکھیں کہ کتنے اعلیٰ ظرف ہے کہ انہیں ہم سے کچھ چاہیے بھی نہیں.....جہیز کا ایک بڑا خرچہ بچ جائے گا، ویسے بھی ہم اس پوزیشن میں نہیں ہے، کہ بڑے پیمانے پر جہیز تیار کر سکیں، آپ ایک طرف دیکھتے ہوئے مت سوچیں، دوسری طرف بھی تو دیکھیں ناں اس میں بھی ہمارا فائدہ ہے، وہ بیچارہ تو پہلے ہی کتنا احسان کر چکے ہے، ہم اس کے لاکھوں کے مقروض ہیں مگر اس کے باوجود وہ کوئی ڈیمانڈ نہیں کر رہا اور آپ ہیں کہ خوامخواہ جذباتی ہو رہے ہیں۔'' زرتاشہ جواب تک چپ تھی مختار شاہ کے فیصلہ کن انداز پر بولی اور لمبی چوڑی تقریر کر دی۔

''اللہ کو مانو زرتاشہ، کچھ اللہ کا خوف کرو.....میں نے ہمیشہ تمہاری بات مانی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آج بھی مان لوں گا.....میں یہ نہیں ہونے دوں گا، نمیر تم ساحر کو صاف لفظوں میں انکار

کردو۔'' مختار شاہ نے غصے سے کہا۔

''مختار آپ جذبات میں آ کر فیصلہ کر رہے ہیں، ٹھنڈے دل سے اس فیصلے کے نقصانات اور فائدے پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں۔'' زرتاشہ کہاں چپ رہنے والی تھی۔

''زرتاشہ ہمیشہ اپنا فائدہ نہیں دیکھا جاتا..... کبھی کبھی رشتے زیادہ اہم ہوتے ہیں، ہمیشہ میں نے تمہاری ہر بات مانی..... مگر میں آج یہ ہرگز نہیں ہونے دوں گا، عریج کی بددعا نہیں لوں گا، جانتے بوجھتے میں اسے کنویں میں نہیں دھکیل سکتا۔'' مختار شاہ بدستور اپنے فیصلے پر اٹل رہا۔ زندگی میں پہلی بار، مختار شاہ نے ہمت دکھائی تھی، اس نے آج ایک باپ بن کر سوچا تھا۔

''پاپا آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ ساحر کو انکار کر کے ہمیں کتنا نقصان اٹھانا پڑے گا..... اس نے خود سے عریج کا رشتہ مانگا ہے، وہ عریج کو پسند کرتا ہے، وہ یقیناً عریج کے ساتھ ویسا کچھ نہیں کرے گا جو دوسری لڑکیوں کے ساتھ کر چکا ہے، وہ عریج کو عزت سے رکھے گا، بصورت دیگر ہمیں اس کے پیسے لوٹانے ہوں گے جو ہم کسی صورت نہیں لوٹا سکتے۔'' نویر جو کافی دیر سے ماں اور باپ کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہا تھا..... مختار کو اپنے فیصلے پر ڈٹا دیکھ کر بولا۔

''ٹھیک ہے پاپا اگر آپ کا یہی فیصلہ ہے تو پھر آخری حل بھی سن لیں..... میں نے گھر کی قیمت لگا دی ہے کیونکہ دوسری صورت میں ساحر کو چالیس لاکھ لوٹانے ہوں گے اور ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔'' نمیر اپنا فیصلہ سنا کر دھم دھم کرتا باہر کی جانب نکل گیا۔ اس سے قبل کچن میں کام سے فارغ ہو کر نکمرے کی سمت جاتے ہوئے عریج نے اپنا نام سنا تو زرتاشہ کے کمرے کے پاس کھڑی ہوگئی۔ اندر سے آتی باتوں کی آوازیں سن کر اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی..... یہ کیسی باتیں ہو رہی تھی، اس کی زندگی کا فیصلہ ہو رہا تھا، صرف بڑے پاپا نے مخالفت کی، ان کی بات میں کہاں دم ہوتا ہے، اگر خدانخواستہ میرے ساتھ زبردستی کر بیٹھے..... اف اس نے جھرجھری لی..... ساحر جو شکل سے ہی اوباش اور آوارہ لگتا تھا، آنکھوں میں ہمیشہ عجیب سی خباثت ہوتی، بے تحاشہ شراب نوشی سے آنکھوں کے

گرد سیاہ حلقوں نے ان کی آنکھوں کو مزید مشکوک بنا دیا تھا۔ کبھی کبھی نمیر اس کے قصے زرتاشہ اور نویر کو مزے لے لے کر سناتا اس کی عیاشیوں کی داستانیں سنائی جاتیں..... وہ بگڑا ہوا امیر زادہ تھا جس کی کمزوری خوبصورت لڑکی تھی، پیسے کے بل پر نجانے کتنی لڑکیوں کی زندگیاں برباد کر چکا تھا۔ عریج تیزی سے اپنے کمرے کی جانب آئی، خوف سے اس کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے، اپنا مستقبل خطرے میں نظر آ رہا تھا، چاہا فوراً زیدان کو میسج کرے مگر شاید وہ سو چکا تھا، تب ہی سلام کا جواب نہیں دیا۔

"یا اللہ..... مجھے اپنی امان میں رکھنا میرے مولا، اپنے ہی گھر میں، مجھے اپنے ہی لوگوں سے خوف آ رہا ہے..... اگر وہ غنڈہ زبردستی کر لے تو میں، میں تو مر ہی جاؤں گی میرے اللہ۔" وہ خود کو مضبوط بناتے ہوئے ڈھے گئی، اسے اندازہ نہیں تھا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے، بمشکل کروٹیں بدل بدل کر رات گزاری۔

صبح زیدان کو وقت سے کچھ پہلے آفس بلوا لیا اور خود بھی پہنچ کر سارا واقعہ اس کے سامنے بیان کر دیا۔

"اگ نو بت یہاں تک آ گئی ہے، وہ لوگ خود کو آخر سمجھتے کیا ہیں..... بہت کر چکے اپنی من مانی مگر اب میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا، حد ہوتی ہے ذلالت کی، ابھی اسی وقت مجھے لے کر چلو سالوں کو مزہ چکھا دیتا ہوں..... خود غرضی میں کتنے غرق ہو چکے ہیں یہ لوگ شرم و حیا بیچ کھائی ہے۔" زیدان آپے سے باہر ہو گیا۔

"پلیز زیدان کول ڈاؤن..... اس طرح سے نہیں بلکہ ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا، ابھی ان کو پتا نہ چلے کہ میں سب کچھ جان گئی ہوں ورنہ میری جاب بھی چھڑوا دیں گے۔" عریج روہانسی ہوئی۔

"اف....." زیدان نے ہتھیلی پر مکا مارا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ جا کر نمیر کا گلا دبا دے۔

"ہیلو گائز۔" اتفاق سے اس وقت عارض بھی آ گیا۔

آج وہ وقت سے پہلے آ گیا تھا۔

"کیا ہوا کوئی مسئلہ ہے کیا؟" کچھ باتیں زیدان نے عارض کے کان میں بھی ڈال رکھی تھی، تب سے عارض بھی عریج کا خاص خیال رکھتا تھا۔

"یار..... اس کے گھر والوں نے نیا پنگا ڈال دیا ہے اس بار تو میرے ہاتھ سے نہیں بچیں گے

سالے۔" زیدان جذبات میں آ کر بولا۔

"مس عریج اور زیدان میرے روم میں آؤ..... یہاں پر بات کرنا مناسب نہیں۔" عارض نے کہا ۔اکادکا لوگ آنے لگے تھے۔ وہ لوگ اس وقت آفس میں تھے اور ساری بات اس کے گوش گزار کر دی تھی۔

"اوہ..... تو یہ بات ہے۔" عارض نے ساری بات سن کر تفکر بھرے انداز میں سر ہلایا۔

"میرا خیال ہے تم دادا جی سے مشورہ کر لو وہ عقل مندہ سے کوئی حل نکال لیں گے۔" عارض کی بات پر عریج اور زیدان نے اثبات میں سر ہلایا۔

طے یہ پایا کہ آج دوپہر کو دادا جی اور عارض کے پاپا کو بلوا لیا جائے تا کہ کوئی مناسب حل نکالا جا سکے۔ لنچ ٹائم میں دادا جی اور عارض کے پاپا عارض کے روم میں بیٹھے زیدان اور عریج کا انتظار کر رہے تھے۔ پہلے زیدان ناک کر کے کمرے میں داخل ہوا پھر عریج بھی آ گئی۔

"اسلام علیکم!" سلام کی آواز پر سب نے نگاہ اٹھائی، عارض کے پاپا اس کی آواز پر ہلکے سے چونکے تھے، برسوں پرانی ذہن کے کسی گوشے میں ایسی آواز، کسی بھولی بسری یاد کی طرح محفوظ تھی، آواز کی سمت نگاہ اٹھائی جیسے ہی نظر سامنے پڑی تو حیرت سے ان کی آنکھیں پھیلتی چلی گئی..... آواز اور پھر یہ شکل وصورت، قد وقامت، رنگت، وہ بری طرح چونکے، جھٹکے سے سر اٹھا کر آنکھیں جھپک کر دوبارہ غور سے عریج کو دیکھا..... بے خیالی میں، عریج کو دیکھ رہے تھے، ان کا یہ انداز..... اس طرح سے محو ہو جانا، چہرے پر عجیب وغریب اثرات نمایاں تھے، ان کی اس کیفیت کو عریج سمیت سب نے محسوس کیا، عارض کو ان کی کیفیت سمجھ میں نہیں آئی۔ عریج بری طرح جھینپ گئی۔

قسط نمبر 5

''عریج.....عریج۔'' وہ زیر لب بڑبڑائے، وہ پری گل کا مکمل پرتو تھی، کئی سال گزر جانے کے بعد بھی اعظم شیخ کی آنکھوں میں زوار شاہ کی شاندار شخصیت اور پری گل کا خوب صورت چہرہ بسا ہوا تھا۔

''تمہارا پورا نام؟'' اعظم شیخ کرسی سے اٹھ کر بے ساختہ عریج کی سمت بڑھے۔

''عریج.....عریج زوار شاہ۔'' عریج بری طرح نروس ہوگئی تھی۔ ان کا عجیب وغریب انداز دیکھ کر سب لوگ ہی حیرت زدہ تھے۔

''اوہ میرے اللہ.....یہ.....یہ کیا دیکھ رہا ہوں میں۔'' اعظم شیخ سر پکڑ کر کرسی پر دوبارہ گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔

''پاپا.....کیا ہوا.....آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' عارض گھبرا کر اٹھا.....زیدان بھی کرسی سے اٹھ کر ان کے پاس آیا۔

''یہ بچی.....یہ بچی.....میرے دوست، میرے پارٹنر.....زوار شاہ کی بیٹی ہے.....یا اللہ میں نے کتنا ڈھونڈا، پاگلوں کی طرح تلاش کرتا رہا مگر وہ نہیں ملا.....مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ.....فوت ہوگیا ہے۔'' عارض نے ان کو عریج کے حوالے سے ساری باتیں بتا دیں تھی۔

دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر اعظم شیخ بچوں کی طرح بلک بلک کر رو دیئے، ان کو اس طرح روتا دیکھ کر عریج بھی رونے لگی۔

''میری بچی، مجھے اپنا دوست، اس کی محبت وخلوص کی اب بھی بہت قدر ہے، اس نے مجھ سے بھی زیادہ محنت کر کے میرے کاروبار کو وسعت دی، وہ یوں اچانک سے مجھے چھوڑ کر چلا گیا اور ایسے گیا کہ نہ نام چھوڑا نہ ہی رابطے کی کوئی صورت..... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہو گیا تھا ،اس نے اپنی فیملی کے بارے میں کبھی نہیں بتایا تھا..... آج تم کو دیکھا تو تو تمہاری ماں کی یاد آئی، تم ہو بہو اپنی ماں کی ہم شکل ہو، تب ہی مجھے کھٹکا ہوا کہ تم یقیناً زوار شاہ کی بیٹی ہو۔ میری لگن سچی تھی، مجھے یقین تھا تب ہی میں نے ہمیشہ زوار شاہ کے نام کے اس کے حصے کے پیسے الگ جمع کیے..... پتہ نہیں کیوں مجھے لگتا تھا کہ مجھے زوار ضرور ملے گا، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اتنے سالوں بعد یوں اچانک سے مجھے تم مل جاؤ گی..... اب تمہیں کسی بھی طرح فکر کرنے کی ضرورت نہیں..... تمہارے پاپا نہیں ہیں تو کیا ہوا؟ اب میں ہوں ناں..... میں اپنے دوست کے احسان کو نہیں بھول سکتا، اس نے میرا بہت ساتھ دیا، میں نے کاروبار کی شروعات اس کے ساتھ مل کر کی تھی، پہلے امریکہ میں اور پھر یہاں آ کر بھی اپنا کام کیا، میں سمجھتا ہوں میرے کاروبار میں وہ بھی حصے سا رہے، وہ نہ سہی اس کی بیٹی ہی سہی..... کتنا یاد کرتا تھا میں اپنے دوست کو۔'' اعظم شیخ بے حد جذباتی ہو رہے تھے، عریج کو بھی رونا آ رہا تھا۔ نیاز بابا نے اٹھ کر عریج کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''بیٹی..... اب رونا نہیں، دیکھو اللہ پاک کیسے راستے بنا رہا ہے، کیسی کیسی انہونی ہو رہی ہے، پہلے زیدان سے ملیں اور آج بالکل غیر یقینی انداز میں اعظم صاحب سے کس حالت میں ملاقات ہو گئی۔ تب عارض کو یاد آیا کہ عریج کو بچپن میں دیکھا تھا..... بہت پیاری سی گڑیا جیسی عریج اسے بہنا جیسی لگتی تھی۔' اعظم شیخ کچھ سنبھلے، عریج ان کے پاس کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ اعظم شیخ کو بھی اس کے بارے میں ساری کہانی کا علم تھا..... اعظم شیخ نے عریج کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''میری بیٹی، اللہ پاک نے تمہارے سر پر جو آزمائشیں ڈالی تھیں وہ اب ان شاء اللہ ختم ہونے

والی ہیں..... مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ تمہارے گھر والے بہت لالچی لوگ ہیں، ان کو رشتوں کی اہمیت سے زیادہ پیسوں کی ضرورت ہے، بہت چھوٹہ سوچ رکھنے والے بڑے لوگ..... وہ پیسے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہو سکتے ہیں..... آوے کا آوہ ہی بگڑا ہوا ہے..... اب تم ویسا کرنا جیسا ہم کہیں۔'' اعظم شیخ نے اسے کچھ سمجھاتے ہوئے کہا۔ اچانک سے عریج کو سامنے دیکھ کر جذبات قابو میں نہیں رکھ پا رہے تھے۔ وہ ساری زندگی ایک لمحے کے لیے بھی زوار کو نہیں بھولے تھے۔ وہ سارا حساب کتاب کر کے زوار کی امانت لوٹانے کی نیت رکھتے تھے، عریج کے مل جانے سے برسوں سے دل و دماغ پر چھایا ہوا بوجھ یک دم ختم ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

''دیکھنا بیٹی اب میں کیا کرتا ہوں؟ کس طرح سے ان لوگوں کو نچاتا ہوں۔'' اعظم شیخ دوسری جانب مختار شاہ اور ان کے بیٹوں سے نالاں بھی تھے۔ ''ابھی مجھے ایک کام کے سلسلے میں جانا ہے، ایک سودا کر رہا ہوں، وہاں سے فارغ ہو کر تمہارے بڑے پاپا کو کال کر کے تمہارے اور زوار کے حوالے سے بات کرتا ہوں۔'' اعظم شیخ نے کہا۔

''جی انکل ٹھیک ہے۔'' عریج نے مختار شاہ کا نمبر ان کو دے دیا۔

''ہا اللہ پاک تو کتنا رحیم و کریم ہے، کیسے کیسے راستے بناتا ہے، جس کا کوئی نہیں ہوتا، اس کا اللہ ہوتا ہے بیٹی..... دیکھو اس طرح سے ہم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک بار پھر سے مل جائیں گے..... اعظم صاحب کا مجھ سے ملنا اور اس طرح کڑی سے کڑی ملتی گئی..... اب ان شاء اللہ تمہارے لیے بہتری ہو گی، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔'' دادا جی نے پر یقین لہجے میں کہا۔ زیدان بہت خوش تھا، عارض کے چہرے پر بھی اطمینان تھا۔ پتہ نہیں کیوں پہلے دن سے عریج اسے اچھی لگی تھی دیگر لڑکیوں سے مختلف اور منفرد، شرم و حیا کا پیکر..... عریج نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''جی دادا جی، اللہ پاک نے مجھ پر خوشیوں کے دروازے کھول دیئے ہیں اور اس پر اللہ پاک کا

جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔'' کچھ دیر بعد یہ میٹنگ ختم ہوئی اور عریج جو آتے وقت بے حد پریشان تھی کمرے سے نکلتے وقت اتنی ہی پرسکون اور مطمئن تھی۔ سچ ہے کہ پریشانی اور مصیبت کے وقت مورل سپورٹ بہت بڑی چیز ہوتی ہے۔ یہاں تو مورل سپورٹ ہی نہیں بلکہ ہر طرح کی سپورٹ مل گئی تھی۔

وہ عشاء کی نماز پڑھتے ہی سوگئی تھی۔ وہ شاید خواب تھا۔ یوں لگا وہ سفید پھولوں سے گھرے ایک باغ میں ہے۔ وہ حیرت سے دیکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی، ہر طرف سفید پھولوں کی پاکیزگی کا نور پھیلا ہوا تھا، تب ہی وہ رکی اور ریل ٹک اس احاطہ کی طرف بڑھی جہاں ایک نورانی ہیولا اسے دکھائی دیا۔ وہ کوئی عورت تھی جو سفید اور سبز لباس میں ملبوس تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں سفید پھول تھے، وہ نورانی ہیولا اس کی طرف بڑھا تو وہ چند قدم پیچھے ہٹ گئی مگر وہ نورانی شخصیت اس کے بالکل قریب آگئی اور اس کی طرف دونوں ہاتھ بڑھا دیئے۔ اس نے دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھوں میں سفید پھول تھے۔ وہ ہچکچائی تو آواز آئی۔

''لے لو۔'' مگر وہ ہچکچائی۔

''لے لو..... تمہارے دکھ، سکھ میں بدل جائیں گے، یہ سب لے لو۔'' وہ مشینی انداز میں اس کو دیکھتی رہی اور اس کو یوں لگا جیسے سفید پھول اس کے ہاتھوں میں آگئے ہوں۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر وہ ہیولا غائب ہوگیا تھا۔ وہ یک دم جاگی۔ اچانک اس کی آنکھ کھلی وہ جائے نماز پہ تھی اور اس کے ہاتھوں پہ خوشبو تھی۔

☆.....☆.....☆

اسی شام چار گواہوں کے سامنے عریج کے جملہ حقوق زیدان مقتضیٰ کے نام محفوظ ہوگئے..... اپنے نام کے ساتھ زیدان کا نام لگا کر اس کے دائیں اور بائیں باپ جیسے شفیق، اعظم شیخ اور دادا جی جیسے نیاز بابا موجود تھے دیکھا تو سامنے عارض بھی تھا..... عارض تو کبھی کام کے علاوہ زیادہ بات نہیں کرتا تھا پر آج

جب اس نے نکاح کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر ایک بھائی کی طرح دعا دی تو عریج کو رونا آ گیا، ایک غیر لڑکا جس سے کوئی خون کا رشتہ بھی نہیں تھا، اسکی آنکھیں، عریج کے لیے نم ہو رہی تھیں۔ یہ..... یہ غیر تو اپنوں سے لاکھ درجے بہتر تھے۔ نمیر اور نویر نے سر پر ہاتھ رکھنا تو دور در کنار کبھی سیدھے منہ بات بھی نہیں کی تھی ..... اعظم شیخ اس کو لپٹا کر باقاعدہ دیئے تھے..... زوار شاہ کی یاد آ گئی تھی، وہ اپنے طور پر عریج کے لیے ایک باپ کی طرح سوچ رکھتے تھے۔ جن کو اپنوں سے محبت نہ ملے، وقت اور چاہت نہ ملے ان کو غیروں سے وہ سب کچھ مل جاتا ہے جس کی تمنا وہ ساری عمر کرتے رہتے ہیں گو کہ دیر سے ہی سہی مگر ان کی تشنگی ضرور مٹ جاتی ہے، عریج بے حد مطمئن تھی، اب کوئی ڈر کوئی خوف نہ رہا تھا۔

عریج آفس سے لوٹی..... فریش ہو کر چائے بنائی اور کب اٹھا کر لان میں آ گئی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔ حالانکہ موسم بدل رہا تھا..... اس وقت ہوا میں اچھی خاصی خنکی بڑھ گئی تھی، چائے بنانے کے دوران اس نے نمیر، نویر اور زرتاشہ کی مبہم سی گفتگو سنی تھی، جس سے اندازہ لگایا تھا کہ گھر کا سودا ہو گیا ہے اور نمیر نے ایک فلیٹ خرید لیا ہے۔

''نمیر بیٹا کیسے رہیں گے ہم اس طار کمروں کے فلیٹ میں؟ میرا ویسے بھی فلیٹ کے ماحول میں دم گھٹتا ہے، اتنے بڑے گھر میں رہتے ہوئے زندگی گزار دی اب اس طرح سے چھوٹا سا فلیٹ.....؟''

''اوہ مما..... ایڈجسٹ تو کرنا پڑے گا ناں یا پھر چڑھوا دیں مجھے پھانسی کے تختے پر، سمجھیں آپ نے میری زندگی خریدی ہے یہ گھر بیچ کر، آپ لوگوں کے لیے چند گز زمین میری زندگی سے زیادہ اہم ہو گئی ہے تو ٹھیک ہے میں نہیں کرتا یہ سب..... آپ لوگ رہیں اپنے وسیع ع عریض گھر میں اور مجھے جیل کی کال کوٹھری میں مرنے کے لیے چھوڑ دیں۔'' نمیر، زرتاشہ کی بات درمیان سے کاٹ کر بدتمیزی سے بولا۔

''ہائے..... ہائی اللہ نہ کرے کیسی باتیں کر رہے ہو نمیر۔'' زرتاشہ تڑپ کر بولیں۔

''پھر کیا کہوں؟ جب سے گھر کا سودا ہوا ہے، پاپا مسلسل بک بک کر رہے ہیں، آپ ہائے ہائے

مچا رہی ہے، اس کا یہی مطلب ہوا ناں کہ آپ لوگوں کو یہ گھر عزیز ہے۔'' وہ انتہائی بدتمیزی سے بولا۔

''یہ فطری عمل ہے بھائی، خوامخواہ ہائپر ہونے کی ضرورت نہیں..... ایک ڈرف آپ کی وجہ سے اتنا بڑا گھر یوں اونے پونے فروخت ہو رہا ہے..... ری ایکٹ تو کریں گے نا ہم لوگ، یہ گھر صرف آپ کا تو نہیں ہے ناں ہم سب کا ہے۔'' نویر کی بات پر سامنے بیٹھے مختار شاہ اور ساتھ ساتھ زرتاشہ بری طرح چونکے، بے شک نویر کی بات صحیح تھی۔

''مطلب..... تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' نمیر پلٹ کر تیز لہجے میں نویر سے مخاطب ہوا۔

''چاہنے یا نہ چاہنے کی بات نہیں ہے بھائی مگر..... یہ بات تو آپ مانو کہ آپ کی وجہ سے، آپ کی کوتاہی اور غیر ذمے داری کی وجہ سے یہ مصیبت ہم پر آئی ہے۔''

''ہاں تو کیا کروں؟ ہاتھ پیر جوڑوں تم لوگوں کے یا سر پر بٹھاؤں تم لوگوں کو..... کیا خیال ہے تمہارا کہ مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے یہ سب کر کے۔''

''افوہ..... چپ کرو تم لوگ، پہلے ہی دماغ خراب ہے، اتنی بڑی مصیبت آن پڑی ہے ہم پر، اوپر سے تم لوگ اس وقت خوامخواہ کی بحث میں الجھ کر مزید دماغ خواب کر رہے ہو۔'' زرتاشہ سے برداشت نہیں ہوا تو بیچ میں بول پڑی۔

''ویسے بھی یہ بات آپ لوگوں سے کہنی تھی کہ میں نے وہ فلیٹ اپنے نام سے لیا ہے..... فی الحال تو سب وہاں چلیں گے لیکن میری شادی کے بعد آپ لوگوں کو دوسرے فلیٹ میں شفٹ ہو جانا ہوگا ..... ملیحہ کو جوائنٹ فیملی میں رہنے کی عادت نہیں ہے۔'' نمیر بجلی پر بجلیاں گرا رہا تھا۔ وہ ساری پلاننگ پہلے ہی کر چکے تھے۔

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے نمیر..... یہ کیا بکواس ہے، ایک فلیٹ لینے کے لیے کیا کیا جتن کرنے پڑے ہیں، اوپر سے دوسرا کہاں سے لیں گے اور تم نے اپنے نام سے لیا ہی کیوں..... اس گھر

میں سب کا حصہ ہے، اگر یہ فروخت ہوا ہے تو اس کا حصہ بنا ہے، مگر ایک تو فروخت ہوا بھی تمہاری وجہ سے اور فلیٹ تم نے لیا بھی اپنے نام سے..... یہ کیا بے شرمی ہے؟'' مختار شاہ کی برداشت ختم ہوگئی تھی۔ نمیر کی بات پر زرتاشہ، نویر کے پیروں تلے زمین نکل گئی تھی۔ وہیں مختار شاہ کا خون غصے سے کھول اٹھا تھا یہ کیسی من مانیاں کر رہا تھا وہ، اپنے بڑے ہونے کا فائدہ اٹھا رہا تھا۔

''ہاں تو جو کاروبار میں میرا حصہ ہے وہ بھی برقرار ہے ناں..... اس میں بے شک مجھے کم دے دیں۔'' نمیر کاندھے اچکا کر بے شرمی سے بولا۔

''حد کرتے ہو تم..... شرم کرو کچھ، کیا بکواس کیے جا رہے ہو؟ نویر تمہارا چھوٹا بھائی ہے، تم نے نہ صرف مجھے دھوکا دیا بلکہ اپنے دگے بھائی کی پیٹھ میں بھی چھرا گھونپ دیا، اس کی اعتماد کو ٹھیس پہنچایا، اتنی خودغرضی، اتنی بے حسی، تم بڑے ہو نمیر..... تمہیں اس گھر کا خاص خیال رکھنا چاہیے، تم ذمے داریاں ہے، کل کو مجھے کچھ ہو جاتا ہے تو تم تو اپنی سگی ماں کو بھی گھاس نہیں ڈالو گے، اتنے خودغرض ہو گئے ہو تم کہ صرف اپنے لیے، اپنی ہونے والی بیوی کے لیے سوچ رہے ہو، اس کا خیال ہے تمہیں اور وہ..... وہ جو تمہارے اپنے، تمہارے سگے رشتے ہیں ان کے بارے میں ایک لمحے کے لیے بھی سوچا تم نے؟ ہمارے بھروسے کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں تم نے۔'' مختار شاہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ نمیر کا گلا دبا دیں۔

''اوہو..... پاپا پلیز کول ڈاؤن، آپ کے منہ سے ایسی باتیں سن کر ہنسی آ رہی ہے مجھے، پاپا آئی ایم سوری میں نے ہوش سنبھالتے ہی جو دیکھا وہی کیا، آپ نے کون سا خون کے رشتوں کا خیال کیا تھا، آپ نے کون سا کاروبار کو اچھے سے سنبھالا، دادا ابو کے مرنے کے بعد کتنا پیسہ برباد کیا، چاچو سے کتنا رشتہ نبھایا، دادو کو کتنی اہمیت دی؟ یہ سب جانتا ہوں میں..... مجھے یہ سبق نہ پڑھائیں، میں نے ماسے پہلے بھی ملیحہ کے بارے میں بات کی لیکن مما نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔ میں اسے چھوڑ نہیں سکتا اور اس کی خواہش بھی پوری کرنی تھی سو سب کچھ کیا..... ویسے بھی ایک میں ہی بے حس نہیں ہوں بلکہ یہاں پر آپ

،مما، نویر بھی بے حس ہیں..... یہاں پر کون کس کا ہے پاپا؟'' نمیر کی بات پر مختار شاہ منہ کھولے اسے دیکھتے رہے۔ اس کی بات میں وزن تھا۔ احساس ندامت مختار شاہ کے ماتھے پر پسینے کے قطروں کی صورت میں چمک رہا تھا۔ کیسا آئینہ دکھایا تھا ان کے اپنے بیٹے نے آج..... گھر میں کیسا تفرقہ جنم لے رہا تھا۔ تاریخ ایک بار پھر اپنے آپ کو دھرانے لگی تھی۔ زرتاشہ سر پکڑ کر بیٹھی رہی۔

''پاپا..... اگر بھائی یہی چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے آپ جائیداد کا بخرہ کر دیں..... جب دلوں میں گنجائش نہیں تو پھر ایسے رشتے پر لعنت بھیجتا ہوں میں۔'' نویر بل کھا کر بولا۔

''اوئے..... تو کیا لعنت بھیجے گا..... تیری کیا اوقات ہے، بہت بکواس آ گئی ہے تجھے۔'' نمیر کو شاید نویر سے اس بات کی امید نہیں تھی۔

''اللہ کے واسطے، چپ ہو جاؤ تم لوگ۔ میرا بی پی ہائی ہو رہا ہے، مجھے اتنا پریشان مت کرو کہ میں وقت سے پہلے مر جاؤں..... کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو تم لوگ۔'' زرتاشہ نے روتے ہوئے دونوں بپھرے ہوئے بیٹوں کو دیکھ کر ہاتھ جوڑے، اسی لمحے مختار شاہ کے سیل فون کی بیل ہوئی۔

''مختار.....''

''جی..... وعلیکم اسلام، جی جی میں ہی مختار شاہ ہوں، جی زوار میرا بھائی تھا چھوٹا..... آپ کون؟ اوہو..... اچھا جی..... جی بالکل میری بھتیجی، میرے پاس ہی ہے ہاں، ہاں جب سے والدین کی ڈیتھ ہوئی ہے میں نے ہی پالا پوسا ہے..... جی ہاں آپ جب چاہیں آ سکتے ہیں..... بہت شکریہ جناب، بہت مہربانی..... میں انتظار کروں گا۔'' مختار کی بات سن کر تینوں الجھ رہے تھے، یہ اتنے سالوں بعد زوار کے نام لیوا کون تھے کہ مختار نے اس کا ذکر کیا، پھر عریج کی بھی بات ہوئی تینوں کی مکمل توجہ مختار شاہ کی باتوں پر تھی۔

''کیا ہوا، کون تھا، کیا کہہ رہا تھا، کس کا فون تھا؟'' مختار سوالات کی زد میں آ گیا۔

''کوئی صاحب تھے جن کے ساتھ مل کر زوار نے امریکہ میں کام شروع کیا تھا..... وہ اس کے

پارٹنر تھے، ان کا کہنا تھا، کہ زوار ان کے کاروبار کا آدھا حصہ دار تھا.....اب گزشتہ کئی سالوں سے وہ اچانک لاپتہ ہو جانے کی وجہ سے پریشان تھے مگر کسی کی زبانی پتہ لگا کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے.....اب یہ صاحب زوار کو ابھی تک حصہ دار مانتے ہوئے اس کا حصہ جمع کرتے رہے ہیں، نیک نیتی سے کئی سالوں سے، اور اب چاہ رہے ہیں کہ سارا حصہ عریج کو دے دیں جو حقیقت میں اس کی امانت ہے.....اس سلسلے میں عریج سے ملنے آنا چاہتے ہیں۔'' مختار نے پوری بات تفصیل سے بتائی۔

''ہائے میں مر گئی.....یہ تو لاکھوں، کروڑوں ہوں گے.....مطلب اتنی رقم عریج کو ملے گی؟' زرتاشہ نے سینے پر ہاتھ مار کر اپنے احساسات کا اظہار کیا۔

''اوہ مائی گاڈ۔'' نمیر اور نویر بھی دانتوں میں زبان دبائے اس حیرت انگیز خبر پر آنکھیں پھیلائے، غیر یقینی کیفیت میں تھے۔

''اوہ.....ہمارے گھر میں کروڑوں کی جائیداد گھوم رہی ہے اور ہم خوامخواہ یوں جھگڑوں میں پڑے ہیں۔ مما ٹینشن کیوں لیتی ہیں آپ.....عریج کی جائیداد اپنی ہی سمجھیں۔'' یکلخت نمیر کا موڈ تبدیل ہوا، عجیب سی خوشگوار فضا قائم ہو گئی تھی۔ مختار شاہ کے چہرے پر بھی اطمینان تھا۔

''زرتاشہ لکشمی ہمارے گھر میں ہے.....اس کی قدر کرو۔'' مختار شاہ کی بات پر زرتاشہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ مختار شاہ نے سر ہلا کر آنکھ دبائی۔

''کچھ سمجھی کہ نہیں؟''

''ہاں.....ہاں سمجھ گئی، محترمہ کے ناز اٹھانے ہوں گے اب۔'' زرتاشہ نے سر ہلا کر کہا۔

''ہاں مما، کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا.....وہ بھلا اتنی بڑی جائیداد کا کیا کرے گی.....ہم اسے بہلا پھسلا کر اس سے محبت اور پیار کر کے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔'' نویر نے آنکھ دبا کر ماں کو دیکھا۔

''اف توبہ.....کیسی دنیا ہے، کیسے لوگ ہیں یہ.....ابھی ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے اچھالتے

رشتوں کا تقدس بھی بھولنے والے تھے..... کیسے اب اپنے فائدے کے حصول کے لیے پھر سے ایک ہو گئے تھے۔ نیتوں میں کس قدر کھوٹ تھا..... خود غرضی، مفاد پرستی، میں اپنی مثال آپ تھے۔ وہ لڑکی جس سے بات تک کرنا گوارا نہ کرتے تھے، اب اس کے ناز نخرے اٹھانے کو تیار تھے۔'' عریج چائے پی کر اندر آئی تو خلاف معمول آج سب کے چہروں پر بے زاری یا بے اعتنائی نظر نہیں آئی، وہ سر جھکا کر کچن کی طرف چلی گئی۔ خالی کپ رکھ کر باہر آئی تو مختار شاہ نے آواز دی۔

''جی بڑے پاپا، مجھے بلایا؟'' قدرے حیرانی سے پلٹ کر دیکھا۔ لاؤنج کے صوفیپر بیٹھا مختار شاہ اس کی جانب متوجہ تھا جبکہ دوسرے صوفے پر نمیر اور کاؤچ پر زرتاشہ اور نویر بیٹھے تھے۔

''جی..... تمہیں ہی بلایا۔'' مختار شاہ نے نرم لہجے میں کہا۔ وہ حیرانی سے سب کی جانب دیکھتی ہوئی مختار شاہ کی جانب آ گئی۔

''بیٹھو۔'' مختار شاہ نے اشارہ کیا تو عریج کرسی پر ٹک گئی۔

''تمہاری جاب کیسی چل رہی ہے؟''

''ہائیں.....'' عریج نے حیرت کے سمندر میں غوطے کھاتے ہوئے جھٹکے سے سر اٹھا کر مختار شاہ کو دیکھا۔ ''یہ آج..... کئی ماہ بعد ان کو یہ سوال پوچھنے کی نوبت کیوں آئی۔''

''الحمدللہ اچھی۔'' حیرت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے مختصر سا جواب دیا۔

''گڈ..... میں کہتی ہوں کوئی پک اینڈ ڈراپ دیکھ لو، تھک جاتی ہو گی تم رش میں یوں رکشوں میں دکھے کھا کر۔'' اس بار زرتاشہ نے حیرتوں کے کنویں میں پورے زور سے دھکا دے کر پھینکا۔ عریج کو لگا یہ لوگ دماغی توازن کھو چکے ہیں۔ آنکھیں پھاڑ کر تائی کی طرف دیکھا۔

''نہیں اب میں عادی ہو گئی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''اچھا عریج کیا تم سے کوئی صاحب ملے ہیں، تمہارے پاپا کے پرانے دوست، جو امریکہ میں

ساتھ تھے، کیا تم سے ملاقات ہوئی ہے ان کی؟'' مختار شاہ کے سوال پر عریج بری طرح چونکی۔

''اوہو.....'' اس نے دل ہی دل میں ان لوگوں کی فنکاری کی داد دی۔

''کون صاحب، مجھ سے تو کوئی نہیں ملا..... کیوں خیریت؟'' ایک لمحے میں ہی خود پر کنٹرول کرتے ہوئے اعظم شیخ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے حیرانی سے جواب دیا۔

''اچھا..... مطلب تم سے کوئی نہیں ملا، تمہارے پاپا کے حوالے سے کسی نے کوئی بات نہیں کی؟' زرتاشہ نے پوچھا۔

''نہیں بڑی مما، کیاں کیا ہوا، کسی نے ملنا تھا کیا؟'' اس نے معصومیت سے کہتے ہوئے تائی کی سمت دیکھا۔

''وہ دراصل ابھی کسی صاحب کی میرے پاس کال آئی تھی، تمہارے پاپا کے بزنس پارٹنر بتا رہے تھے خود کو..... وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں اور تمہارے پاپا کے حصے کی رقم جو امانتاً انہوں نے سنبھال کر رکھی ہوئی ہے تمہارے نام کرنا چاہتے ہیں، میں نے ان کو بتا دیا کہ تم میرے سگی بھتیجی ہو.....'' انہوں نے سگی پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اور والدین کی موت کے بعد میں ہی تمہارا گارجین ہوں، میں نے ہی تمہیں اپنے پاس رکھا ہوا ہے..... ٹھیک کہا ناں؟'' مختار شاہ نے تفصیل بتا کر تصدیق بھی چاہی۔

''جہ بالکل ٹھیک کہا..... اچھا مجھے تو علم ہی نہیں اس بات کا، ویسے بھی مجھے کیا کرنا ہے اتنے سارے پیسوں کا بڑے پاپا۔'' عریج نے کاندھے اچکا کر انتہائی لاابالی انداز میں کہا۔ جیسے اسے پیسے سے رتی برابر بھی دلچسپی نہ ہو، یہ خبر اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔

''ہاں..... ہاں وہی تو..... میں نے بھی یہی کہا، چھوٹی سی بچی ہو تم، بھلا کہاں سنبھال پاؤ گی اتنی بڑی رقم، اس لیے تمہارے بڑے پاپا اور تمہارے بھائیوں نے کہا کہ پہلے تم سے بات کر لیں اب تم کو تو سمجھ نہیں آئے گی ناں ان باتوں، تو تم اپنے بڑے پاپا کو ہی اپنا سرپرست مان لینا پھر جیسا تم چاہو گی ویسا

پیسہ خرچ کر لینا..... کاروبار میں بھی لگا سکتی ہو یا تمہاری مرضی، اب ان شاء اللہ کل کو تمہاری شادی بھی ہوگی، اس میں بھی اچھی خاصی رقم کی ضرورت ہوگی تو تمہارے بڑے پاپا ہی اچھے سے اور سلیقے سے وہ رقم استعمال کر سکتے ہیں، بس یہی کہنا تھا کہ وہ صاحب آئیں تو تم بھی یہی بات کہہ دینا۔'' زرتاشہ نے بڑے میٹھے انداز میں اپنا پلان اس کے گوش گزار کیا

''یا اللہ.....'' عریج دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ وہ لوگ عریج کو اب بھی عہی سہی ہوئی، معصوم اور بے وقوف، ڈرپوک بچی سمجھ رہے تھے کو ان کے ہر حکم پر سر جھکا لیتی تھی۔

''جی ٹھیک ہے بڑی مما..... آپ لوگ بتا دیجیے گا کہ مجھے کیا کہنا ہوگا۔'' معصومانہ انداز میں سر کھجاتے ہوئے بھولے پن سے زرتاشہ کو دیکھ کر بولی۔

''ہائے میں صدقے، کتنی اچھی بچی ہو تم..... بہت سمجھدار بھی۔'' زرتاشہ نے اس کی بلائیں لیں۔

''اب میں جاؤں بڑے پاپا۔'' پلٹ کر مختار شاہ کو مخاطب کیا۔

''ہاں..... ہاں جاؤ اور ہاں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتاؤ میں بازار جا رہا ہوں۔''

''اف اللہ.....'' عریج کو لگا کہ جیسے سماعتوں میں امرت انڈیل دیا گیا ہو..... اتنا میٹھا انداز، ایسی ناقابل یقین بات عریج نے پلٹ کر نمیر کی جانب دیکھا وہ اس سے ہی مخاطب تھا۔

''یا اللہ۔'' عریج کا دل چاہ رہا تھا کہ نمیر کو بے بھاؤ کی سنا دے، آج اتنے سالوں بعد اسے اس بات کا احساس ہوا تھا کہ وہ اس کی بہن ہے اور اسے بھی کسی چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

''توبہ..... توبہ کتنی گر چکی ہے دنیا اور دنیا میں رہنے والے لوگ..... کس قدر سفاک ہو گئے ہیں، اتنے مطلبی، اتنے لالچی، مفاد پرست۔'' پل بھر میں رویوں میں اتنا بدلاؤ آ گیا تھا کہ عریج بس ان لوگوں کے چہروں کو دیکھتی رہ گئی۔

''نہیں..... الحمد اللہ سب کچھ ہے میرے پاس۔'' اس نے متانت سے کہا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

''شکر ہے اللہ پاک کا کتنی آسانی سے مان گئی، دیکھو خوامخواہ ہم لوگ پریشان ہو رہے تھے .....اللہ تعالیٰ نے کیسا راستہ نکالا ہے، کیسے چھپر پھاڑ کر مدد بھیجی ہے، بس ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ عریج کو اب ہاتھوں ہاتھ رکھیں جب تک وہ صاحب نہیں آجاتے .....اس کا بہت خیال رکھنا ہے، اس کی بات ماننی ہے۔'' زرتاشہ نے خوشی سے دمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ مختار شاہ اور نویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہمم.....'' دونوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہا اللہ مجھے ہمت و حوصلہ دے، میں اچھی طرح ان لوگوں کا مقابلہ کر سکوں .....کہیں ڈگمگا نہ جاؤں۔'' اپنے کمرے میں آکر عریج نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے سوچا، بدلتے رویوں پر اسے آپ ہی آپ ہنسی آرہی تھی۔

''ہاہاہاہا، آگے آگے دیکھو کیا ہوتا ہے.....بس تم فکر نہ کرو اور گھبرانا نہیں۔'' ساری روداد سن کر زیدان بہت زور سے ہنسا۔

''نہیں زیدان ان شاء اللہ تعالیٰ میں اپنی مظلوم اور معصوم مما اور اپنے بے لوث پاپا کا بدلہ ضرور لوں گی.....ان سب کو ان کی اوقات یاد دلاؤں گی۔'' اعظم شیخ بھی سن کر مسکرا دیئے۔

☆.....☆.....☆

عریج پر مہربانیاں عروج پر تھیں، اس روز اتفاق سے عریج آفس سے جلدی گھر آگئی تھی، اپنی دھن میں اپنے کمرہ کی جانب بڑھ رہی تھی کہ باتوں کی آواز پر اس کے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔

''نہیں مما، میں اس سے شادی نہیں کر سکتا.....میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں۔'' نویر نے جواب دیا۔

''ارے پگلے، باؤلا ہوا ہے کیا؟ میں کون سا اس نوکرانی کی بیٹی کو بہو بنانا پسند کرتی ہوں، جس کو ساری عمر جوتی کی نوک پر رکھا، اس کی بیٹی کو بہو بنانے کا سوچ بھی نہیں سکتی.....یہ تو محض وقتی شادی ہوگی، شادی ہوگی تو جہیز، زیور اور اس کی جائیداد بھی ہم زور زبردستی سے تمہارے نام کروا سکتے ہیں، پھر بھلے

اسے لات مار کر تم اپنی پسند کی شادی کر لینا پاگل لڑکے تجھے تو حالات کا اندازہ ہے ناں.....کل کو اس کی شادی کہیں اور ہوگئی اور اس کے شوہر نے یہ سب کر لیا تو.....ہم تو تالی بجاتے رہ جائیں گے ناں؟ بات کو سمجھ بے وقوف، بس کچھ دن کی شادی ہوگی یہ، ہمارے پاس اپنا فلیٹ بھی نہیں نمیر کا تجھے پتا ہے ناں اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ اپنا بندوبست کر لینا، اب اللہ تعالیٰ نے اتنا اچھا موقع دیا ہے تو اللہ کا انعام سمجھ کر فائدہ اٹھا لینا چاہیے ہمیں، بے وقوفی اب نہیں کرنی، اس کے بعد کوئی چانس نہیں ملنے والا..... بھائی تمہارا متنفر ہوگیا، باپ تمہارا ناکارہ ہے اور تم میں اتنی اہلیت نہیں ہے، اس موقع کو ہاتھ سے ہرگز نہیں جانا چاہیے۔'' زرتاشہ نے ساری اونچ نیچ واضح انداز میں بیان کر کے نویر کو قائل کر ہی لیا۔

''ہاں.....ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔''

''بس پہلی فرصت میں نکاح کا انتظام کرو زرتاشہ۔'' نویر کی سمجھ میں زرتاشہ کی بات آ گئی تھی تب ہی مختار نے فوراً نکاح کی تجویز پیش کر دی۔

''اف اللہ، کس حد تک گر چکے ہیں یہ لوگ.....حد ہی کر دی ہے اس بار تو، کتنی چھوٹی اور نیچ باتیں سوچ رہے تھے۔'' عریج اپنے کمرہ کی جانب بھاگی، اس کا سر گھوم رہا تھا، کمرہ بند کر کے اعظم شیخ کو ساری صورت حال بتا دی۔

''ٹھیک ہے.....تم بالکل بھی ظاہر مت کرنا کہ تمہیں سب پتہ ہے، وہ جو کہتے ہیں خاموشی سے کرتی جاؤ لیکن ہمیں آگاہ کرتی رہنا۔'' اعظم شیخ نے سمجھایا تو عریج نے ''اوکے'' کہا۔

رات کے کھانے کے بعد حسب معمول عریج نے چائے بنائی اور زرتاشہ کے کمرے میں لے آئی .....زرتاشہ نے بیڈ پر کھسک کر اس کے لیے جگہ بنائی۔

''عریج بیٹی دو منٹ بیٹھو تم سے ایک بات کرنی ہے۔''

''جی بڑی مما۔'' اندر ہی اندر کھولتے ہوئے وہ نرمی سے پلٹی اور بیڈ پر ٹک گئی۔ بغور زرتاشہ کو

دیکھا۔ کتنی سفاک، کتنی گھنی، اور کتنی شاطر تھی یہ عورت.....اپنی ماں کے بارے میں ایسی باتیں سن کر تو عریج کو زرتاشہ کی شکل سے بھی نفرت ہو رہی تھی۔

''بیٹی، جو ہوا سو ہوا.....تم نے تمہارے والدین کے ساتھ شاید کچھ غلط کیا، اس وقت کے حالات ہی ایسے تھے پھر تمہارے ساتھ بھی کبھی کبھار زیادتی ہو گئی ہو گی۔''

''کبھی کبھار.....؟'' ہنہہ وہ دل ہی دل میں چیخی۔

''مگر اب.....دیر آید درست آید ہمیں اپنی کوتاہی کا احساس ہو گیا ہے، تم ہماری اپنی بچی ہو، ہمارا خون ہو، تمہارے لیے اچھی بات سوچنے، اچھا فیصلہ کرنے کا حق تو ہمیں ہے نا؟'' زرتاشہ نے ایک لمحے کے لیے رک کر سوالیہ نظروں سے عریج کو دیکھا۔

''جی بالکل۔'' وہ بولی۔

''اس سے زیادہ بہتر فیصلہ ہماری نظر میں نہیں ہے کہ تم ہمیشہ ہمارے ساتھ، ہمارے پاس رہو ہماری بیٹی بن کر.....ہماری بہو بن کر، ہم چاہتے ہیں تم ہمارے نویر کی دلہن بن جاؤ.....بہت پیار، مان اور محبت، عزت ملے گی تمہیں۔ بس تمہارے فیصلے کا انتظار رہے گا۔ زریف گھر کا بچہ ہے، ساری زندگی سامنے ہی رہا ہے تمہارے، برے فعل میں نہیں ہے، اچھی شکل وصورت کا مالک ہے، پھر سب سے بڑی بات کہ تمہارا اپنا خون ہے، تمہیں اعتراض تو نہیں ہو گا ناں؟''

''پیار، مان، محبت، عزت، بھلا ان چیزوں کی امید بھی کی جا سکتی ہے ایسے لوگوں سے جن کا دین وایمان صرف پیسہ ہے، پیسوں کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتے تھے.....آج رشتوں کی، خون کی بات کرتے ہوئے انہیں شرم بھی نہیں آ رہی تھی۔''

''کیا ہوا بیٹی اب؟'' زرتاشہ نے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں بڑی مما، آپ لوگوں کی مرضی.....مجھے اعتراض نہیں۔'' کہتے ہوئے وہ کس مشکل

سے گزری تھی یہ صرف وہی جان سکتی تھی، اس کا دل کس قدر تڑپا تھا مگر فی الحال یہ سب کرنا اس کے حق میں بہتر تھا سو سر جھکا کر کہا اور اٹھ کر باہر کی طرف نکل گئی، مبادا اس کی آنکھوں میں چھپی نفرت زرتاشہ دیکھ نہ لے۔

''ہائے میں صدقے، میں واری، دیکھا میں کہتی تھی ناں بہت اچھی فرمانبردار بچی ہے ہماری، اب اسے بھلا کیا اعتراض ہوگا.....بس مختار شاہ اب دھوم دھام سے تیاری شروع کردو ہمارے بیٹے کی شادی کی۔'' زرتاشہ خوشی سے پاگل ہو رہی تھی۔

''دیکھو تو زرا مختار اللہ پاک کتنی آسانی سے ہمارے کام بنا تا جا رہا ہے۔ایک بات ہے کہ ساری عمر ہم جس کو ناکارہ اور بوجھ سمجھتے رہے وہ تو پارس نکلی پارس۔'' عریج کا دل عجیب سا ہو رہا تھا، ساری باتیں اپنی جگہ مگر اس طرح س نویر کے ساتھ شادی کی تیاری، بہت گھٹیا سی بات تھی۔اس کی مرضی کے بالکل خلاف لیکن کبھی کبھی ہمیں وہ کرنا پڑتا ہے جس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتے۔قابل نفرت شے.....جس کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتے، ہمیں اس کے ساتھ ہنس ہنس کر وقت گزارنا پڑتا ہے .....اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنا پڑتا ہے، یہ ہماری ضرورت، کبھی مجبوری اور کبھی ہمارے مستقبل کی بہتری کی ضمانت کے لیے کرنا پڑتا ہے.....اپنا آپ بچانے، اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لیے، ناقابل محفوظ ہاتھوں می وقتی طور پر خود کو سونپنا پڑتا ہے۔تمام تر نفرتوں کے باوجود لبوں پر جھوٹی مسکان سجا کر اس نے محبت سے بات کرنی پڑتی ہے۔

بڑا کھٹن وقت تھا عریج کے لیے، رات بھر اسے نیند بھی نہیں آئی تھی اور عجیب قسم کی کوفت بھی ہو رہی تھی.....صبح سر میں شدید درد ہونے کہ وجہ سے وہ آفس بھی نہیں جا سکی، صبح دیر تک سوتی رہی، آنکھ کھلی تو دن کافی چڑھ گیا تھا.....اٹھ کر پہلے باتھ لیا تو طبیعت کچھ بہتر ہوئی، ناشتہ کرنے کچن میں آئی تو زرتاشہ کچن میں کھڑی تھی۔

''تم بیٹھو زرینہ ناشتہ بنا کر لے آئے گی، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آفس بھی نہیں گئی؟'' لہجے میں شیرینی گھلی ہوئی تھی۔

''جی بڑی مما، رات کو نیند نہیں آئی تھی دیر تک۔'' اس نے جواب دیا۔

''اچھا ایک کام کرتے ہیں، تم ناشتہ کر لو پھر ہم لوگ مال چلتے ہیں، تم اپنی مرضی سے اپنے لیے کپڑے لے لینا، تمہارے بڑے پاپا تمہارے لیے پیسے دے گئے ہیں آج نمیر بھی گھر پر ہے اس کے ہی ساتھ چلتے ہیں۔''

''یا اللہ۔'' بس چھت سر پر گرنا ہی باقی رہ گئی تھی۔ اتنی مہربانیاں وہ ہضم نہیں کر پا رہی تھی۔

''اوکے۔'' کہہ کر وہ پلٹ کر چائے نکالنے لگی۔ مال سے شاپنگ کر کے نکلے تو زرتاشہ کی محبت نے جوش مارا۔

''نمیر آج عریج نے ناشتہ بھی ٹھیک سے نہیں کیا، قریبی ریسٹورنٹ چلیں۔'' عریج کو بے تحاشہ کوفت ہو رہی تھی۔ ان کے ساتھ اتنا وقت گزارنا، اس کے لیے بہت کٹھن تھا مگر وہ بے زاری ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ریسٹورنٹ سے نکلتے ہوئے اعظم شیخ کی نظر پہلے گاڑی سے اترتے ہوئے نمیر اور پیچھے بیٹھی عریج پر پڑی تو انہوں نے آنکھیں پھاڑ کر دوبارہ بغور دیکھا۔ وہ عریج ہی تھی۔

''نمیر..... نمیر کے ساتھ گاڑی میں وہ؟'' اعظم شیخ کا ماتھا ٹھنکا، نظر بچا کر وہ جلدی سے مڑ کر دوسری طرف تیز تیز چل دیئے۔

''اوہ مائی گاڈ۔'' اعظم شیخ نے سر پکڑ لیا، اس وقت وہ عارض کے آفس میں تھے اور سامنے عریج اور زیدان بھی بیٹھے تھے۔

''کیا ہوا انکل؟'' ان کی حالت دیکھ کر عریج گھبرا گئی۔ آج وہ آفس خاص طور پر اسی لیے آئے تھے کہ نمیر کی بابت عریج سے پوچھ گچھ کریں گے کہ وہ نمیر کے ساتھ کیوں تھی؟ اور جب عریج نے بتایا کہ

نمیر اسکا کزن ہے تو ان کا دماغ گھوم گیا، نمیر سے تو ان کی اچھی خاصی بات چیت ہو چکی تھی گھر خریدنے کے سلسلے میں، مختار شاہ کے گھر کے خریدار کوئی اور نہیں اعظم شیخ ہی تھے..... مختار شاہ سے بھی اعظم شیخ کی ملاقات اپنے آفس میں ہوئی تھی جہاں پر اعظم شیخ نے مختار شاہ کو زوار شاہ کے حصے کی رقم کے بارے میں تفصیل بتائی تھی۔ باقی کا کام اعظم شیخ کے پارٹنر نے کیے تھے، آج ان کو علم ہوا تھا کہ اس گھر میں عریج بھی رہتی ہے، کیسے کڑی سے کڑی ملتی جا رہی تھی۔ اللہ پاک کس طرح سے آسانیاں پیدا کر رہا تھا بالکل انہونی باتیں، ناقابل یقین سچویشن بنتی جا رہی تھی۔ حالات خود بخود عریج کی موافقت میں ڈھلتے جا رہے تھے، ایک عمر اذیت اور پریشانی میں گزارنے والی معصوم لڑکی کے لیے اللہ پاک کی مہربانیاں عروج پر تھیں۔ وہ مالک کل دے رہا تھا، بخش رہا تھا..... سب سے پہلے اعظم شیخ نے نمیر شاہ کو گھر خالی کرنے کا نوٹس دیا کیونکہ اب گھر ان کی ملکیت تھا۔ اعظم شیخ ایک بار بھی خود سامنے نہیں آئے تھے، ادھر زرتاشہ نے نویرا اور عریج کے نکاح کا دن بھی طے کر دیا تھا اور وہ جلد از جلد یہ کام کرنا چاہ رہی تھی۔

''زیدان پلیز، انکل سے کہو جلدی کچھ کریں، وہ لوگ اب نکاح کروا رہے ہیں، تیاریاں کر رہے ہیں۔'' عریج نے پریشان ہو کر زیدان کو کال کی۔

''کب کروا رہے ہیں؟'' زیدان نے پوچھا۔

''شاید اگلے اتوار کو..... ابھی کنفرم نہیں ہے مگر ایسا سنا ہے میں نے..... اور مجھے آفس جانے سے بھی منع کر رہے ہیں۔'' وہ بہت پریشان تھی۔

''اوہو..... میں آج ہی بات کرتا ہوں تم فکر نہ کرو۔'' عریج آفس سے گھر پہنچی تو زرتاشہ نے اس کے کان میں بات ڈال دی تھی، وہ پریشان ہوئی اور فوراً ہی زیدان کو کال کر کے حالات سے آگاہ کیا۔ ابھی کال پر بات کر ہی رہی تھی کہ زرتاشہ آ گئی شاید اس نے آخری جملہ سن لیا تھا..... اس کے چہرے کے آثار یہی بتا رہے تھے۔

''کس سے بات ہو رہی ہے تمہاری کس کو کہہ رہی ہو یہ باتیں؟'' انداز وہی پہلے والا تھا .....گھبرا کر عریج نے فون بیڈ کر پھینک دیا۔

''وہ.....میری دوست تھی بڑی مما آفس کی وہ پوچھ رہی تھی تو اس کو بتا رہی تھی۔'' عریج نے تھوک نگلتے ہوئے بات بنائی۔

''سچ سچ بتاؤ عریج.....کوئی ڈرامہ تو نہیں کر رہی ہو ناں؟'' زرتاشہ نے تفتیشی انداز اپنایا۔

''نہیں بڑی مما، کیسا ڈرامہ؟'' وہ منمنائی۔

''دیکھو عریج.....تمہیں عزت دے کر اس گھر کی بہو بنا رہی ہوں.....اس لیے کوئی چالاکی مت دکھانا ہمیں اور ہاں تمہارے بڑے پاپا کہہ رہے تھے کہ قاضی صاحب ملک سے باہر جا رہے ہیں تو شاید کل ہی تمہارا اور نویر کا نکاح ہو جائے.....اس لیے آج رات کو میرے ساتھ بیوٹی پارلر چلنا، ابھی فی الحال نکاح ہوگا اور بعد میں پھر دوسرے فنکشنز ہوتے رہیں گے۔''

''جی.....کل اتنی جلدی؟'' وہ ہکلائی۔

''تو کیا ہوا.....چار دن پہلے ہو جائے گا، اب تمہیں آفس جانے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی، ماشاءاللہ تمہارے اکاؤنٹ میں پیسہ بھی آ جائے گا.....عیش کرنا عیش۔'' زرتاشہ کا انداز لالچی ہوا۔

''اف توبہ.....'' عریج جو اس افتاد پر حیران تھی اس کی بات پر دل ہی دل میں بولی۔ بے دھیانی میں عریج نے اپنا سیل بند نہیں کیا تھا.....دوسری جانب ساری باتیں زیدان کے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔

''سنو.....اب اس طرح سے کسی سے بھی بات چیت کرنا ہو تو نویر کی مرضی اور اس سے پوچھ کر کرنا.....خیر سے وہ تمہارا شوہر بننے والا ہے۔'' جاتے ہوئے زرتاشہ نے کہا تو عریج نے سر پیٹ لیا، موبائل کی بیٹری لو تھی وہ ڈسچارج ہو گیا تھا۔

''یا اللہ.....اب ساری سچویشن زیدان اور اعظم انکل کو کیسے بتاؤں گی۔'' وہ پریشان ہوئی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

مختار شاہ، نمیر اور نویر بھی گھر آ چکے تھے۔ رات کے کھانے کی تیاری ہو رہی تھی۔ زرینہ کچن میں کھانا بنا رہی تھی۔ زیدان کا سیل آف تھا..... وہ کتنی بار ٹرائی کر چکی تھی۔ اعظم شیخ کا بھی بزی جا رہا تھا وہ پریشانی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ حالات کہاں جا رہے تھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا..... وہ اپنے کمرے میں تھی کہ اچانک مختلف آوازوں پر چونکی اور ڈرائنگ روم کی طرف آئی، تو سامنے اعظم شیخ، زیدان اور نیاز بابا کھڑے تھے..... مختار شاہ، نمیر اور نویر کے ساتھ زرتاشہ بھی وہاں موجود تھیں۔

''بیٹھیں..... بیٹھیں جناب۔'' مختار شاہ اعظم شیخ کو زوار کے پارٹنر کی حیثیت سے جبکہ نمیر گھر خریدنے والے کی حیثیت سے جانتے تھے۔ ''آپ نے کافی دن لگا دیئے۔''

''سارے کاغذات وغیرہ بنوانے میں ٹائم تو لگتا ہے ناں جناب۔'' اعظم شیخ نے بیٹھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔ عریج کا چہرہ ان لوگوں کو دیکھ کر کھل اٹھا تھا۔ وہ تقریباً دوڑتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی، شدت جذبات سے رونا آ گیا تھا۔ تب ہی نا چاہتے ہوئے وہ دوڑ کر اعظم شیخ کے سینے سے لگ گئی۔ اس وقت کسی اپنے کی شدید ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ سب لوگ حیرانی سے عریج کو دیکھ رہے تھے۔

''عریج یہ کیا حرکت ہے؟'' نویر غصے سے اٹھا۔

''یہ..... میری بیٹی ہے اور بیٹی باپ کو دیکھ کر جذباتی تو ہو ہی جاتی ہے مسٹر نویر۔'' اعظم شیخ نے کہا۔

''کیا مطلب..... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' اس بار نمیر بولا۔

''یہ کہانی بہت الجھی ہوئی ہے جناب..... اس سے بھی زیادہ الجھی ہوئی جتنی اس بچی کی زندگی الجھی ہوئی ہے۔'' اعظم شیخ نے متانت سے کہا۔

''یہ سب کیا ہے؟ کیا ڈرامہ ہے یہ عریج..... دور ہٹو۔'' زرتاشہ غصے سے عریج کو دیکھ کر چلائی۔

''میں آپ لوگوں کی کنفیوژن دور کیے دیتا ہوں..... دراصل میں اعظم شیخ زوار کا دوست اور بزنس پارٹنر ہوں..... کافی عرصہ امریکہ میں رہ کر پچھلے کچھ سالوں سے پاکستان میں ہوں، ایک دو

چھوٹے کاروبار کر رکھے ہیں اور ایک اسٹیٹ ایجنسی بھی ہے میری۔ میں نے ایک کاروبار سے اتنے کاروبار جما لیے الحمد اللہ تو میں سمجھتا ہوں اس ایک کاروبار کا حصہ میرا دوست زوار میرے ہر کاروبار میں ہمیشہ سے شریک رہا ہے مگر قدرت نے اس کے ساتھ جو کیا وہ سب جانتے ہیں.....اب یہ بچی مجھے اچانک مل گئی سو زوار کا حصہ اب اس کی ملکیت ہے جو میں اس کے نام کر چکا ہوں اور دوسری بات یہ کہ مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ گھر جس کا سودا میں نے کیا ہے..... یہ گھر کس کا ہے؟ وہ تو خریدنے کے بعد پتا چلا کہ اس گھر کا حصہ تو میری اپنی بچی ہے سو اتنے دن سے کوششیں کرتا رہا، سو اب الحمد اللہ سارے کام بہترین طریقے سے ہو گئے ہیں، اب یہ گھر آپ لوگوں کو تین دن کے اندر معاہدے کے مطابق خالی کرنا ہوگا۔'' اعظم شیخ نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا تو سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

''ابھی ہم خالی نہیں کر سکتے..... میرے بیٹے کا نکاح ہے، ہمیں مہلت چاہیے اتنی جلدی کیسے جا سکتے ہیں۔'' زرتاشہ صورت حال سمجھ کر پہلے تو گھبرائی پھر ہمت کر کے بولی۔

''نکاح..... محترمہ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ نکاح پر نکاح نہیں کیا جا سکتا ہے..... یہ جرم ہے اور اس کی سزا بھی مل سکتی ہیں آپ سب کو۔'' اس بار نیاز بابا نے کہا تھا بے حد دھیمے انداز میں۔

''ارے آپ پاگل ہو گئے ہیں کیا؟ میرا بچہ کنوارہ ہے بالکل..... کوئی نکاح وکاح نہیں ہوا اس کا۔'' زرتاشہ بدتمیزی سے بولی۔

''نکاح آپ کے بیٹے کا نہیں بلکہ میری بیٹی کا ہوا ہے۔'' اعظم شیخ کی بات پر زرتاشہ سمیت یوں اچھلے جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

''کک..... کیا مطلب، کس کا نکاح؟'' مختار شاہ گڑبڑایا۔

''عریج زوار شاہ کا نکاح زیدان مرتضیٰ کے ساتھ ہو چکا ہے بھائی صاحب۔'' نیاز بابا بولے۔

''آپ لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے، کیا بکواس کیے جا رہے ہیں، جناب گھر آپ نے خرید لیا

ہے، جائیداد عریج کو دے دی ہے، اب ہماری پرسنل لائف سے کوئی واسطہ نہیں آپ لوگوں کا اور آپ کون ہیں جو ہمارے معاملات میں بڑبڑ کیے جا رہے ہیں، آپ کو کس نے اجازت دی یہاں آنے کی؟'

'نویر دو قدم آگے بڑھ کر پہلے اعظم شیخ کی طرف دیکھ کر بولا اور پھر نیاز بابا کی طرف آ کر بدتمیزی سے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''اوئے..... ہاتھ ہٹا۔'' زیدان جواب تک چپ کھڑا تھا ایک قدم آگے بڑھا اور پوری قوت سے چلا کر نویر کے ہاتھ پر زور سے ہاتھ مار کر اس کا ہاتھ پیچھے کیا۔

''تمیز سے بات کرو۔'' نمیر آگے بڑھ کر غصے سے بولا۔ نویر کھا جانے والی نظروں سے زیدان کو دیکھ رہا تھا۔

''اے لڑکے، دماغ خراب ہو گیا ہے کیا..... ہمارے گھر میں آ کر ہمارے بچے پر ہاتھ اٹھا رہے ہو۔'' زرتاشہ آپے سے باہر ہوئی۔

''ایک بار پہلے بھی میں چپ ہو گیا تھا آپ کی بکواس سن کر کہ اس وقت میں بے بس اور مجبور تھا، اس قابل نہیں تھا کہ پلٹ کر آپ کی بدتمیزی کا جواب سود سمیت آپ کو لوٹا دیتا مگر آج یہ نہیں ہوگا۔' جذبات کی رو میں بہہ گیا تھا۔

''اور ایک جملہ درست کر لیں بڑی مما کہ..... ہمارے گھر میں آ کر کیونکہ اب یہ آپ کا گھر نہیں رہا ہے بلکہ جس سے آپ یہ سوال کر رہی ہیں یہ گھر ان کا ہی ہے۔'' عریج کی بات پر زرتاشہ نے سر پر ہاتھ مارا۔

''کیا بکواس ہیں؟ کیا پہیلیاں ہیں، تیری زبان بھی چلنے لگی ہے، اتنی ہمت ہو گئی تیری۔' زرتاشہ آپے سے باہر ہو کر آگے آئی اور قبل اس کے کہ عریج کو دھکا دیتی، زیدان نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''محترمہ ہوش میں رہیے..... یہ آپ کی زرخیز لونڈی نہیں..... میری بیوی ہے اور میں اپنی بیوی کی طرف اٹھنے والی ہر آنکھ پھوڑ سکتا ہوں اور اٹھنے والے ہاتھ توڑ سکتا ہوں۔'' نیاز بابا نے زرتاشہ کی طرف رخ موڑتے ہوئے کہا۔

''وقت اپنی چال چل گیا زرتاشہ بی بی، آپ کو یاد ہوگا ایک بار، ایک بار آپ نے ایک آدمی کو بے عزت کر کے گھر سے نکالا تھا، کیونکہ اس نے ایک مظلوم بچی کے حق میں زبان کھولی تھی، اس وقت آپ نعوذ باللہ خود کو خدا سمجھ بیٹھی تھی مگر آپ کو پتہ نہیں کہ اصل خدا تو وہ ہے جو کیسے حالات بدل دیتا ہے، آسمان کی بلندیوں کو چھونے والوں کو کیسے زمین پر لا پٹختا ہے..... وہی عروج وہی زوال دینے والا ہے، آج وقت نے پلٹا کھا لیا ہے کہ جس کا کوئی بھی نہیں تھا دیکھو تو زرا کس طرح سے رب کی رحمت سے راستے نکلتے چلے گئے..... زرا غور سے دیکھیں میں وہی نیاز بابا ہوں جس کو آپ نے کمتر، نیچ اور چھوٹا کہہ کر دھتکار دیا تھا، بڑے گھر کا طعنہ دے کر ذلیل کیا تھا لیکن قدرت نے کیسا سب کچھ سود سمیت لوٹا دیا ہے آج مجھے۔''

''اف یہ سب کیا ہے، کیا کہہ رہے ہیں، میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا..... مختار شاہ۔'' زرتاشہ مختار شاہ کی سمت بڑھی۔ عریج ان کی طرف بڑھی اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''بڑمما، آپ بے حد معصوم اور سیدھی داسی ہیں ناں اس لیے بات نہیں سمجھیں، میں سمجھاتی ہوں آپ کو کہ ساری عمر جس عورت کو آپ نے نیچ گھٹیا اور چھوٹا انسان سمجھا اور آج تک بھی آپ کی زبان سے اس عورت کے لیے زہر ٹپکتا ہے، وہ تو سیدھی سادی، معصوم اور سچی عورت تھی، جس نے اس گھر میں نوکرانی بن کر زندگی گزار دی، حق دار ہوتے ہوئے بھی حق نہ پایا اور اس کی بیٹی جو آپ لوگوں کے لیے ہمیشہ اضافی شے اور بوجھ رہی، کتنا لالچ، پیسے کی آرزو کریں گے آپ لوگ، میرے نام جائیداد کا سنا تو آپ لوگ کتنے میٹھے بن گئے لیکن در پردہ کتنے گھناؤنے داؤ پیچ آزما رہے تھے، آپ لوگ کیسے خون کے

رشتے ہیں کہ جنہیں رشتے دار کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کتنی گھٹیا سازشیں کرتے تھے آپ سب، آپ سب کو صرف پیسہ چاہیے، پیسہ پیسہ پیسہ، ساری زندگی اسی پیسے کے چکر میں رہے، میرے پاپا کو ان کے حق سے محروم کر کے بھی بڑے پاپا کا دل نہیں بھرا۔'' وہ اشک بار آنکھوں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

''یہ میری مما کی تربیت ہے کہ آج اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی میں آپ کو دھکے سے کر اس گھر سے نہیں نکلوا رہی بلکہ شرافت اور تمیز کے دائرے میں رہتے ہوئے کہہ رہی ہوں کہ اب اس گھر کی مالکن میں ہوں..... ''جی میں ایک نوکرانی کی بیٹی'' وہ نوکرانی جو ساری زندگی آپ کے احکامات پر سر جھکا کر آپ کے طعنے سنتی رہی اس نوکرانی کی بیٹی..... آپ کو آرڈر دے رہی ہے کہ اگلے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر آ اپنا بوریا بستر سمیٹ کر اس گھر سے جا سکتے ہیں..... اس گھر کو کتنی آسانی سے غیروں کے ہاتھ میں دے رہے تھے آپ لوگ..... کتنے سنگدل ہیں..... نہ دادا جی کا خیال ہے نہ دادو کا..... کتنی محبت سے بنایا ہوا گھر یوں اٹھا کر بیچ دیا لیکن قدرت کا کرشمہ دیکھیے بیچا بھی تو کس کے ہاتھوں اور آج آپ کی اولاد آپس میں لڑ رہی ہے گھر کے لیے..... بتایئے تو بڑے پاپا آپ کو کیا ملا؟'' وہ مختار شاہ سے مخاطب ہوئی۔

''کیا پاپا پ نے ساری زندگی بڑے پاپا کہ آج آپ کے پاس سر چھپانے کو ڈھنگ کا ٹھکانہ بھی نہیں ہے..... آپ کا بیٹا آپ کو ساتھ رکھنے کو تیار نہیں..... یہی قدرت کا فیصلہ ہے..... نیاز بابا اس گھر کے نوکر، اس گھر کے مالک ہے۔ میں اس گھر کی نوکرانی کی بیٹی اب اس گھر کی مالکن ہوں، ذرا برابر بھی افسوس نہیں ہے کہ میں نے کیا کھویا کیونکہ جو کھو رہی ہوں وہ تو کبھی میرے اپنے تھے ہی نہیں اور جو میں نے پایا ہے وہ میرے لیے کسی نعمت سے کم نہیں اور ہاں نویر صاحب جہاں شادی کرنا چاہتے ہیں وہیں کیجیے گا کیونکہ یہ جائیداد تو ہاتھ سے گئی اب آپ لوگ جا سکتے ہیں..... ہاں ان شاء اللہ اپنی شادی کا کارڈ ضرور بھجواؤں گی میں..... آیے گا ضرور، پریشان مت ہوئے گا، بنا لفافے کے آ جایے گا کیونکہ شاید آگے مزید پیسوں کی کمی ہو آپ کو۔'' بازی یک دم پلٹ گئی تھی۔ کل تک زرتاشہ یہی سمجھ رہی تھی کہ سب کچھ اس

کے ہاتھ میں ہے لیکن آج ہونے والے انکشافات نے سب کے پیروں تلے سے زمین نکال دی تھی .....ایسا ہوگا یہ تو کسی نے سوچا بھی نہیں تھا اور عریج کتنی ہوشیاری سے سب کو بے وقوف بنا رہی تھی لیکن اب تو وہ بازی ہار چکی تھی .....ساری زندگی حکومت کرنے والی زرتاشہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ مختار شاہ، نمیر، نویر کے غصے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے تھے، ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسا ہو جائے گا، چاروں کے طاروں ہارے ہوئے جواریوں کی طرح سر جھکا کر باہر کی سمت چل دیے، چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ آج ایک چھوٹی سی لڑکی نے کتنی بری طرح مات دے دی تھی، ایسی مات جو ساتھ پشتوں کو یاد رہنے والی تھی۔ عریج سب کچھ کہہ کر سسک سسک کر رو دی اپنی جیت پر.....آج اسے مما، پاپا اور خاص طور پر دادو کی بے حد یاد آئی تھی اور زیدان بغور عریج کو دیکھ رہا تھا۔ آگے بڑھا اور اپنے مضبوط بانہوں کا سہارا دے کر اپنے ساتھ لگا لیا.....دائیں بائیں اعظم شیخ، نیاز بابا کو دیکھ کر عریج کی آنکھوں میں شکر کے آنسو آ گئے تھے۔

''پاپا، مما، دادو دیکھیں تو.....آپ لوگوں کی چھوٹی آج کتنی خوش ہے.....اسے مضبوط سہارے مل گئے ہیں۔'' عریج نے سوچتے ہوئے آنکھیں موند لیں، اسے یوں لگا جیسے دادو، مما، پاپا اسے دیکھ کر مسکرا رہے ہو، پلکوں کی باڑ سے دو آنسو پھسل کر زیدان کی ہتھیلی میں جذب ہوئے۔ محبت تکمیل پا چکی تھی۔ اس کے خوابوں میں بسے سفید پھولوں نے اسے زندگی کے سب سے حسین پھول رشتوں کی شکل میں عطا کر دیے تھے۔ آج اسے دو ہاتھ اور سفید پھول کی تعبیر مل گئی تھی۔

❁ ❁

ختم شد